

مفتی محمد رفیع الرحمن صاحب  
امامیہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند

# تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ پر اعتمادی اور بائبل پر اعتماد

شرح و تحقیق  
مفتی محمد رفیع الرحمن

ناشر

کتب خانہ مجید ریہ ملک

حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی کا  
اجمالی امتحان اور دعویٰ

# تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ پر اعتمادی اور بائبل پر اعتماد

شرح و تحقیق  
مفتی محمد ساجد قریشی

ناشر:

کت خانہ مجید پورہ

بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان



نام کتاب ————— تفہیم القرآن میں احادیث سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد  
موضوع ————— تحقیق و تبصرہ

انادات ————— شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی  
شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا زکریا صاحب کاندھلوی  
فقہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی  
شرح و تحقیق ————— مفتی محمد ساجد قریشی قاسمی، بی بی مادھو گنج ضلع رائے بریلی

صفحات ————— 495

سن طباعت ————— رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

قیمت ————— 200 روپے

ناشر ————— مجیدیہ کتب خانہ ملتان

تعداد ————— 1000

### ملنے کے پتے

اسلامی کتب خانہ — بنوری ٹاؤن کراچی  
مکتبہ قاسمیہ — بنوری ٹاؤن کراچی  
مکتبہ زکریا — بنوری ٹاؤن کراچی  
کتب خانہ رشیدہ — راجہ بازار راولپنڈی  
مکتبہ رحمانیہ — اردو بازار لاہور  
مکتبہ سید احمد شہید — اردو بازار لاہور



اللہم

صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ لَمُنْكَامٌ مَبْنِيٌّ

اللہم

بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ

إِنَّكَ لَمُنْكَامٌ مَبْنِيٌّ

## انتساب فیوض

یعنی وہ حضرات گرامی جن کی برکات و دعوات صالحات سے  
اللہ پاک نے مجھے اس کام کی توفیق بخشی

- ☆ والد محترم جناب محمد حنیف صاحب عرف بابو میاں قریشی
- ☆ والدہ محترمہ جنابہ حفیظہ خاتون صاحبہ رب ارحمہما کما ربینی صغیرا
- ☆ اتالیق استاذ مکرم جناب حافظ وقاری الحاج محمد یعقوب صاحب فریدی مدظلہ
- ☆ استاذی الموقر حضرت اقدس مولانا محمد طیب صاحب اعظمی مدظلہ، صدر المدرسین
- مدرسہ اسلامیہ عربیہ، برن پور
- ☆ مخدومی جناب مولانا احمد اللہ صاحب خلیفہ و مجاز شیخ الاسلام حضرت مدنی
- مہتمم اول مدرسہ اسلامیہ عربیہ برن پور
- ☆ مخدومی حضرت الحاج عبد اللہ صاحب مہتمم ثانی مدرسہ اسلامیہ عربیہ، برن پور
- ☆ مشفق و مکرری جناب حضرت الحاج فتح محمد صاحب خلیفہ حضرت شیخ الحدیث
- اساتذہ کرام جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور
- ☆ اساتذہ گرام مادر علمی، دارالعلوم دیوبند
- ☆ سیدی و مرشدی فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی مفتی اعظم
- دارالعلوم دیوبند و ہند

## فہرست مضامین

- بہر شمار عنوانات صفحہ
- ۱ پوری کتاب کی بنیاد (مکتوب فقیہ الامت گنگوہی)
- ۲ اس کتاب کے جواب کے لئے
- ۳ قرآن مجید اور قدیم آسمانی صحیفے
- از مفکر اسلام جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
- ۴ تقریظات و تصدیقات اکابر علماء دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور
- ۵ و ندوۃ العلماء لکھنؤ و جمیع علماء ہند
- ۶ مقدمہ
- ۷ حضرت شیخ الاسلام و حضرت فقیہ الامت کی نشاندہی
- ۸ پر علی تعاقب
- ۹ جناب مولانا سید مودودی مرحوم کے وعدہ کی بنیاد
- ۱۰ پر خیر خواہانہ مشورہ
- ۱۱ یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کا فیض ہے
- ۱۲ دعائے کلمات تشکر
- ۱۳ مکمل تفہیم القرآن کے غیر جانب دارانہ مطالعہ کے
- دوران بار بار بنیادی سوالات
- ۱۴ توجیح دعا کے لئے ہم نے یہ طریقے اختیار کئے ہیں
- ۱۵ واضح دلائل قطعی ثبوت کے بعد؟
- ۱۶ ایک اور ضروری وضاحت و فیصلہ



نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۳	اکابر دیوبند و اکابر ہندو نے جو کچھ لکھا وہ کوئی الزام نہیں	۵۸
۱۴	اس کتاب میں موجودہ اکابر دیوبند کی تصدیقات	
	کثیر تعداد میں کیوں ہیں؟	۵۹
۱۵	ایک اہم خلش اور ایک شدید غلطی	۶۰
	وابستگان دیوبند کے لئے لمحہ فکریہ	
۱۶	ایک اہم سوال	۶۱
۱۷	یہ کتاب کس مقصد سے لکھی گئی ہے؟	۶۲
۱۸	تفہیم القرآن سے عیسائیوں کے اعتراض کو تقویت	
۱۹	میری یہ کتاب تفہیم القرآن کے کس ایڈیشن کی بنیاد پر ہے؟	۶۹
۲۰	جماعت اسلامی اور تنقید	۷۰
۲۱	تفسیروں میں حضرات مفسرین کا اپنا اپنا ذوق	۸۰
۲۲	تحقیق و تنبیہ	
۲۳	ایک اور بڑی حقیقت کا انکشاف	۸۲
۲۴	جناب مولانا مودودی پر حقائق و معارف کب کھلے؟	۸۹
۲۵	تفہیم القرآن آخر عربی زبان میں کیوں نہیں ہے؟	۹۱
۲۶	آنکھیں بند کر کے آپ کی پیروی نہ کی جائے	۹۲
۲۷	آیت اللہ خمینی اور شیعہ علماء سے آپ کے تعلقات	۹۵
۲۸	قرون اولی کے مسلمان علماء کی انتہائی راست بازی کے عنوان سے ۱۰۰	
	احادیث شریفہ کے مقابلہ میں تاریخ کی اہمیت	
۲۹	قارئین کرام دھوکہ اور غلط فہمی کے شکار نہ ہو جائیں... تاریخ	۱۰۱
۳۰	اصل بات یہ ہے	۱۰۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۳۱	کیا مولانا مودودی کے دینی و علمی مخالفین کا حشر و انجام بھی	
۱۰۳	عبرت ناک ہوگا؟	
۳۲	تفسیر محمود تفسیر مذہب کا معیار کیا ہے؟	۱۰۵
۳۳	تفہیم القرآن کا شرعی حکم	۱۰۶
۳۴	تفہیم القرآن کو تفسیر القرآن کہنا جائز ہے یا نہیں؟	۱۰۷
۳۵	راقم الحروف کا فیصلہ	۱۰۹
۳۶	تفہیم القرآن کے مدلل علمی تعاقب میں آنے والی ۱۱ کتابوں کے نام = ۱۱	
۳۷	آج کل کی تفسیروں کو بھی میزان عدل پر تولنا ضروری ہے	۱۱۱
۳۸	اقسام تفسیر	
۳۹	کون سی تفسیر ناقابل قبول و ناقابل اعتبار ہوگی؟	۱۱۳
۴۰	سوالات برائے تنبیہ	۱۱۴
۴۱	اس مسئلہ میں جناب مولانا مودودی مرحوم کو کیا طریقہ	
	اختیار کرنا چاہئے؟	
۴۲	اسرائیلیات کی قسمیں	۱۱۸
۴۳	حضرت عمر فاروقؓ کا رویہ	۱۲۲
	<b>باب اول</b>	
۴۴	تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ پر جرح و قدح	۱۲۳
۴۵	جناب مولانا مودودی مرحوم نے علم اسماء الرجال کی انتہائی	
۱۲۵	دقیق بحث کو عوام کیلئے تفہیم میں کیوں بیان کیا؟	
۴۶	جناب مولانا سید مودودی صاحب نے احادیث شریفہ کی	
۱۳۶	مخالفت کیوں کی؟	

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
-----------	---------	------

۴۷	حدیث پر کھنے کا طریقہ	۱۲۴
۴۸	احادیث مفید یقین نہیں	۱۲۶
۴۹	کیا ہر صحیح حدیث کو حدیث رسول مان لیا جائے؟	۱۲۶
۵۰	مودودی صاحب کا موقف	۱۳۴
۵۱	مودودی صاحب کا موقف فقہ اور کلام میں	۱۳۴
۵۲	تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے قرآن و سنت کی تعلیم نہ دی جائے	
۵۳	ترکی علماء و مشائخ پر تنقید	۱۳۸
۵۴	قرآن کے لئے تفسیر کی حاجت نہیں	۱۳۹
۵۵	قرآن نہیں کا نیا طریقہ	۱۳۹
۵۶	مودودی صاحب کا مسلک	۱۴۱
۵۷	پوری جماعت اپنے مسلک میں آزاد ہے	۱۴۱
۵۸	مودودی صاحب کی آزادی مسلک عطا کرنے کی حقیقت	۱۴۵
۵۹	تقلید اہل علم کے لئے درست نہیں	۱۴۶
۶۰	اہل حدیث بھی مقلد ہیں	۱۴۶
۶۱	تقلید کا مفہوم اور عدم تقلید کا اثر	۱۴۷
۶۲	تقلید کرنا گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے	۱۴۸
	<b>باب دوم</b>	۱۴۹
۶۳	تدوین حدیث کی مختصر تاریخ	۱۵۰
۶۴	حدیث کی تین قسمیں	۱۵۲
۶۵	حدیث صحیح اور قرآن میں فرق	۱۵۲

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
-----------	---------	------

۱۵۶	<b>تیسرا باب</b>	
۶۶	تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی	۶۶
۶۷	بخاری و مسلم کی احادیث پر جرح و قدح و بے اعتمادی	۱۵۷
۶۸	تفہیم کی ان عبارات پر نمبر وار تنقید و تنبیہ	۱۵۹
۶۹	احادیث و روایات پر تنقید کرنے کا صحیح طریقہ	۱۶۸
۷۰	احادیث شریفہ سے بے اعتمادی کی ایک اور واضح مثال	۱۶۹
۷۱	البیرونی کا قول باقرارہ کے تحت آپ خود ہی اپنی تحریر کی گرفت میں	۱۷۱
۷۲	تاریخی روایتوں کے فرق سے اپنی عقل و قیاس سے اور قصوں کی اندرونی شہادت نکال کر محدثین کرام اور احادیث شریفہ کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش	۱۷۳
۷۳	قرآن کی ترتیب اور قرآن کے سیاق و سباق کے نام پر احادیث شریفہ کو قبول کرنے سے صاف انکار	۱۷۶
۷۴	احادیث شریفہ قرآن کی بیسیوں آیتوں سے ٹکرائی ہیں اور	
۷۵	روایوں پر جرح و قدح	۱۷۹
۷۶	روایات میں تذبذب پیدا کرنے کا بہترین انداز	۱۸۵
۷۷	مستند روایات کے مقابلہ میں آپ کا گمان و قیاس	۱۸۶
۷۸	مدارس اور یونیورسٹیاں جاہلیت کی تعریف میں	۱۸۷
۷۹	بائبل کی کتاب تلمود سے مزید تفصیل بیان کرنے کا کیا مطلب؟	۱۹۰
۸۰	اصل بات کیا ہے؟	۱۹۲
	آئے سمجھیں کہ اس موقع پر جناب مودودی صاحب نے کتنی بڑی غلطی کی ہے	۱۹۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۸۱	قرآن اور بائبل کا باہم مقابلہ اور احادیث: تفاسیر فقہی	
	ذریعہ معلومات نہیں	۱۹۶
۸۲	ترمذی شریف کی حدیث بھی آپ کے نزدیک معتبر ذریعہ نہیں	۲۰۰
۸۳	آپ اہل قرآن کا لباس زیب تن فرما کر منکرین حدیث کی صف میں	۲۰۲
۸۴	آپ کے نزدیک جنگ بدر کے سلسلے کی تمام احادیث شریفہ	
	کیوں ناقابل اعتماد ہیں؟	۲۰۴
۸۵	آپ نے پھر دوبارہ جنگ بدر کے سلسلہ کی روایات کی ضمنا	
	تردید کیوں کی؟	۲۱۴
۸۶	حدیث پاک کو چھوڑ کر لغت سے آزادی ترجمانی کرنا قرآن	
	فہمی کا کون سا اصول ہے؟	۲۱۵
۸۷	در اصل بات کیا ہے؟	۲۱۶
۸۸	مفسرین کی نقل کردہ احادیث شریفہ سند اتوی ہونے کے	
	باوجود ناقابل ترجیح ہیں	۲۱۸
۸۹	کوئی شخص اگر حدیث پاک کی تفصیلات کو نہ مانے تو اس کی	
	تکفیر کی جائے یا نہیں؟	۲۲۰
۹۰	ایک تفسیر کے متعلق آپ کا غلط فیصلہ الخ۔۔۔	۲۲۳
۹۱	قارئین کرام! واقعہ اور حقیقت کیا ہے؟	۲۲۵
۹۲	یہ منکرین حدیث کی حجت ”سر دلبراں در حدیث دیگران“	
	کے قبیل سے ہے	۲۲۸
۹۳	حدیث شریف کو محروح کرنے کے بعد خود اس کی تفصیلات پر غور کرنا	۲۳۱

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۹۴	غیروں کی روایات پر اعتماد مگر احادیث شریفہ پر نہیں	۲۳۳
۹۵	خود جناب سید مودودی صاحب نے بائبل کی روایات سے	
	قرآن کی تشریح کی ہے	۲۳۹
۹۶	اپنی ذات کو تحقیق میں شمار کرانے کی کوشش	۲۴۰
۹۷	بخاری و مسلم کی روایات کے متعلق پوری امت مسلمہ	
	ایک طرف اور جناب مودودی صاحب ایک طرف	۲۴۲
۹۸	روایت پر جرح و قدح کی ایک اور مثال بلا تبصرہ	۲۴۶
۹۹	سلسلہ روایات پر اعتماد	۲۴۷
۱۰۰	بخاری و مسلم کی یہ حدیث ہر طرح سے صحیح ہونے کے باوجود	
	آپ کی ضریح عقل کے خلاف ہے	۲۴۸
۱۰۱	تفہیم القرآن میں جو اصول نقد احادیث شریفہ بیان کئے ہیں	۲۵۶
۱۰۲	مفسرین کبار پر تعجب کد انہوں نے احادیث پر غور ہی نہیں کیا	۲۶۲
۱۰۳	اپنی عقل و درایت سے حدیث کی یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے	۲۶۳
۱۰۴	صحت حدیث میں شک کی بنیاد آپ کا قیاس ہے	۲۶۵
	<b>چوتھا باب</b>	
۱۰۵	کتب محرفہ کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد کیا ہیں	۲۷۱
	<b>پانچواں باب</b>	
۱۰۶	کتب محرفہ کے متعلق سید مودودی مرحوم کے عقائد کے بیان میں	۲۸۱



نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۱۸	آپ کو نہ مضرین پر یقین اور نہ اپنی ہی بیان کردہ متی کی تحقیق پر یقین	۳۲۰
۱۱۹	آپ نے اس صورت حال میں بائبل و تلمود کے بیانات کیوں نقل کئے؟	۳۲۱
۱۲۰	بائبل کے نئے عہد ناموں سے حضرت موسیٰ کی عمر کی تعیین	۳۲۳
۱۲۱	زنا کے متعلق بائبل کے حکم میں صرف یہ ایک تصور ہے	۳۲۴
۱۲۲	بائبل کی کتاب الاعمال اور اقتباسات تلمود کی بنیاد پر حضرت موسیٰ کی تعلیم و تربیت	۳۲۵
۱۲۳	بائبل اور تلمود سے حضرت موسیٰ اور قارون کا نسب نامہ	۳۲۶
۱۲۴	بائبل کے بیان سے حضرت نوح کی عمر مبارک کی تعیین	۳۲۷
۱۲۵	آپ نے اس حاشیہ ۲۰ میں چار بڑی غلطیاں کی ہیں	۳۲۸
۱۲۶	بائبل سے حضرت الیاس کی فریاد رسی کے الفاظ	۳۵۲
۱۲۷	بائبل کے بیانات پر اعتماد کی ایک اور مثال	۳۵۳
۱۲۸	حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق متی بائبل کے حوالے	۳۵۴
۱۲۹	اپنی تفہیم لکھتے وقت بائبل کے اردو انگریزی اور عربی کے تینوں ایڈیشن آپ کے پیش نظر	۳۵۵
۱۳۰	بائبل کے مطابق حضرت ابراہیم و حضرت سارہ کی عمروں کی تعیین	۳۵۶
۱۳۱	انجیل یوحنا کی گواہی پر آپ کو مکمل اعتماد	۳۵۶
۱۳۲	قرآنی اصطلاح کے مقابلہ میں سبھی اصطلاحوں کو کیوں ذکر کیا گیا؟	۳۵۷

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۰۷	چھٹا باب تفہیم القرآن میں اعتراف تحریف بائبل	۲۹۷
۱۰۸	ساتواں باب تفہیم القرآن میں بائبل کے حوالے کن کن آیات میں ہیں؟	۳۰۷
۱۰۸	آٹھواں باب تفہیم القرآن میں بائبل پر اعتماد کے بیان میں	۳۱۹
۱۰۹	مستندین و متاخرین کے اقوال پر آپ کو اعتماد نہیں... الخ	۳۲۰
۱۱۰	انجیل برناباس لفظ بلفظ پڑھنے کے بعد آپ کا احساس	۳۲۲
۱۱۱	انجیل برناباس کے اصلی ہونے کے دلائل	۳۲۳
۱۱۲	آپ نے قرآن پاک کی صداقت کے ساتھ کتب محرفہ کی صداقت پر بھی ایک بیشبہادت پیش کی ہے	۳۲۷
۱۱۳	آپ نے بھی کسی کی اتباع میں زلیخا کا نام لکھا ہے؟ اور اسرائیلی تاریخ میں کسی چیز کی اصل کیوں تلاش کرتے ہیں؟	۳۲۹
۱۱۴	قرآن پاک کے بیان کردہ معاملہ کی نوعیت اپنی سمجھ سے؟	۳۳۱
۱۱۵	لفظ ”سجدہ“ کی تحقیق میں بائبل میں بکثرت مثالیں آپ کو ملتی ہیں	۳۳۳
۱۱۶	شہادت کے لئے قرآن پاک کے ساتھ ساتھ بائبل کو بھی پیش کیا گیا ہے	۳۳۶
۱۱۷	بائبل کے بیان کے مطابق ان علاقوں کو چھان مارنے والے کون ہیں؟	۳۳۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
-----------	---------	------

۱۶۳	قرآن اور انجیل کے ارشادات کا پس منظر ایک ہی ہیں	۳۰۳
۱۶۴	بائبل میں بھی یہ واقعہ قرآن ہی کی طرح بیان کیا گیا ہے؟	۳۰۴
۱۶۴	انجیل برناباس کی تعلیمات قریب قریب وہی بیان ہوئی ہیں جو قرآن میں ہے	۳۰۵
۱۶۵	انجیل پولوی سے قرآن پاک کے بیان کی توثیق کا کیا مطلب؟	۳۰۷

### دسواں باب

۱۶۶	تفہیم میں بائبل کے ملاحظہ کرنے کی ترغیب و دعوت کیوں؟	۳۰۹
۱۶۷	توراة و انجیل کے حسب ذیل معاملات ملاحظہ کرنے کی دعوت	۳۱۰
۱۶۸	تفہیم القرآن میں بائبل و تلمود کی ان بیہودہ روایات کو نقل کر کے خود اپنی تحریر ہی سے آپ بے شرم بن گئے	۳۱۰
۱۶۹	قوم بنی اسرائیل کے سلوک کا اندازہ کرنے کے لئے بائبل پر صرف ایک نظر ڈال لینا کافی ہے	۳۱۱
۱۷۰	کاش علامہ ابن کثیر اور محمد بن کعب قرظی کی ان دونوں باتوں پر جناب سید مودودی مرحوم بھی غور کر لیتے تو بائبل کو نہ پیش کرتے	۳۱۳
۱۷۱	وَإِنَّ الْيَتَامَىٰ لَبِيعُوا الْغُرُثُلَيْنِ کی تفصیلات بائبل سے نقل کرنے کے کیا معنی ہیں؟	۳۱۵

### گیارہواں باب

۱۷۲	بیان بائبل کی بنیاد پر جناب سید مودودی صاحب کے قیاسات و تفسیحات و معلومات	
۱۷۳	بائبل کی کتاب خروج سے لفظ "قمل" کے بارے میں قیاس	۳۱۹

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
-----------	---------	------

۱۷۴	بعید از قیاس ہونے کے باوجود بائبل اور تلمود کے بیانات کیوں نقل کئے گئے؟	۳۲۰
۱۷۵	جناب سید مودودی صاحب کو اسرائیلی لٹریچر کی طرف کیوں رجوع کرنا پڑا	۳۲۱
۱۷۶	کتاب دانی ایل	۳۲۳
۱۷۷	کتاب عزراء	۳۲۴
۱۷۷	آپ کی بائبل پرستی میں کیا اب بھی کوئی شک ہے؟	۳۲۹
۱۷۸	جو آپ کا اغلب گمان ہے وہی بائبل کا بھی بیان ہے	۳۳۲
۱۷۹	اس پوزیشن میں بائبل کا بیان کیوں نقل کیا گیا؟	۳۳۳
۱۸۰	مغربی مستشرقین کی تردید کے بہانے خود ہی بائبل سے قرآنی قصوں کا ماخذ ڈھونڈنے میں آپ کی کمال ہوشیاری	۳۳۳
۱۸۱	آپ کی تعبیر کو مزید تقویت بائبل کی کتاب خروج سے ملتی ہے	۳۳۶
۱۸۲	انجیل برناباس پر شک کرتے ہوئے اس کی غیر معمولی صفات بھی بیان کی گئی	۳۳۷
۱۸۲	انجیل کی عبارات میں کتنی چیزیں جناب والا کی بادی النظر میں نگاہ کو کھینکتی ہیں؟	۳۴۰
۱۸۳	اصل انجیل برناباس دستیاب ہونے کی تمنا کیوں؟	۳۴۳
۱۸۴	بائبل و تلمود سے جناب والا کو کیا معلوم ہوا؟	۳۴۴
۱۸۵	بائبل کی بنیاد پر آپ کو یہ خیال ہوتا ہے	۳۴۴
۱۸۶	بائبل کی کتاب اعمال سے آپ کو کیا معلوم ہوتا ہے؟...	۳۴۵
۱۸۷	انتہائی مبالغہ آمیز یہودی روایات سے آپ کو کیا معلوم ہو جاتا ہے؟	۳۴۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۳۳	بھلا بتائیے کہ آپ جیسی ایسی نگاہ بصیرت و صلاحیت غور و فکر... الخ	۳۵۸
۱۳۴	بائبل کی کتاب یسوع سے بات کا اندازہ	۳۶۰
۱۳۵	جناب سید مودودی کو ایک مغربی محقق پر اعتماد مگر محدثین پر نہیں... الخ	۳۶۲
۱۳۶	جناب سید مودودی کو صرف اپنے ہی فلسفیانہ تجسس پر اعتماد	۳۶۳
۱۳۷	آپ کو اپنی ذاتی تحقیق کے علاوہ علاقے کے باشندوں کی اور سرگرافٹن الیٹ سمیت کی تحقیقات پر اعتماد	۳۶۶
۱۳۸	جغرافیہ دانوں کے بیان پر اور ابن بطوطہ کی تحریر پر اعتماد	۳۶۷
۱۳۹	تفہیم میں بائبل کی کتاب تلمود کے خلاصہ پر اعتماد	۳۶۸
۱۴۰	کس کی روایت پر اعتماد کر کے سینٹ کیسٹرٹن کی خانقاہ کے متعلق آپ نے یہ بات لکھی؟	۳۶۹
۱۴۱	نسلاً بعد نسل چلی آرہی مقامی روایت پر آپ کو اعتماد ہے	۳۷۰
۱۴۲	کہنے والا کون ہے؟... الخ	۳۷۰
۱۴۳	آپ نے کس کی روایت پر اعتماد کر کے لکھا کہ ”مدین کی وادی“ یہی ہے؟	۳۷۱
۱۴۴	تعجب ہے کہ جناب کو انگریز مورخ کہن کے قول پر اعتماد ہو گیا	۳۷۱
۱۴۵	آپ کو سب پر اعتماد ہے مگر محدثین پر نہیں۔ کیوں؟	۳۷۲
۱۴۶	یہی کھنڈروں کے مثلاً ۵۴۳ء یا ۵۴۳ء کے قدیم کتبات پر اعتماد	۳۷۳
۱۴۷	فروری ۱۹۶۴ء اور دوڈا جیسٹ پر اعتماد	۳۷۴
۱۴۸	یمن کے تین ہزار کتبات و آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات الخ	۳۷۵
۱۴۹	آپ کے قیاس اور شبہ کی تقویت ایک امریکی جماعت سے ہوئی	۳۷۶

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱۵۰	الاحقاف کے متعلق آپ کا اغلب گمان کیا ہے	۳۷۷
۱۵۱	بائبل کے ایک مشہور جرمن عالم رودریڈ ہربٹ ہاگ پر اعتماد	۳۷۸
۱۵۲	سائنس دانوں کے سب سے زیادہ مقبول نظریہ پر اعتماد کرنے کے بعد... الخ	۳۷۹
۱۵۳	سائنس دانوں کے پیش کردہ ان تفصیلات پر اعتماد تو کیا مگر آخذ نہیں بتلایا	۳۸۰
۱۵۴	آپ نے یہاں مؤرخین کی روایات پر بھی جرح و قدح کیوں نہیں کیا؟... الخ	۳۸۱
۱۵۵	عیسائی تواریخ اور عیسائی مصنفین پر بھی آپ کو اعتماد نہ ہوتا اگر... الخ	۳۸۳
۱۵۶	یونانی اور سریانی مؤرخین کے بیانات پر اعتماد	۳۸۷
<b>نواں باب</b>		
۱۵۷	تفہیم القرآن میں بائبل اور قرآن کی بیعت ایک تصویر	۳۸۹
۱۵۸	یہ سب (کتب محرفہ بائبل وغیرہ) ایک ہی ”الکتاب“ کے مختلف ایڈیشن ہیں	۳۹۰
۱۵۹	بائبل سے حضرت ایوب کی کردار کشی کے بعد ”قرآن مجید اور یہ صحیفے ایک ہیں“	۳۹۰
۱۶۰	گزارش ہے کہ تفہیم ج اول ص ۳۲۳-۳۲۵ حاشیہ ۲۰۵ کے ساتھ ملا کر اس حاشیہ کو ملاحظہ کیا جائے	۳۹۵
۱۶۱	آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا مفہوم	۳۹۶
۱۶۲	بائبل کے متعلق جناب سید مودودی صاحب کی تحریرات میں انتہائی تضاد بیانات	۴۰۰



## بارہواں باب

- ۱۸۹ تفہیم القرآن میں بائبل سے تفسیر و تفصیل کے بیان میں ۳۳۷
- ۱۹۰ آپ بائبل کے معنی ہی کو ترجیح دیتے ہیں ۳۳۸
- ۱۹۱ سورہ مائدہ آیت ۱۲ کی پوری تفصیل آپ کو بائبل کی کتاب کنتی میں ملتی ہے ۳۳۹
- ۱۹۲ بائبل کی کتاب احبار باب ۱۲ اور استثناء باب ۲۸ قرآن کے اس مختصر فقرے کی بہترین تفسیر ہے ۳۳۹
- ۱۹۳ جناب سید مودودی مرحوم اپنی تحریر کے مطابق دونوں قسم کے آدمیوں میں سے کس میں داخل ہیں؟ ۳۵۰
- ۱۹۴ قرآن کے مضمون کی تقریر بائبل کی کتاب استثناء میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ نقل کی گئی ہے... الخ ۳۵۱
- ۱۹۵ قرآن مجید کے اشارے کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے بائبل کے ان مقامات کو دیکھنا ضروری ہے ۳۵۲
- ۱۹۶ تلمود مزید اس کی تفصیل یہ دیتی ہے... الخ ۳۵۲
- ۱۹۷ جناب والا کو قرآن کے مختلف مقامات پر بیان ہوئیں بیشتر تفصیلات تلمود میں ملتی ہیں ۳۵۳
- ۱۹۸ جناب مودودی صاحب محض ویسپی لینے کے لئے بائبل کو نقل کرتے ہیں ۳۵۴
- ۱۹۹ آپ ہی کے الفاظ سے قرآن پاک کی تفسیر میں بائبل کی مسیحی روایات نقل کرنے کی اصل وجہ بنیادی مقصد ۳۵۶
- ۲۰۰ بائبل کے بیانات وغیرہ سے قرآن کے بیان کردہ عذاب کی تفصیلات پر روشنی ۳۵۸

- ۲۰۱ سورہ قصص و سورہ طہ آیت ۲۸ تا ۲۹ کی تفصیلات کو بائبل کی کتاب خروج کی داستان سے مقابلہ کرنے کی ترغیب ۳۵۹
- ۲۰۲ تفہیم میں اعتراف تحریف بائبل کے علاوہ بائبل کے مصنفین پر تنقید کے ساتھ ساتھ آیت قرآنی کی مفصل روداد درج کیا گیا ۳۶۰
- ۲۰۳ جناب سید مودودی کو بائبل میں بہت سی مفید معلومات اور قرآن کے اجمال کی تفصیلات اور ان کے ساتھ ساتھ متعدد عجیب باتیں بھی ملتی ہیں ۳۶۲
- ۲۰۴ قرآن کا اجمال بائبل کی کتاب سلاطین میں بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہے ۳۶۳
- ۲۰۵ تفہیم میں قرآن کے نام پر تلمود پڑھانے کی کوشش ہے ۳۶۶
- ۲۰۶ بائبل سے قرآن پاک کے اصل واقعہ کی تفصیلات پر کافی روشنی پڑتی ہے ۳۶۸
- ۲۰۷ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا کی تفسیر سُرّیانی روایت کے مطابق کیوں؟ ۳۶۹

## تیرہواں باب

- ۲۰۸ تفہیم القرآن میں بائبل سے تشریح کے بیان میں ۳۷۱
- ۲۰۹ بائبل میں قرآن کے بیان کردہ اس جھگڑے کی کچھ تشریح بھی بیان ہوئی ہے ۳۷۲
- ۲۱۰ يَتَفَقَهُوا فَقَوْلِي کی تشریح بائبل کی کتاب خروج و تلمود سے ۳۷۳
- ۲۱۱ بائبل و کتاب خروج و بشوع سے من و سلوی کی تفصیل ۳۷۴
- ۳۷۴ مزید تشریح نہ

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
-----------	---------	------

۲۱۲	بائبل کی کتاب احبار کے ایک قاعدہ پر بھی اعتماد	۴۷۵
۲۱۳	بائبل اور غیر مستند اسرائیلی تواریخ سے آیات کے معنی پر روشنی	۴۷۶
۲۱۴	بائبل وجدید تحقیقات و آثار قدیمہ کے ماہرین کے اندازہ سے	
	مضامین قرآن پر روشنی	۴۷۸
۲۱۵	وَيَسْتَخْبِيْ نِسَاءَهُمْ کی تشریح بائبل کی کتاب خروج سے	۴۷۹
۲۱۶	انسایکلو پیڈیا آف بلیکل لٹریچر سے بھی استدلال	۴۸۰
۲۱۷	انگریزی بائبل سے لفظ "ای" کا ترجمہ کیوں؟	۴۸۰
۲۱۹	بائبل کی تصریحات سے قرآن کے اشارات کی تحقیق	۴۸۰
۲۲۰	وَكُنْتُمْ نَّالَةً فِيْ الْاَلْوَا ح کی تفسیر بائبل کی تصریح سے	۴۸۲
۲۲۱	نَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی تفصیلات میں بائبل کی کتاب	۴۸۳
۲۲۲	سومیل کی تصریحات سے بات کی وضاحت	۴۸۳
۲۲۳	آپ نے قرآن کی صاف تصریح کے برعکس بائبل کا بیان	
	کیوں نقل کیا	۴۸۴

### چودھواں باب

۲۲۵	تفہیم القرآن میں بائبل سے (۱) توضیح و (۲) تائید و	
	(۳) تصدیق کے بیان میں	۴۸۵
۲۲۶	آپ پر تینوں کتابوں (بائبل و تلمود و قرآن) کا مقابل	
	مطالعہ کرنے کے بعد بات واضح ہوتی ہے	۴۸۶
۲۲۷	مختلف انجیلوں میں بکھرے ہوئے مضامین سے سیرت پاک	
	کا نقشہ اور قرآن پاک کے اشارات کی مختصر توضیح	۴۸۸
۲۲۸	قرآن کے بیان کردہ قصہ کو بائبل کی کتاب پیداؤش و تلمود	
	سے مقابلہ کرنے کی ترغیب کیوں؟	۴۸۸

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
-----------	---------	------

۲۲۹	إِقْذِفِيْهِ فِيْ التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِيْ الْيَمِّ کی تائید	
	بائبل و تلمود سے	۴۸۹
۲۳۰	وَمَا كُنْتُمْ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ سورہ قصص آیت ۴۴ اور	
	سورہ اعراف آیت ۵۵ کا ذکر بائبل کی کتاب خروج باب	
	۲۳ میں آنجناب کو ملا	۴۹۰
۲۳۱	بائبل کے بیان کے مطابق اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ	
	عَلَى الْكِبَرِ اِسْمَاعِيْلَ وَاسْحَقَ کی تفصیل	۴۹۰
۲۳۲	بائبل کے مجموعہ کتب مقدسہ میں قرآن پاک کی یہ تنبیہات	
	آپ کو مختلف مقامات پر ملتی ہیں	۴۹۱
۲۳۳	بائبل کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم کے دو بھائی کے نام	۴۹۲
۲۳۵	یونانی مؤرخین کی تاریخ سے قرآن مجید کے اشارہ کی تفہیم	۴۹۲
۲۳۶	خاتمہ	۴۹۵



## پوری کتاب کی بنیاد اس مکتوب پر ہے

(مکتوبات فیقہ الاہل قسط ثالث)

”تفہیم القرآن کا مطالعہ“

عزیزی مولوی مفتی محمد ساجد علیہ الرحمۃ وعلیہم السلام درود اللہ وبرکاتہ  
مودودی صاحب کا قسط انوار کا دار و مدار صرف اپنے ذاتی مطالعہ پر ہے قرآن کریم  
کو بھی انھوں نے ذاتی مطالعہ سے بھلا ہے اور احادیث شریفہ کو بھی باقاعدہ کسی استاذ  
سے پڑھنے کی زحمت گوارا نہیں کی جیسا کہ خود ان کی تحریرات میں موجود ہے آپ چاہیں  
تو اس کے حوالے بھی دیئے جاسکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ جو کچھ ہونا چاہئے تھا ہوا۔ آپ ان کی  
تفہیم دیکھیں تو پائیں گے کہ بائبل کے صفحے کے صفحے نقل کرتے چلے جاتے ہیں جن کا  
محرت ہونا نص قطعی سے ثابت ہے اور احادیث شریفہ کو رد کرتے چلے جاتے ہیں  
جن پر محدثین نے بڑی محنت سے چھان بین کی ہے۔ احادیث سے کہیں استدلال  
بھی کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے ذہن ہی کی پیداوار ہے۔ اسی وجہ سے اس کے پڑھنے والے  
میں آہستہ آہستہ احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل کی حقانیت قائم ہوتی چلی  
جاتی ہے۔

یہ مکتوبات قسط اول ص ۵۳ پر فرماتے ہیں..... محقر اتنا سمجھے کہ اس جماعت کے  
بانی مودودی صاحب یہ کہتے ہیں کہ دنیا میں جو آج اسلام کا مفہوم ہے وہ غلط، ایمان کا مفہوم  
ہے وہ غلط، توحید کا مفہوم ہے وہ غلط، اللہ کا مفہوم ہے وہ غلط، رب کا مفہوم ہے  
وہ غلط، عبادت کا مفہوم ہے وہ غلط، سنت کا مفہوم ہے وہ غلط۔ جماعت اسلامی

ان سب چیزوں کو از سر نو دوسرے مفہومات کے ساتھ پیش کر رہی ہے، تو یہ گویا ایک نیا  
دین ہے۔ تفہیم میں اشکالات ہیں۔ اس میں جگہ جگہ بائبل کے حوالے دیکر طویل طویل  
مضامین لکھے ہیں اور احادیث پر جرح و تدرج کر کے مجروح کیا ہے جس کے نتیجے میں انھوں  
سے اعتماد اٹھتا ہے اور ہر شخص اس کو مل بہتیں کر پاتا جو اہل علم ہیں وہ صحیح اور غلط  
میں فرق کر سکتے ہیں۔“

فقط والہ سلام

املاہ البدر محمود غفرلہ

۳/۱۲/۱۴۱۲ھ



اس کتاب کے جواب کیلئے یہ پانچ باتیں ضروری ہیں

مقبول انداز میں اس کتاب کے جواب کا شوق پورا کرنے کیلئے ۵ کام کرنا ضروری ہوئے۔  
۱۔ جس طرح احادیث شریفہ اور اسکے طرق اتصال اسناد کے متعلق جناب مولانا مددوی مرحوم نے  
جرح و تعدیل کیا ہے اسی طرح پہلے تو بائبل کے طرق اسناد کو بیان کیا جائے پھر اس پر جرح و تعدیل  
کر کے روایات بائبل کو مجروح کرنے کی جناب مددوی صاحب ہی کی عمارت پیش کی جائے۔  
۲۔ ان ہی کی عمارت سے ثابت کیا جائے کہ جناب مددوی مرحوم کو روایات حدیث پر مکمل اعتماد جس طرح بائبل کی  
روایات پر ان کا اعتماد ہے نیز بتلایا جائے کہ تفہیم القرآن میں روایات کی تفسیر کر کے مسلمانوں کی حیثیت کیا ہے؟  
یعنی روایات بائبل مستند اخذ کی حیثیت سے کیوں پیش کی گئی ہیں؟  
۳۔ ان ہی کی عمارت سے ثابت کریں کہ تواریخ کے مقابلہ میں حدیث اور مؤرخین کے مقابلہ میں حدیث پر  
ان کا اعتماد ہے یا انھوں نے حدیث کو تاریخ پر اور حدیث میں کو کلمہ کو مؤرخین پر ترجیح دے دی ہو نیز ان کے اس  
طریقہ استدلال و طریقہ کار کی وجہ سے بھی بیان کی جائے۔  
۴۔ ان ہی کی عمارت سے ثابت کیا جائے کہ تفہیم القرآن میں جمہوری اعتبار سے احادیث پاک پر اعتماد کر کے بائبل  
سے بے اعتمادی کی گئی ہو۔

۵۔ ایک اسلامی استفتاء مرتب کیا جائے جو شخص بھی احادیث پاک کے مؤرخین کو لکھ سے یا اعتماد ہو اور اسکے بقا بل بانی اور اس کے رد بیان پر اعتماد کرتا ہو یا احادیث شریفہ کے مقابل میں تاریخ کو ترجیح دیتا ہو تو اس شخص اور اس کی باتوں کے متعلق شرعی حکم ہو؟ اس استفتاء کا جواب لکھ کر اپنی نمبر کے ساتھ ارباب عجم اسلامی شائع کریں۔

واضح رہے کہ یہ پانچ کام کے بغیر اس انتخاب کا جواب نہیں ہو سکے گا اور کسی بھی طرح لائق توجہ و سماعت نہ کرارا نہیں ہو جاوے گا۔

قرآن مجید اور قدیم آسمانی صحیفے، علم و تاریخ کی میزان میں

سیدی در زندگی مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی قدس سرہ

جہاں تک اناجیل اربوں کا سوال ہے دو عہد جدید کہی جاتی ہیں انہوں نے کاملاً دو عہد عتیق سے بھی گناگندہ رہے۔ اس کی تدوین اور اس کے مؤلفین کے بارے میں بڑی پیچیدگیاں اور دشواریاں اور شک و شبہ پایا جاتا ہے اور ان کے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے کی ایک بڑی جلیج حاصل ہے جس کا پتا اٹنا اور جسے عبور کرنا کسی بھی محقق اور مؤرخ کے امکان میں نہیں رہ گیا ہے۔ انجیلیں دینی کونسلوں اور مختلف زبانوں میں برابر تغیر و تبدیلی اور اصلاح و ترمیم کا نشانہ بنتی رہی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ آسمانی کتابوں اور وحی و الہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر و سوانح اور واقعات و حکایات کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں اور اس کی شہادت ہر شخص دے گا جس کی ان کی تاریخ داد و پار پر وسیع اور گہری نظر ہوگی جس سے کتابیں گذرتی رہی ہیں۔

یہ انجلیس مسلمانوں کے دوسرے اور تیسرے درجے کے مجموعہ کے حدیث و سنن کا استناد و اعتماد بھی نہیں رکھتیں چہ جائیکہ وہ صحاح ستہ کے برابر ہوں۔ اس لیے کہ یہ کتابیں اپنے مؤلفین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل اور متصل سند اور سلسلہ رکھتی ہیں مسلمانوں کے نزدیک حدیث صحیح وہ ہے جو ستر راویوں کی پوری اعتناء اور دیانتداری کے ساتھ سند متصل کے ساتھ نقل ہوئی ہو اور جس کے راویوں اور خود اس روایت میں کوئی عیب اور نقص (علت و شذوذ) نہ ہو (تفصیلات اور حدیث کے اقسام اور ان کے شرائط کیلئے وہ کتابیں ملاحظہ ہوں جو اصول حدیث و اقسام مصطلحات حدیث پر لکھی گئی ہیں اور ان کا بہت

(ماذخیرہ ہے۔)

اس کے برخلاف تمام انجیل سعد کی تمام قوموں سے خالی ہیں، اُن کی اُن کے توفیق کوئی سند متصل نہیں اور اُن کے مؤلفین سے حضرت عیسیٰؑ تک کوئی سند موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں جو صحیفے ہیں وہ اب اس زبان میں نہیں جس میں نازل ہوئے تھے اور جسے حضرت مسیح اعدان کی قوم بولتی تھی بلکہ وہ ایک زبان سے دوسری ان میں برابر ترجمہ ہوتے چلے آئے ہیں اور مختلف مترجموں کے ہاتھوں ہم تک پہنچے ہیں اسی لیے درحقیقت وہ سیر و تاریخ کی کتابیں اور قصص و مواضع کے بخوشی ہیں۔ اگر نہیں احقر! مسلمان عوام میں پھیلے ہوئے میلاد ناموں سے یاد نہ کریں تو انہیں زیادہ سے وہ جو تھے نمبر کی کتب حدیث کا درجہ دیا جاسکتا ہے جن میں صحت و تحقیق کا بلند معیار کم نہیں رہا۔ اپنی سب حقائق کے پیش نظر ان صحیفوں اور قرآن کا موازنہ ہی سرے و غلط ہے اور ناقصیت پر مبنی ہے کیونکہ موازنہ اور مقابلہ ایک درجہ کی چیزوں میں ہے۔

پھر بائبل کی داخلی شہادتیں اس کی صریح تاریخی غلطیوں، واضح تضادات اور عقلاً چیزوں کی طرف اشارے کرتی ہیں۔ اس موضوع پر منفرد کتاب ”انہار الحق“ جو مدارحت الشکر لکھی (م ۱۳۰۸ء) مکتومہ کے قلم سے ہے ملاحظہ ہو۔ مصنف کتاب مقدس کے ۱۳۲ عقلی اختلافات کی نشاندہی کی ہے اور ۱۰۸ ایسی غلطیاں شمار ہیں جن کی کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔ ”انہار الحق“ اصلاً عربی زبان میں ہے ہمارے دوست مولانا تقی عثمانی نے اس کا ترجمہ کروادیا اور اس میں ایک فاضلہ مقدمہ ہے۔ یہ کتاب ”بائبل سے قرآن تک“ تین جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اور ہندوستان بھی دستیاب ہے۔

اس لیے اتنی کمزور ہدایتی اور درایتی بنیاد پر کسی طرح اس قیاس کی ادراستدلال

کی عمارت نہیں اٹھتی کہ جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم قرآن کے علوم کی تفسیر اُن لوگوں کے علوم دبا بیل سے تفہیم القرآن میں بیان کریں جن کی شخصیات اور کتابیں ہر طرح سے متنبہ ہیں اور جن کا اضافہ ان کی اصل سے زیادہ ہے۔ جس چراغ میں خود نور نہ ہو اس سے دوسری شعل کس طرح جل سکتی ہے۔ یہ مضمون کچھ ایسا نامرکز تھا کہ اس بارے میں بڑا تردد رہا کہ یہ بات لکھی جائے اور وہ قلم کی گرفت میں آئے گی یا نہیں؟ اور اس کے کسی غلط فہمی کے پیدا ہونے کا اندیشہ تو نہیں ہے؟ مگر جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی اور جناب مفتی نظام الدین صاحب صد مفتی دارالعلوم دیوبند کی تحریرات و مضامین پر نظر ڈالنے سے بڑا اطمینان ہوا کہ ان دونوں حضرات متقیان دیوبند نے یہی بات زیادہ خوبی کے ساتھ اپنے خاص انداز میں کہی ہے۔

عزیز مکتوم مفتی محمد ساجد رحمۃ اللہ علیہ بریلوی کے اس فاضل علمی و تحقیقی کام کی ہم تحسین کرتے ہیں، عزیز موصوت حفظہ اللہ نے جناب محترم حکیم اہمام اللہ صاحب مدظلہ (راہونہ ضلع بریلو) کا سفارشی مکتوب پیش کیا کہ میں چند کلمات ضرور لکھوں اور خود بھی شدید اصرار یہ کہہ کر کرتے رہے کہ ان کی کتاب ”تفہیم القرآن“ میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر مکمل اعتماد“ کی اہمیت و افادیت بڑھ جائیگی۔ اس لیے میں نے ان کو اپنی کتاب ”مطالعہ قرآن اور اس کے اصول و مبادی“ سے یہ مضامین الماکر لے لیے ہیں اور میں عزیز موصوت و مدد کرتا ہوں کہ زندگی رہی تو انشاء اللہ ان کی کتاب چھپنے کے بعد تفصیل سے پڑھوں گا۔ اس وقت سورۃ کتاب میں فن دین کی تفصیل بالاستیاب دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ پوری کتاب دراصل جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحب کے ایک اجمال کی تفصیل و تحقیق ہے۔

اللہ پاک سے دعا کرتے

ہیں کہ ان کی اس کتاب کو قبولیت عام نصیب ہو اور ان کو تائید کرتا ہوں کہ اسی طرح  
من دین میرے تمام معاین کو شائع کریں۔

املاء الیٰ حسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ

سیکس منلے رائے بریلی - یوپی

۵ ذیقعدہ ۱۴۱۸ھ

حضرت اقدس شری نقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

انشاء اللہ آپ نے تفہیم القرآن دیکھ کر بڑی تفصیل کے ساتھ حوالوں سے ثابت کیا ہے  
کہ مودودی صاحب احادیث شریفہ کو رد کرتے چلے جاتے ہیں اور بائبل کے صفحہ کے صفحہ  
نقل کیے ہیں۔ پس آپ کو مبارک ہو۔

۳۰ شوال ۱۴۱۶ھ

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈورا فریقی مدظلہ خادم خاص حضرت نقیہ الامت

حضرت نقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے مکتوب جالی کو تن قرار دے کر  
حضرت کے منشاء کے مطابق عزیز گرامی جناب مفتی محمد ساجد نے اس کی تحقیقی شرح کی ہے جس کا  
خلاصہ یہ ہے کہ تفہیم القرآن کے پڑھنے والے میں آہستہ آہستہ احادیث شریفہ سے بے اعتمادی  
اور بائبل کی حقانیت قائم ہوتی چلی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبولیت سے مالا مال  
فرمائے۔ آمین

۲۵ ر ۱۴۱۸ھ

امیر الہند و صدر جمعیتہ علماء ہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدظلہ

"تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد" کے نام سے  
عزیز مولوی مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلی نے ایک جامع و مفید تحقیق پیش کی ہے ایسے  
آنکھ نر کیلئے دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک انکی مساعی کو قبول فرمائے۔

۶ دسمبر ۱۹۹۷ء

حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحب مدظلہ ناظم و متولی مدرسہ مظاہر علوم (وقت) سہارنپور  
عزیز گرامی مفتی محمد ساجد صاحب نے اپنی بعض تحقیقی و تنقیدی تحریرات تفہیم القرآن

معلق دکھلائیں۔ اپنی علامات و شمولیت کی بنا پر تفصیلی مطالعہ کی ہمت نہیں ہوئی البتہ عزیز موصوفت  
کیلئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مزید ترقیات علیمہ علیہ سے نوازے اور ان کی ساعی جمید کو  
محمود و مقبول بنائے۔ و اما تو فی اللہ

۱۷ رشتیان ۱۳۸۸ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۹۶۷ء

### حضرت مولانا ریاست علی صاحب اساتذہ حدیث دارالعلوم دیوبند

جناب مولانا مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی نے یہ درالعلماء حضرت مولانا مفتی محمد حسین  
صاحب کے اجمالی اشارہ کے مطابق تفہیم القرآن کا مطالعہ کیا تو پوری ایک کتاب تیار ہو گئی۔  
جسے موصوفت تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور باطل پر اعتماد کے  
نام سے پیش کر رہے ہیں۔ موصوفت نے اس کتاب کا مسودہ اختیار کر دکھلایا۔ راقم الحروف کو چند  
مقالات دیکھنے کے بعد ہی اندازہ ہو گیا کہ ان کی گرفت اصولی طور پر بالکل درست ہے۔  
میں دعا کرتا ہوں کہ پروردگار ان کی اس خدمت کو مسلمانوں کے لیے نفع بخش بنائے اور  
اپنی بارگاہ میں شرف قبول سے نوازے۔

۱۸ رجب ۱۳۸۸ھ

### حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

مولانا مودودی کی تفسیری غامیوں کو بہت سے علما نے جمع فرما کر شائع فرمادیا  
ہے اور اس نے قبول بھی فرمایا ہے۔ لیکن کارہ کے علم میں عزیز القدر مفتی محمد ساجد صاحب  
مذہب رائے بریلوی فاضل دیوبند نے جس تفصیل و تحقیق اور مضبوط حوالوں کے ساتھ اس کی  
تفسیری غامیوں کا تعاقب کیا ہے، شاید دیگر حضرات نے نہیں کیا ہے۔ ناکارہ اللہ جل شانہ  
سے دعا گو ہے کہ عزیز محرم مفتی محمد ساجد صاحب اللہ کی اس محنت کو قبولیت سے نوازے اور

اس مسئلہ کو تفہیم القرآن کی غامیوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

۱۹ رجب ۱۳۸۸ھ

### حضرت مولانا زین العابدین صاحب اعظمی رئیس قسم اخص فی الحدیث

جامعہ مظاہر علوم مسہار نیپور

ملک کے فاضل صاحب مولانا مفتی محمد ساجد صاحب مظاہری قاسمی رائے بریلوی نے نہایت  
دوسری سے تفہیم القرآن کا مطالعہ کیا اور علامہ سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی غامیوں کو  
انتہائی تحقیقی انداز سے بغیر کسی دل آزاری کے ظاہر کرنے کے لیے کتاب تفہیم القرآن میں احادیث  
شریفہ سے بے اعتمادی اور باطل پر اعتماد تصنیف فرمائی۔ مفتی صاحب موصوفت نے صرف  
عنوان اپنا رکھا ہے اور عبارات بعینہ علامہ مودودی مرحوم کی نقل فرمائی ہیں۔ کتاب نہایت تحقیقی  
مفید معلومات سے پر ہے۔ اور جن لوگوں کو راجح کی تلاش ہو اور وہ غیر جانبدار ہو کر سمجھنا  
چاہتے ہوں ان کے لیے عظیم شیش بہا تحفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مصنف موصوفت کی عمر میں برکت  
دے اور مطالعہ کرنے والوں کو اس سے بھرپور نفع عنایت فرمائے۔ اس دعا از من دار حبلہ جہا  
آمین باد۔

۲۰ رجب ۱۳۸۸ھ

### حضرت مولانا بیدار شاد صاحب فی ناظم تعلیمات اساتذہ حدیث دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری صاحب مدظلہ صدر مفتی جامعہ تعلیم الدین ابھیل گجرات

عزیزی مولوی مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی فاضل دارالعلوم دیوبند ہیں "تفہیم القرآن  
میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور باطل پر اعتماد" کے مسودہ کے علاوہ دیگر کتابوں کے  
مسودہ بھی انہوں نے ہالے ملتے پیش کیے اور ہم نے اجمالاً ان کو سنا۔ راقم الحروف دعا گو



ہے کہ اہل سنت و جماعت نیز سلف صالح کے طریقے سے ہٹ کر دین کی تصویر پیش کرنے والوں کے  
تقاب کی توثیق نصیب ہو۔ آمین ثم آمین۔ ۱۰ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب مدظلہ تالم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور  
و حضرت مولانا غلام محمد صاحب تالوئی تالم اعلیٰ جامعہ اکل کھوا سہارنپور

احقر اپنی مدیم العزمتی کی وجہ سے مذکورہ بالا مسودات کے تفصیلی مطالعہ کے بعد ہر دم ہلکے دیگر اکابر  
کا تصدیقات کے بعد تو آمین کہنا بھی اپنی سادت تصور کرتا ہے۔ حق تعالیٰ اخلاص کے  
ساتھ مصنف کو اور ہم کو اپنے دین کی خدمت کیلئے قبول فرمائے اور اس کتاب کے امت  
کو فائدہ پہنچے۔ آمین ۱۱ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا محمد عاقل صاحب مدظلہ صدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

بندہ عزیز موصوف کے اس علمی کارنامے بہت مسرور ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ مزید  
ترقیات سے نوازے امدان کی ان سامی حیلہ کو قبول فرما کر مفید سے مفید تر بنائے۔ و اما  
ذاک علی اللہ بعزیز۔ ۱۳ رجب المرجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب بناری شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بنارس و مکی مجلس شوریٰ

دارالعلوم دیوبند

مولانا مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی کی کتاب "تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے  
بے اعتمادی اور باطل پر اعتماد" کا میں نے جائزہ لیا۔ پوری کتاب بہت ضخیم مگر مفید و صاف  
میرے خورے سے اس میں تجھیں و اختصار کامل کیا۔ اب وہ مختصر حصہ پیش نظر ہے۔ مفتی صاحب

کے کتاب کے آغاز میں جو مفہد تالیف ظاہر کیا ہے وہ اس میں کامیاب ہیں۔ یعنی تفہیم القرآن  
میں مودودی صاحب کے دواویسے کارنامے جو نتائج کے اعتبار سے انتہائی خطرناک ہیں ان کی  
نشاندہی اور حوالوں کے ساتھ عبارتوں کی ترتیب۔

۱۔ مودودی صاحب نے اپنی تفسیر میں باطل کے صفحات کے صفحات نقل کیے ہیں اور ایک  
سند ماقہ کی حیثیت سے ان سے استدلال کیا ہے۔ مفتی صاحب نے اس موضوع  
پر بھی بطل کے ساتھ کھلا ہے۔

۲۔ احادیث شریفہ و حدیثیں و سند کا اتصال اور طرق روایات کے متعلق بے اعتمادی کا  
اظہار بلکہ قارئین کے دلوں میں اس کی تخم ریزی، یہ بحث بھی ماضی مدلل ہے۔  
اس لحاظ سے یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کی اشاعت کی جائے۔ کتاب کے بارے  
میں جن معتد علماء کرام و مشائخ عظام نے تقریظات و دعائیہ کلمات تحریر فرمائیں وہ علمی حلقوں  
میں نمایاں مقام کے حامل ہیں۔ ان کی تحریروں سے کتاب کی اہمیت اور افادیت مزید واضح  
ہوتی ہے۔ خدا کرے کہ کتاب خوشنام کتابت اور اچھی طباعت سے مزین ہوتا کہ ہر طبقہ کے  
لوگوں کے سامنے پیش کی جاسکے۔

والسلام

ابوالقاسم نعمانی عفر

جامعہ اسلامیہ ریلواری تالاب بنارس

۳ ذی قعدہ ۱۴۱۹ھ

حضرت مولانا شہر الزماں صاحب مکتبہ دارالمعارف نجفی بازار الہ آباد

انجی الصالح العزیز جناب مولانا مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی کی بعض علمی و تحقیقی کوششوں کے سلسلے میں عنوانات اور طریق تحقیق کو دیکھا تو موصوف کے ذوق تحقیق کو دیکھ کر دل سرور و مطمئن ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان مصنفین کی اشاعت میں سہولت پیدا فرمائے اور امت مسلمہ کیلئے نافع بنائے۔ ۳ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا مفتی عبد القدوس صاحب می مدظلہ مفتی شہر آگرہ

نحمدہ و نصلی علی رسول اکرم۔ کل عزیز گرامی مفتی محمد ساجد صاحب زید مجدہم جو عزیز زم مفتی عبد القدوس خیب دی ستر کے ہمدرد رہ چکے ہیں الہ آباد غریب خانہ پر اپنی کتاب کی تقریظ کے مقصد سے احقر کے پاس تشریف لائے۔ موصوف کی محنت و کاوش یقیناً قابل تحسین ہے ظاہر ہے کہ تنقید کا تازہ بردست جمل ہو گا تو شکاک و راہ قرار میر ہی نہ ہو سکے گی اور ان کی گرفت سے کسی بھی طرح نکل نہ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی یہ محنت ساری مشکورہ انداز کے ذریعہ سے ”مودیت“ کے گرفتار لوگوں کو صحیح طور پر ”سپیت و حقیقت“ اختیار کرنے کی توفیق ہو۔ یوم شعبان ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب فاروقی مدظلہ دار المبلغین پٹاناکھنڈ

و تعظیم القرآن میں احادیث شریفہ سے اعتمادی ادبائے بریلوی کے نام سے برادر عزیز جناب مولانا مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی نے کتاب تصنیف فرما کر وقت کے اہم نقائص کو علمی پیرا میں پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ پوری کتاب پڑھ کر اکابر علماء و ائمہ اپنی تقریظات و تصدیقات سے کتاب کو مزین کیا ہے۔ یہ ناکارہ دعا گو ہے کہ عزیز

کواثر پاک جزا فرمائیے اور اس کتاب سے امت کو زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین ۲۸ رجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مکتبہ جامعہ محمودیہ لوگرہ پیر پور ڈومیرٹھ حامد اوصیاء و سلماء۔ اابد

محرم محترم مولانا مفتی محمد ساجد صاحب زید مجدہم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی صلاحیتوں اور بہت سی نیک صفات کو کمالات سے نوازا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان صلاحیتوں کے استعمال ہونے کے اسباب بھی پیدا فرمائے۔ آمین۔ ہم نے ان کی کئی عدد تصانیف کے سلسلے میں مختلف مقامات سے دیکھے۔ واقعی موصوف نے حضرت فقہ الامت میدی دہرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے مزاج و منشا کے مطابق بڑی عرق دہری اور جانفشانی سے کام لیکر اس کتب کی شرح و تحقیق فرمائی ہے، اللہ کرے زور قلم اور زیادہ ۲۰/۸/۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا نفیس اکبر صاحب شیخ الحدیث جامعہ عربیہ تنہورا

برادر مولانا مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی نے تفہیم القرآن کے علمی تقابیم جو بہترین تحقیقی کام کیلئے ہیں نے ان کے کام کو دیکھا اور مننا۔ اس سے ان کی محنت کی بہت زیادہ تشکر ہوئی۔ واقعی مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قابل قدر اور لائق توجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ادماں کے کام کو امت کیلئے نافع بنا کر قبول فرمائے۔ ۲۸ رجب ۱۴۱۸ھ

حضرت مولانا عبد الوحید صاحب پنجوری مدرسہ اسلامیہ پنجپور

جناب مولانا مفتی محمد ساجد صاحب فاضل دارالعلوم دیوبند نے تفہیم القرآن سے متعلق اپنی

کتاب کا مسودہ پیش کیا جس میں تعلیم کے معانی پر آپ نے مدق تفتید رکھی ہے ماشاء اللہ  
آپ کی گرفت نہایت مضبوط و مستحکم ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ تقریباً تمام تنقیدات خود مودودی  
صاحب کی عبارات کی روشنی میں ہیں اور یہ انداز تقریباً اذیع فی النفس ہے۔ اللہ تعالیٰ مقوق صاحب  
موصوف کی اس کوشش کو بار آور کرے۔ جو بانی حق کیلئے مشکل راہ اور مصنف کے لیے ذخیرہ  
آخرت بنا لے۔ آمین

حضرت مولانا عبدالحق صاحب سہیلی استاذ اللغۃ العربیہ دارالعلوم دیوبند  
تعلیم القرآن میں احادیث شریفہ سے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد کا یہ قیمتی مجموعہ جناب  
مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قاسمی حفظہ اللہ کاوش اور زبردست مطالعہ کا بیخود ہے۔ مفتی  
صاحب موصوف نے خوب گرفت کی ہے اور بر محل انگلی رکھی ہے اور اس زاویہ سے اتنی تفصیل  
کے ساتھ غالباً یہ پہلا تبصرہ ہے جس سے ملت کو صحیح آگہی اور راستی ملیگی انشاء اللہ ایشیائے  
کاوش قابل تندر اور لائق ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو ہر طرح سے نافع بنائے۔ آمین  
۱۴۱۸ھ / ۷/۹

حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب عظمیٰ صدر القراء دارالعلوم دیوبند  
اللہ تعالیٰ جزائے خیر سے عزم مولانا مفتی محمد ساجد صاحب قاسمی رائے بریلوی کو  
آپ نے تعلیم القرآن کا از اول تا آخر مکمل جائزہ لیا جس کے نتیجے میں کئی کتابیں تیار ہوئیں  
ان میں سے اس کتاب میں ایسے گوشے کو واضح کرنے کی سعی مشکور کی جس کی تفصیل کی حد  
ابن تک کسی نے توجہ نہیں کی تھی۔ کاش یہ کتاب حضرت اندلس مفتی محمود حسن صاحب کی حیات طیبہ  
ہی میں شائع ہو جاتی۔ راتیں انھوں نے موصوف کے ساتھ آپ کی ملاقاتوں سے پہلے ہی سے  
خوب واقف ہے۔ آپ کی اس تحریری کاوش اور سعی پر مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعا کرتا ہے

ہے کہ اللہ تعالیٰ مزید کام کے لیے بیش از بیش تاب و توانائی عطا فرمائے۔

۹ رجب ۱۴۱۸ھ

مفتیان دارالعلوم دیوبند و مفتیان مظاہر علوم سہارن پور کی مشترکہ  
تحریر و تصدیق

جو کتابیں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہلمیوں سے قبل ہی محرم ہو گئی تھیں  
ان سے تفسیر قرآن کس طرح درست ہو سکتی ہے؟ پھر خاص طور پر جن لوگوں کو حضرات مبارک کرام  
رضوان اللہ علیہم اجمعین و محدثین کرام کی ذوات پر ہی اعتماد ہو ان لوگوں کی تفسیر پر اعتماد کی  
کیا صورت ہو سکتی ہے؟ غرض اس طرح کی تفسیر تفسیر بالرائے ہے جو ہرگز اعتماد کے لائق نہیں ہے۔  
اللہ پاک ہم سب کی طرف سے جناب مفتی محمد ساجد صاحب رائے بریلوی کو بہترین بدلہ نصیب  
فرمائے کہ اپنے اپنے شیخ و مرشد جناب حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی کے حکم سے تعلیم القرآن  
کی اس بنیادی غامی کو بڑی تفصیل سے طشت از با م کر دیا ہے اور انتہائی مضبوط تحقیقی انداز سے  
یہ ثابت کیا ہے کہ تعلیم القرآن میں احادیث شریفہ کو مجروح اور بائبل پر اعتماد کیا گیا ہے۔ حق  
تعالیٰ شانہ آپ کی اس خدمت کو عید قبول فرمائے۔ آمین

دستخط مفتیان دیوبند حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب حفظہ اللہ حضرت مولانا مفتی بغیر الدین صاحب حفظہ اللہ  
مع مہر حضرت مولانا مفتی فیصل الرحمن صاحب حفظہ اللہ

۱۴۱۸ھ / ۲/۲۳

دستخط مفتیان مظاہر علوم حضرت مولانا مفتی محمد اسرار صاحب حفظہ اللہ حضرت مولانا مفتی مقبول صاحب حفظہ اللہ  
مع مہر حضرت مولانا مفتی محمد طاہر صاحب حفظہ اللہ

۱۴۱۸ھ / ۳/۲۵

حضرت اقدس مولانا مفتی نظام الدین صاحب<sup>رح</sup>

صدر مفتی دارالعلوم دیوبند

آں عزیز کی کتاب ”تفہیم القرآن“ میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد کے مسودے کا میں نے مطالعہ کیا علامہ موصوف نے ”تفہیم القرآن“ میں احادیث شریفہ کو مؤخر کر کے انجیل و بائبل کے بیانات کو زیادہ معتبر قرار دے کر ان کو ترجیح دیتے ہوئے ان پر اعتماد کیا ہے آپ نے باحوالہ اور مرتب طریقہ سے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ ان کو ظاہر کر دیا ہے تاکہ جس کا جی چاہے تفہیم القرآن میں دیکھ لے آپ کی اس تحقیقی محنت سے مجھے خوشی ہوئی اور دل سے دعاء نکلی اللہ پاک اس محنت کو قبول فرمائے اور علامہ موصوف مودودی صاحب کی غلطیوں سے درگزر فرمائیں اور ان کی غلطیوں میں مبتلا ہونے سے موجودہ اور آئندہ نسل کو سب کو محفوظ رکھیں آمین ثم آمین۔

مزید تفصیلات کیلئے میری کتاب فتاویٰ نظامیہ اندراویہ ج (۱) کو دیکھ لیں اور مناسب معلوم ہو تو اس مضمون کو اپنی کتاب میں شامل بھی کر سکتے ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد نظام الدین الاعظمیٰ غفرلہ

۲/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ



حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب کنگی زید مجدہ

رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ کی تحریر بالا سے مکمل اتفاق کرتا ہوں۔

دعا گو احقر محمد اسماعیل غفرلہ

۲۲/ صفر ۱۴۲۰ھ

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب زید مجدہ صاحبزادہ

حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب<sup>رح</sup>

برادر عزیز الحاج مولوی ارشد اور جملہ اکابر، و برادران کی تحریرات دیکھنے اور مولوی محمد سیاجد صاحب رائے بریلوی کی کتاب کے مضامین سننے کے بعد بندہ بھی تائید کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی شرح و تحقیق کو امت کے لئے نافع بنائے اور مؤلف کو اخلاص نصیب فرمائے اور تالیف کو ہر طرح کی خیر کا ذریعہ فرمائے۔

نقطہ والسلام

محمد طلحہ

۲۱/ شوال ۱۴۰۸ھ



حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی و حضرت فقیہ الامت مفتی محمد توسن گنگوہی  
کی نشاندہی کی بنیاد پر مکمل تفہیم القرآن کے علمی تناقب کی سعادت

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى  
راقم اعزوت نے حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی برائے  
پرستی کہ۔

”جماعت اسلامی کے بانی جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کے رسالوں اور کتابوں میں  
میں دینی پیرایہ میں وہ بددینی اور اسحاق کی باتیں مندرج ہیں جن کو ظاہر ہیں اور  
تاواقت انسان سمجھ نہیں سکتے اور بالآخر اس اسلام سے جس کو رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے اور امت محمدیہ سپر سٹھ تیرہ سو برس سے  
عمل پیرا رہی ہے بالکل علیحدہ اور بیزار ہو جاتا ہے۔ آپ حضرات سے امیدوار  
ہوں کہ اس متن سے امت کو بچانے کیلئے سکوت اور غفلت اور چشم پوشی کو  
روانہ رکھیں بلکہ حسب ارشاد معہ درختے کہ اکھنوں گرفت است پاٹے۔ یہ  
نیروے شفعہ برآید ز جلاے۔ پوری جدوجہد کام میں لائیں گے۔

حسین احمد غفرلہ

دارالعلوم دیوبند

۲۱ جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ

(ماخوذ، مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں)

حضرت شیخ الاسلامؒ کی اس رائے عالی کو راقم الحروف نے حضرت سیدی و مرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں لکھ کر مزید اس کی تفصیلی وضاحت چاہی تو حضرت مرشدیؒ نے اپنے جوانی مکتوب گرامی میں مجھے کو ہدایت فرمائی کہ :

”آپ ان کی تفہیم دیکھیں تو اس میں پائیں گے کہ بائبل کے صفحے کے صفحے نقل کرتے چلے جاتے ہیں جن کا محرف ہونا نص قطعی سے ثابت ہے اور احادیث شریفہ کو رد کرتے چلے جاتے ہیں جن پر محدثین نے بڑی چھان بین کچھ ہے۔ احادیث سے کہیں استدلال بھی کرتے ہیں تو وہ بھی اپنے ذہن ہی کی پیداوار ہے۔ اسی وجہ سے اس کے پڑھنے والے میں احادیث شریفہ سے آہستہ آہستہ بے اعتمادی اور بائبل کی حقانیت قائم ہوتی چلی جاتی ہے۔“

اس کے بعد ہی راقم الحروف نے طے کیا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ مولانا مدنیؒ و حضرت فقیدالاست سیدی و مرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے بیان کردہ اس اجمال کی تفصیل اور ان دونوں بزرگوں کے اس دعوے کی دلیل کو جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب مرحوم کی آزاد ترجمانی تفہیم القرآن میں ملا نقشب دیکھنا چاہیے کہ واقعی ایسا ہے بھی یا نہیں؟ چنانچہ ہم نے بالکل خالی الذہن ہو کر غیر جانبدارانہ طور پر تفہیم کا مطالعہ شروع کیا۔ جس میں بنیادی چیز سیرے لیے دیکھنے کی یہ تھی کہ جناب مولانا سید مودودی مرحوم نے اپنی تفہیم میں کن کن (ماخذ) کتابوں کے حوالے دیئے ہیں؟ اور واقعہ تفہیم جیسی عوامی کتاب میں احادیث شریفہ کے متعلق جرح و فزع کر کے بے اعتمادی کا مظاہرہ کیا ہے یا نہیں؟ تفہیم میں آیت و روایوں کے بارے میں بدگمانی ہے یا نہیں؟ محدثین کرام کی سندوں کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ ان سب کے متعلق آپ نے کس طرح کے حیلے اور الفاظ استعمال کیے ہیں؟

سیر اس طرح دیکھنے کی بنیاد مسلم شریف میں مذکور ایبرالموسین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا منقول ہے الاستاد من الدین ولو لا الاستاد لقال من شاء

بما شاء، اس منقول میں اسناد کی اہمیت بتانا ہے کہ اسناد دین کا جزو ہے اگر اسناد نہ ہوتی تو ہر شخص اپنی خواہش کے مطابق حدیث بیان کرتا۔ امام مسلم اپنے سند کے ساتھ عبداللہ بن مبارکؒ کا دوسرا ارشاد نقل کرتے ہیں ”بیننا دین القوم القوائم“ ہمارے اور قوم کے درمیان تو ائمہ یعنی استاد ہیں۔ اس منقول میں اسناد کو تو ائمہ سے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح کوئی مکان محل بغیر پائے و ستون قائم نہیں رہ سکتا اسی طرح حدیث بغیر اسناد مقید و معتبر نہیں ہو سکتی۔ گویا حدیث پاک جو دین ہے اسکو مکان سے تشبیہ دی اور ظاہر ہے مکان بغیر ستون و کھمبے قائم نہیں رہ سکتا۔ تو یہ کہہ مکان کے لیے جزو لازم ہیں اسی طرح حدیث پاک کیلئے تو ائمہ یعنی اسناد بسر لکھنا ہیں پس اسناد کے بغیر حدیث کا قیام بھی نہیں ہوگا کیونکہ جزوہ الحزب و جزوہ لہذا قاعدہ مسلمہ ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اسناد دین کا جزو ہے۔

ابن سیرینؒ نے فرمایا کہ ان هذا العلم دین فانظر داعمن تاخذون دینکم یہ علم دین ہے لہذا جس سے یہ دین حاصل کرنا چاہتے اس کے بارے میں خوب غور کرلو۔ (بحوالہ انصار النعم مجل سوالات مسلم ص ۱۱۴)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کا مصلوی رحمۃ اللہ علیہ اس منقولہ کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ :

”اس وجہ سے مشائخ ادا کا ہر ہمیشہ ایسے لوگوں کی صحبت سے اور تقریر سنے اور تھوڑے دیکھنے سے منع کرتے ہیں جن کی دینی حالت خراب ہو تاکہ بے دینی کے زہریلے اثرات سے حفاظت ہے عام طور سے ایک منقولہ مشہور ہے انظر الى ما قال ولا تنظر الى من قال (یہ دیکھو کہ کیا کہا یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا) یہ صحیح ہے اور بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ مختلف الفاظ سے یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ”حکمت کی بات مومن کی گتہ دہ چیز ہے جہاں سے ہاتھ لگے لے لے“ (جامع مشکوٰۃ - نزاع) لیکن یہ اسی وقت

ہے جبکہ سننے والے کو کھربے کھونٹے کی تیز حاصل ہو چکی ہو وہ دین کے اصول سے اور بات کے چاٹنے کے قواعد سے آشنا وقت ہو چکا ہو کہ ”کیا کہا“ کو معلوم کر کے وہ یہ سمجھ سکے کہ فلاں بات دین کے موافق ہے، فلاں چیز دین کے خلاف ہے، قرآن و حدیث کے خلاف ہے، فقہ اور ملت صالحین کے خلاف ہے، مگر جب تک یہ بات حاصل نہ ہو اس وقت تک ہمہ قسم کی تقریر و سخن بر سے تاثر پیدا ہوگا۔“

(الاعتدال فی مراتب الرجال ص ۱۸)

۲۔ نیز تفہیم القرآن میں بابل سے قرآن پاک کی تفسیر تشریح کی ہے یا نہیں؟ اور بیانات بابل کو آیات قرآنی کی تفصیل و تصدیق و تائید و توضیح میں پیش کیا ہے یا نہیں؟ تو مجھے تفہیم القرآن میں واقعہ ایسا ہی ملا کہ آپ نے بابل کا سہارا لیکر قرآن پاک کو سمجھ دیکھانے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ بہت سے مقامات ایسے ملے جہاں آپ نے قرآن پاک کو متن بنا کر صاف طور پر بابل سے اس کی شرح و تحقیق کی ہے۔ آئندہ اوراق میں تاویل کرنا اسکی مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ:

”حیرت ہے کہ مسلمانوں کے لیے اللہ کے پاک کلام اور اس کے رسول کے سچے ارشادات میں علوم و حکمت و دارین کی فلاح و ترقی کے اسباب اور غمزدگی بھری ہوئے ہیں لیکن وہ ہر بات میں دوسروں پر نگاہ رکھتے ہیں، دوسروں کا پس خوردہ کھانے کے پیپے پیتے ہیں۔ کیا یہ چیز انتہائی بغیرتی اور افتد اور اس کے پاک رسول کے ساتھ اجنبیت اور مغایرت کی نہیں ہے۔ کیا اس کی مثال اس بیمار کی سی نہیں جس کے گھر میں ایک مرجع اختلافی حکیم اندامیک حادثی ڈاکٹر موجود ہو اور وہ کسی انارٹی طبیب سے علاج کرائے؟“

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ تورات کا ایک نسخہ کہیں سے لائے اور حضور اقدس ﷺ اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تورات لایا ہوں اور یہ کہہ کر اسکو

پڑھا شروع کر دیا حضور اقدس ﷺ اللہ علیہ وسلم کو ناگواری ہوئی اور چہرہ اللہ تغیر ہو گیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چہرہ اللہ کو دیکھ کر حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا: تجھے موت آج ملے دیکھتا نہیں کہ چہرہ اللہ پر فتنے کے آثار ہیں، حضرت عمرؓ اس کے بڑھنے میں مشغول تھے، دفعۃً حضور کے چہرہ اللہ کو دیکھا تو ڈر گئے اور بار بار کہنا شروع کیا: اعوذ باللہ من غضبہ و عصبیہ، رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر حضرت موسیٰؑ مروجہ ہوں اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کا اتباع کر دو تو سیدھے راستے گمراہ ہو جاؤ گے، اگر موسیٰ علیہ السلام میری نبوت کا ناپاٹنے تو میرا اتباع کرتے۔ (مشکوٰۃ بہرہ دایہ)

نبی ﷺ اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی بالکل ظاہر تھی کہ جب تک اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کے ارشادات پر پوری نظر اور مہارت نہ ہو اس وقت تک کسی ایسی کتاب کا دیکھنا جس میں حق و باطل مخلوط ہو اپنے دین کو خراب کرنا ہے۔ اسلئے اگر جو شخص دین میں کامل مہارت رکھتا ہے ہر بات میں حق اور باقی فوراً پہچان سکتا ہے اس کے لیے تو مصالحت نہیں کہ کسی چیز کو دیکھے لیکن جس کو دینی علوم میں مہارت نہ ہو اس کے متعلق قوی اندیشہ ہے کہ اپنے تقلات علم کی وجہ سے کسی ناحق بات کو حق سمجھ جائے اور گمراہی میں پھنس جائے۔ چونکہ تورات میں ایسے احکام بھی تھے جو منسوخ ہو چکے تھے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس میں تحریف بھی ہو چکی تھی اس وجہ سے نبی اکرم ﷺ اللہ علیہ وسلم نے شدت ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ مبادا دین میں غلط واقع ہو۔

(الاعتدال فی مراتب الرجال ص ۱۸)

مگر جناب مودودی صاحب نے ان باتوں کا لحاظ و پرداہ کئے بغیر تفہیم القرآن میں بابل سے تفسیر کی ہے بلکہ مغربی مستشرقین کی طرح خود اپنے بھی بابل سے قرآنی قصوں کا اخذ ڈھونڈنے میں کمال ہوشیاری سے کام لیا ہے۔

مزید آپ نے ساتھ ہی ساتھ اس کے بالقابل احادیث شریفہ و محدثین کلام کی سندوں کی







کے سامنے بھگو سرخروئی نصیب کرے اور تمام امت مسلمہ کو تفہیم القرآن کے زینہ و ضلال راہ اور  
اسکی تحریروں میں چھپا ہوا عظیم مستند سے حفاظت فرما کر سب کو راہِ راست پر چلنے کی  
توفیق عطا کرے۔ آمین

جناب مولانا سید مودودی مرحوم کے وعدہ کی بنیاد پر تمام اہل علم و نظر  
کو خیر خواہانہ مشورہ

اب اگر کوئی صاحبِ علم و نظر بھی میری اس کتاب پر معقول مدلل انداز میں علمی و فنی  
طور پر کوئی اشکال و اعتراض پیش کرنا چاہیں یا جناب سید مولانا مودودی کی ان تحریروں کے  
متعلق مداخلت کی کوشش کرنا چاہیں تو ان کے لیے خیر خواہانہ مشورہ یہ ہے کہ لکٹر سب سے  
پہلے ان باتوں پر خوب سنجیدہ ہو کر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں کہ ان کی طرف سے ان تحریروں پر  
کی مداخلت موزوں بھی ہوگی؟ یا ان کی ان تحریروں کو حذف کر کے تفہیم کی اصلاح کی فکر زیادہ  
مناسب ہوگی؟ یا ان کی تحریروں سے اعلانِ برأت و اعلانِ عدم اتفاق مناسب ہوگا؟ یا غیر ممکنہ  
و ناقابلِ تسلیم تاویلات بیجا پیش کرنا نفع بخش ہوگا؟

بہر حال میری اس کتاب کو تنہا کر جواب کا شوق پیدا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں لیکن  
پھر جواب اب جواب دے کر میں بھی اتمامِ حجت کا ناخوش گوار فریقہ انجام دینے پر مجبور ہو جاؤں گا  
اس لیے جناب سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم کی ان تحریروں کے بارے میں امت مسلمہ کو مطلع بن  
کرنے کی کوشش فرمائی جائے اور تفہیم القرآن کو بھی بغرض تحقیق و تنقید پر مبنی بصیرت کے ساتھ  
بار بار ملاحظہ کر لیا جائے تاکہ کہیں دھوکہ اور شرمندگی نہ اٹھانی پڑے اور اگر اصولی طور پر  
خدا کی توفیق سے بے گرفت ہمارے مؤثر اربابِ جماعت کو بھی صحیح معلوم ہو جیسا کہ جماعت کے  
سنجیدہ، ذی شعور، صاحبِ علم، صاحبِ علم اجاب سے توقع کیے بیٹھا ہوں تو بلا تعصب

اور بالکل غیر جانبدار ہو کر جناب مولانا سید مودودی کی اس نبیادی غلطی کا اعتراف کر کے اعلان کیا  
جائے اور اس میں قطعاً کسی بھی قسم کا کوئی عدم محسوس نہ کیا جائے۔ کہ مسالما آخرت کا ہے۔

اب جناب سید مولانا الحاج ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم بقید حیات ہوتے تو آپ کو  
**اے کاش** تفہیم القرآن کے خاتمہ میں آپ ہی کی تحریروں کی بنیاد پر اپنی غلطی کے  
اصلاح کرنے کا وعدہ یاد دلایا جاتا اور آیت قرآنی وَالْمُؤْمِنُونَ يَغْفِلُونَ عَنْكَ إِذَا عَاكِهَ دَاكَاوِاسِطِ  
دیا جاتا اور امید کی جاتی کہ آپ قرآن پاک کی اس مومنانہ صفت کے مطابق ایفا و وعدہ کرتے۔  
خاتمہ تفہیم میں آپ کے وعدے کے الفاظ و جملے یہ ہیں :

”صاحبِ علم سے میری درخواست ہے کہ وہ میری غلطیوں پر مجھے تنبیہ فرمائیں  
جس بات کا بھی غلط ہونا دلیل سے مجھ پر واضح کر دیا جائے گا انشاء اللہ اسکی  
اصلاح کروں گا۔ میں اس بات سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ کتاب اللہ کے  
مسائل میں دانستہ غلطی کروں یا کسی غلطی پر جبار ہوں۔“

حضرت قارئین کرام ! اور صحیح بات یہ ہے کہ اس کتاب کو انتہائی جانفشانی و  
عز و ریزی سے محنت کر کے تصنیف کرنے پر جس چیز نے سب سے زیادہ بھگوا بھارا ہے وہ خاتمہ  
تفہیم کے یہ مذکورہ الفاظ اور جملے ہیں۔ اللہ پاک ان کی تمام غلطیوں کو معاف کرے اور اب ان  
کے وصال کے بعد ان کے متعلقین و محبین و پیہندگان اور جماعت کے اربابِ حل و عقد کو توفیق  
عطا ہو کہ تفہیم کی تمام غلطیوں کی مکمل اصلاح کر کے ان کی روح کو باری سکون پہنچائیں اور  
روز قیامت میں مولانا سید مودودی کے نزدیک سرخ رہوں۔

فاصلہ رہے کہ مکمل تفہیم کے اعلاط کی اصلاح کا راقم نے جو عزم کیا ہے اس کے پس منظر  
میں یہی جذبہ اخروی کا فرمایا ہے اسلئے اصاف صاف عرض کرتا ہوں کہ اس کام سے بھگو نہ کسی  
کی تعریف مطلوب ہے اور نہ ہی کسی کی لعن و طعن اور ملامت کا خوف ! اس لیے کوشش کی گئی  
ہے کہ اس کتاب کا اندازِ عبارت نہ ہو بلکہ خیر خواہانہ اسلوبِ نگارش ہو۔ اسلئے کہ دینِ اسلام

نام ہے خیر خواہی کا الدین النصیحة۔ ہاں بعض مواقع میں جناب مولانا مودودی کی عبارت ہی میں انتہائی جارحانہ تصنیع کی اندازِ تحریر ہے اس کے جواب میں میری تحریر بھی اسی قسم کی ہو گئی ہے جس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔ والعز عندکم اناس مقبول۔

## یہ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کا فیض ہے

راقم الحروف اپنی اس خدمت کو حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ و حضرت مرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنج گوی کارو حانی و علمی فیض سمجھتا ہے کیونکہ میرے تلم اساتذہ کرام دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور و مدرسہ اسلامیہ عربیہ برن پور ضلع برودان مغربی بنگال بالخصوص مددی حضرت مولانا احمد اللہ صاحب فیلقہ و مجاز حضرت شیخ الاسلام دہلوی مدنی مدرسہ عربیہ برن پور اور میرے ابتدائی اساتذہ محترم جناب الحاج حافظ تقاری محمد یعقوب صاحب فریدی مدظلہ اساتذہ سابق مدرسہ حسینیہ جے کے، مگر ضلع برودان مغربی بنگال اور میرے والدین مرحومین میرے شیخ و مرشد یسب ہی حضرت شیخ الاسلام وندائے ملت اسیر الہند اساتذہ العلماء جناب محترم الحاج حضرت مولانا سید اسد صاحب مدنی مدظلہ کے فیض یافتہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے پھر دعا کرتا ہوں کہ اس کتاب سے ہر خاص و عام کو غیر معمولی فائدہ پہنچے اور میرا خاتمہ ایمان پر ہو۔

دعائے کلمات تشکر | المٹیاک اس کتاب کے سلسلہ میں بطور خاص حضرت اقدس مرشدی مفتی اعظم ہند کو بہترین

بدانصیب فرمائے کہ آپ نے ہی مجھے تاکید اس کام پر مامور فرمایا، میری غفلت کو دور کیا بار بار توجہ دلائی اور گرفت کے اصول بتائے (جس کی تابید بعد میں اساتذہ محترم و مشفق حضرت مولانا ریاست علی صاحب بخوری اساتذہ حدیث دارالعلوم دیوبند کے محقق و جامع رسالہ "عصمت انبیاء" سے بھی ہو گئی، جزاہم اللہ خیراً) اس کے ساتھ ہی آپ کے

حاضر خاص مددی و شفقی مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈورا فریقی زید مجدہ کو اللہ پاک بہترین بدانصیب فرمائے کہ حضرت مرشدی مفتی صاحب سے اکتساب فیض میں آپ نے میرا بہت ہی تعاون و لحاظ فرمایا ہے ادا اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے اساتذہ مشفق نے نظیر مفتی، محدث جلیل، بنام امت، نقیبا نفس جناب محترم مولانا مفتی احماج سید صاحب صاحب پالن پوری زید مجدہ کو جن کی محضوں پنج تعلیم و جداگانہ انداز تربیت سے ہمارے اندر تحقیق کا ذوق پیدا ہوا۔ ان کے علاوہ حضرت مددی و محسنی جناب احماج مفتی ابوالقاسم صاحب مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ رپورٹی ٹالاب بنارس و مددی جناب محترم حضرت مولانا بدرالدین اجل صاحب کی بھی میرے اوپر بڑی غایات و مہربانیاں رہیں

جزاہم اللہ خیراً

مکمل تفہیم القرآن کے غیر جانبدارانہ مطالعہ کے دوران

بار بار بنیادی سوالات

مکمل تفہیم القرآن کے مطالعہ کے دوران بار بار مجھ کو کئی طرح کے بنیادی سوالات پیش آئے کہ اپنے مقصد کے مطابق جناب مولانا مودودی مرحوم نے جس طرح محدثین پر ان کے بیان کردہ مسندوں پر حدیث پاک کے راویوں پر اور اسلام کی بنیادوں پر اسلام کو پیش کرنے والوں پر اسلام کے اصول و فروع پر زبردست تنقید کی ہے۔ یعنی جو الفاظ اپنے محدثین، فقہاء، مجددین اور سکھین کے بارے میں استعمال کیے ہیں اور طرح طرح سے ان کی جرح و قدح

کہ ہے تو بائبل کی ان کتابوں پر بھی تفہیم ہی میں اسی فنی و اصولی طریقت تنقید و انداز جرح و قدح سے ان کتب و حضرت پر تنقید شدید کر کے اُن میں سے ہر ایک کے درجہ کو کیوں نہیں نہیں فرمایا؟ پھر تعجب ہوا اور سخت تعجب ہوا کہ سید مودودی مرحوم نے ان کتابوں کو قرآن پاک کے لیے قابل استناد کیوں اور کس طرح سمجھا؟ بائبل کو آفندیوں بنایا؟

راتم انجروت نے تفہیم القرآن کے آفندہ کو دیکھنے کی ضرورت یوں بھی زیادہ محسوس کی کہ جناب سید مودودی مرحوم نے بھی فقہاء کلام کے بیان کردہ شرائط کا آفندہ تلاش کرنے کی اپنی اسکانی حد تک کوشش کی مگر آپ کا میاب نہ ہوئے اس لیے صاف طور پر کہہ دیا کہ "فقہاء کی عائد کردہ ان شرائط کا کوئی ماخذ نہیں ہے اور فقہاء جو بکوشاں نہیں ہیں اس لیے ان کی شرطوں پر اگر کوئی عمل نہ کرے تو گنہ گار نہیں ہو سکتا" (سائل و مسائل ج ۲ ص ۲۷۷)

ماخذ فقہاء ملنے میں جناب کی اپنی تلاش و جستجو کی کوتاہی و تقصیرات کا ذمہ ہے مگر آپ نے اپنے اعتراض تفصیر کے بجائے ماخذ فقہاء کی شرائط ہی کا انکار سرا دیا نیا للعجب۔ بہر حال جناب کو فقہاء کی شرائط کا آفندہ مل سکا مگر بفضل تعالیٰ راتم انجروت کو تفہیم القرآن کا آفندہ کا پتہ ناقابل انکار دلائل کے ساتھ چل گیا کہ وہ بائبل مندرجہ جس کے تعلق راتم انجروت بھی یہ کہنے پر مجبور ہے کہ تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنے والا درج بائبل تک بہت آسانی سے پہنچ جائے گا اور قرآن پاک کی حقانیت و خوشبو سے محروم ہی رہے گا۔

پھر اگر اس کو دیکھا جائے کہ تفہیم میں آپ نے جہاں مختلف مقامات پر علیحدہ علیحدہ معتقدات تحریر بائبل اور یہودیوں کے جسم راتم کا اعتراضات و انفرار کیا ہے تو یہ سوال شدید ہو کہ مرید کو درو کہ ہو جائے کہ قرآن پاک جیسی عظیم الشان مقدس کتاب کی تفسیر کے لیے اُن ہی یہودیوں کی تحریک کردہ کتابوں کا حوالہ دینا اور انہیں قابل استناد بنا کر کیے درست ہو سکتا ہے۔ کیا فقہم قرآن کے لیے کتب و حضرت کے حوالے پیش کرنے میں اہولاً آپ کے نزدیک کوئی حجت اور حشر الی نہیں ہے؟

میرے ناقص مطالعہ و کوتاہ نظر کے مطابق پوری تفہیم میں آپ نے صرف ایک حجب بائبل کے چار انجیلوں کے متعلق فنی و اصولی طور پر جرح و قدح کیا ہے لیکن وہ بھی انجیل بناباس کی حقانیت ثابت کرنے کے لیے نامحیل اربعہ کو مجروح کیا گیا ہے اور وہ بھی تشنہ ابد اتمام ہے۔ ملاحظہ کیجئے تفہیم جلد ۵ سورہ صفت ص ۷۷ کے آخری سطور میں آپ تحریر کرتے ہیں:

"بائبل میں جو چار انجیلیں قانونی اور مستقر قرار دے کر شامل کی گئی ہیں اُن میں سے کسی کا کھنکھنے والا بھی حضرت عیسیٰ کا صحابی نہ تھا اور اُن میں کسی نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا کہ اس نے آنحضرت کے صحابیوں سے حاصل کردہ معلومات اپنی انجیل میں درج کی ہیں اُن کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا ہے جس سے یہ پتہ چل سکے کہ راوی نے کیا خود وہ واقعات دیکھے اور وہ اقوال خود سنے ہیں یا ایک یا چند واسطوں سے یہ باتیں اُسے پہنچی ہیں۔"

آپ کی اس تحریر تشنہ کے بعد اب ہمارا دوسرا سوال یہ ہے کہ آپ نے یہاں بائبل کے چار انجیلوں کے بارے میں جو بے اعتمادی و بے امنی کے چار اسباب مذکورہ تحریر کئے ہیں بالقرض مان لیا جائے کہ آپ کے مطالعہ و تنقید کے نتیجے میں انجیل کے چاروں اسباب عدم اعتماد درج ہو جائے۔ یا عیسائیوں کی طرف سے درج کردیے جاتے تو کیا جناب مولانا مودودی صاحب کو بائبل کے چاروں انجیلوں پر مکمل اعتماد حاصل ہو جاتا؟ یا آپ اعتماد کر لیتے؟

اگر جواب یہ ہے کہ اعتماد کر لیتے جیسا کہ آپ کے جرح و قدح کے انداز تحریر سے ظاہر ہو رہا ہے تو پھر تیسرا اہم سوال یہ ہے کہ آپ نے حضرت محمد شین کرام کے بیان کردہ اسناد پر ان کے طرق روایت پر اودان کی سندوں سے پہنچی ہوئی احادیث شریفہ پر اعتماد کیوں نہیں کیا اور تفہیم جیسی عوامی کتاب میں اس دقیق بحث کو ذکر فرما کر قرآن نہی کا کون سا نکتہ حل کیا ہے؟ اگر آپ کو اس پر قلم اٹھانا ہی تھا تو مناسب یہ تھا کہ تفہیم القرآن کی طرح ایک



کتاب تفہیم احادیث بھی لکھتے اور پھر اس میں اس بحث کو مستقلاً ذکر فرماتے تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ یہ کیا بات ہے کہ لکھ رہے قرآن کی آواز ترجمانی اور احادیث شریفہ کی تردید کر رہے ہیں؟  
 دورہ بھی بائبل سے استفادہ کرتے ہوئے۔ مگر حقیقت واقعہ یہی ہے کہ پادراںجیلوں پر طرح و قدر اور تنقید ناقص بھی اُس وقت ممکنہ نہیں ثابت ہوتی ہے جب آپ ہی کے قلم سے تحریر بائبل کے اعتراض کے ساتھ ساتھ۔ بائبل کے بیشتر صحائف کی تعریف اور اسی محض بائبل سے تفسیر و شرح و توضیح و تائید و تفصیل و تصدیق قرآن پاک بھی تفہیم القرآن کے اندر بھری ہوئی ملتی ہیں۔

نوٹ: بائبل سے استفادہ کرتے ہوئے یہ مذکورہ چھ الفاظ آپ کی نظر سے تفہیم میں استعمال کیے ہیں جن کو تارنم کرام اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

## توضیح مدعا کیلئے ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے

اولاً۔ ہم نے اس کتاب میں اسناد محترم و شرف جناب مولانا ریاست علی صاحب زید بخاری (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند) کی ہدایت کے مطابق سب سے پہلے جناب مودودی مرحوم کی عبارتوں کے بیاق و سباق کو دیکھا ہے۔

ثانیاً۔ بڑی تفہیم میں احادیث پاک و اسناد و روایہ سے متعلق آپ نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے جو کچھ لکھا ہے اچھا لکھا ہے اسکو تا بقصد جمع کر لیا ہے۔

ثالثاً۔ احادیث شریفہ و اسناد کے متعلق آپ کے ہی معتقدات کی روشنی میں تفہیم میں آپ کی عبارتوں کا مطلب سمجھا ہے۔

رابعاً۔ خود زیر بحث عبارات میں جو الفاظ جملے آپ کے اصل معتقدات کی ترجمانی کر رہے ہیں ہم نے ان کو اُبھار دیا ہے اور ان ہی پر مکمل اعتماد کیا ہے البتہ کہیں کہیں مجبور ہو کر بین القوسیں کچھ ضروری وضاحت و اضافہ بھی کرنا پڑا ہے۔

۵۔ خلاصاً۔ لیکن نہ ہم نے مولانا مودودی کی عبارتوں میں نا انصافی کی ہے کہ ہر جگہ اپنے ذہنی سانچہ اور فکر و نظر ہی کو مسلط نہ کھول اور جناب مولانا مودودی کی عبارتوں میں ان ہی الفاظ و تعبیرات کو ابھاروں جو ہمارے مطلوبہ نتائج کا ساتھ دے سکیں اور ان چیزوں کو قطعاً نظر انداز کر دوں جو اس نقطہ نظر کو نقصان پہنچا سکیں۔ اور نہ ہی کچھ لکھنے والی حضرت سیدی و مرشدی مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے نقطہ نظر کے ساتھ رعایت برتی ہے کہ جناب مولانا مودودی مرحوم کی عبارتوں کی وضاحت کے باوجود ان کے نقطہ نظر کی درستیاں اور اصطلاحی تعبیریں تبدیل کرنے میں تامل کر دوں۔ اور یہ مفتی صاحب کے نقطہ نظر کے ساتھ رعایت اور جناب مودودی صاحب کی عبارات کے ساتھ نا انصافی ایسے نہیں کی گئی ہے تاکہ اصل نتیجہ اخذ کرنے میں انصاف کا دامن میرے ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے اور ہمارا یہ علمی تعاقب و محاکمہ حقیقت پر مبنی کہلائے اور سب کے نزدیک قابل قبول ہو کیونکہ ہمارا مقصد و نفع ایسا نہیں ہے کہ جناب مودودی مرحوم کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کر دوں بلکہ مقصود صرف اور صرف یہ ہے کہ امت مسلمہ کے سامنے ان کے زین و ضلال اور ان کی غلویت و غیبت و کھینچنے والوں میں نہیں بلکہ ان ہی کے الفاظ میں ان ہی کی اُعدائے معنی کی صفات میں بے نقاب کر دوں اور احادیث پاک سے بے اعتمادی جسکو انھوں نے اپنے اسلوب صحافت و خطابت میں چھپانا چاہا ہے یا بے اعتمادی چھپی ہوئی ہے اسکو ظاہر کر دوں لیکن اس طرح پر کہ آپ ہی کی تحریرات و عبارات ہی اپنے جیسے پردہ داری کی غمازی کریں اور گوشہ خفا میں رہنے کے باوجود پکار پکار کر کہیں کہ جناب سید مودودی مرحوم نے اپنی دانست میں اسناد و حدیث پاک سے متعلق انصاف سے کام نہیں لیا ہے۔ ہاں آئنا میں ٹھہر کر کھول گا کہ جناب مودودی مرحوم کی عبارات و نثر ان تلذذات و تناجج کی توشیح کر دیں گی جو صرف تنہا حضرت مفتی صاحبؒ



کے نقطہ نظر کا نتیجہ نہیں بلکہ جناب مولانا مودودی مرحوم کی تحریرات کا ہی بیان حقیقت ہے جس کا انکار ہی نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں:

۶۔ اپنے مدعا کو ظاہر کرنے کیلئے ہم نے جناب مودودی مرحوم کی تفہیم کی جن اصلی عبارات کو ابھارا ہے اس پر نمبر ڈال دیا ہے اور اسی کے مطابق مستند مودودی کی سلسلہ وار عبارات پر بھی نمبر ڈال دیا ہے تاکہ ہمارے قارئین کو مزید کلام کو اصل عبارت کے نمبر سے ملنے کے بعد حضرات قارئین کرام کو پتہ چل جائے کہ راقم الحروف نے ان کی عبارات میں قطع و برید نہیں کی ہے کہیں کہیں ہم نے جناب مولانا مودودی مرحوم کی وہ زائد عبارات (جو ہمارے عنوان و موضوع بحث سے بالکل غیر متعلق تھیں۔ ان کو) لی ہی نہیں تاکہ کتاب کی ضخامت سے قارئین کرام کبیدہ خاطر نہ ہوں۔

۷۔ بین العوالمین میں ہماری اپنی عبارات ہیں جو مولانا مودودی کی عبارت پر تنقید و تنبیہ کے قائم مقام ہیں۔ ہم نے طویل تنقیدی تحریر سے اجتناب کیا ہے البتہ اقتباس فتاویٰ محمودیہ و بائبل سے قرآن مجید

کے اقتباسات طویل تنقید و تنبیہ کی جگہ پر ہیں۔ ہم نے ان اکابر علماء کے مضامین کو مولانا مودودی کے نقطہ نظر پر تنقید کیلئے پیش کیا ہے کیونکہ یہ مضامین میری کتاب کے لیے جزو لازم ہونے کے ساتھ ساتھ میرے دل کی دھڑکن اور ترجمان قلب و انہارانی الضمیر ہیں۔ اس لیے کہ اگر میں اپنے الفاظ میں تنقید کرتا تو ممکن تھا کہ مولانا مودودی مرحوم کی شان میں کوئی ایسا لفظ اور جملہ نکل جاتا جو مولانا مودودی کے لیے نامناسب ہوتا جس کی وجہ سے ہمارے بعض قارئین کرام کو (جو مولانا مودودی سے غیر معمولی و الہانہ تعلق و محبت رکھتے ہیں) تکلیف ہو جاتی اور میرا مقصد جیسا کہ میں نے اس سے قبل بھی عرض کیا ہے کہ کسی کو تکلیف پہنچانا نہیں بلکہ صرف اور صرف تفہیم کے ذریعہ وصال اور مولانا مودودی کی عبادت و عزا و ایت کو قابل انکار

دلائل سے عاقلانہ انداز میں واضح کرنا ہے کیونکہ معاملہ حدیث پاک کے اعتماد اور بائبل کے عدم اعتماد کا ہے۔ اب اگر جناب مولانا مودودی صاحب کے اعتماد کا شیش محل چمکا چور ہوتا ہے تو ہو جانے دیا جائے۔

۸۔ جناب مولانا مودودی مرحوم نے پوری تفہیم میں جہاں جہاں علمی و فنی اور اصولی غلطیاں کی ہیں اس کتاب میں ان تمام اغلاط پر کلام نہیں بلکہ ان تمام اغلاط میں ایک انتہائی مختصر باریکہ بادی زبردست غلطی کی گرفت میں حضرت نعیم اللہ مفتی محمود صاحب گنگوہی نے ایک جملہ فرمایا تھا جس سے آپ کے علم کی گہرائی و گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے (جو محفل ہونے کے ساتھ صرف دعویٰ کی شکل میں تھا۔ آپ کے بیان کردہ اس اجمال کی تفصیل اور اس ایک دعویٰ کے ثبوت کیلئے پوری تفہیم میں جس قدر قطعی دلائل و ناقابل انکار ثبوت مولانا مودودی ہی کی عبارات سے مجھ کو مل سکے ہیں راقم الحروف نے بڑی محنت کر کے ان کو اس کتاب میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اس امید پر کہ ہمارے معزز قارئین کرام کے سامنے اس پہنچے آپ کی یہ بڑی غلطی بھی باسانی واضح ہو جائے اور غلط بحث و غلط دعویٰ بھی نہ ہو سکے۔

اس کے بعد ہمارا مقصد ارادہ ہے کہ انشاء اللہ آئندہ بھی اسی پنجہ و اصول پر اپنے شائق و محقق استاد محترم جناب مولانا الحاج مفتی سید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کی زیر نگرانی اور محذومی و محسنی جناب مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی زید مجدہ کے طبع و توجہات و عنایات میں تفہیم کی تمام غلطیوں کو یکے بعد دیگرے بے نقاب کر دوں اللہ تعالیٰ ہمیں بطور خاص اپنے ان دونوں بزرگوں کی تندرانی کی توفیق نصیب فرمائیں اور ہمارے اس ارادہ کی تکمیل بعافیت فرمادیں۔

و ما زاد الله على العون

**واضح دلائل اور قطعی ثبوت کے بعد** | میں اس موقع پر ایک انتہائی مناسب

بات عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اتنے واضح دلائل قطعی ثبوت اور اتمام حجت کے بعد ہمارے عقین تفہیم مزید اب کس دلیل کا انتظار کریں گے؟ وہ کس طرح تفہیم کی غلطیوں کو تسلیم کریں گے؟ اس کے بعد پھر کیا چیز ایسی ہو سکتی ہے جو ان کو راہ راست پر لاسکے؟

انٹر کانسل مشال حال ہو جائے کہ یہ کتاب عام متوسط طبقہ کی غلط ذہنیت کے اصلاح کا ذریعہ بن جائے اور جناب مولانا مودودی مرحوم کی اس بنیادی بڑی غلطی کی طرف بھی ان کے اذہان و قلوب متوجہ ہو جائیں اور کتاب لہذا میں پیش کیے گئے تفصیلی دلائل ان کے دماغ کو پیل کریں اور وہ براہِ فرخندہ و مستل ہونے کے بجائے بہت ہی زیادہ سنجیدہ ہو کر ان تحریراتِ تفہیم کا مطالعہ کریں اور جماعتِ اسلامی کے ہر چھوٹے بڑے کارکن و قلم جہالت ٹھنڈے دل سے سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ ہاں واقعی یہ بھی ایک ایسی غلطی ہے جو جناب مولانا سید مودودی مرحوم نے کی ہے یا ہوئی ہے۔ یہ ان پر کوئی الزام نہیں۔ ان اسرید الاصلاح ما استطعت و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

### ایک اور ضروری وضاحت و فیصلہ

اس جگہ میں اپنے مغزِ قارئین کو کلام کی خدمت میں یہ بھی عرض کر دوں اور بات صاف واضح کر دوں کہ جناب احاج مولانا سید مودودی مرحوم کی طرح قرآن پاک کے ماہر المراد کو بائبل وغیرہ سے جس تفہیم میں بھی متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہوگی اور احادیث شریفہ کی تردید دے اعتمادی کا مظاہرہ کیا گیا ہوگا یا اس کی تفصیلات کو ماننے سے انکار کیا گیا ہوگا اور احادیث شریفہ کے اسناد و منسلک و طرق روایات کے متعلق مفید غیر یقین کا حکم

لگایا گیا ہوگا وہ تفہیم بھی یقیناً ملاحظہ و شبہ تفہیم القرآن کی طرح ناقابلِ اعتماد ہو کر تفہیم قرآن کہلانے کی مستحق نہیں ہوگی۔

### اکابر دیوبند و اکابر ندوہ جو کچھ لکھا وہ کوئی الزام نہیں ہے

اس کتاب میں بات خود بخود عیاں ہو جائے گی کہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب دہلوی، حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا مفتی سید محمد حسن صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب دیوبندی، حضرت علامہ مجدد کبیر مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندوی صاحب، حضرت مولانا عبد الباقی صاحب ندوی، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری، حضرت سیدی و مرشد مفتی محمود حسن صاحب گت گوی، حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، حضرت افندس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی وغیرہم حضرات نے آج تک جو کچھ بھی جماعتِ اسلامی اور اس کے بانی جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی کے تعلق متفرق طور پر لکھا وہ ان پر اور ان کی جماعت پر کوئی الزام نہیں بلکہ ایک واقعہ نفس الامری اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے جن کے بارے میں تمام ذمہ دار یوں کے ساتھ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ آج بھی ان کی کتابوں میں یہ بیہوش موجود ہیں بالخصوص تفہیم میں۔

دامنح رہے کہ اکثر اکابر کی رائے اس وقت کی ہے جبکہ سید مودودی صاحب کی یہ آزاد ترجمانی تفہیم القرآن وجود میں نہیں آئی تھی لیکن ابتدائی دور میں چند ہی مقالات و تالیفات کو دیکھ کر اپنے ذہن ایمانی اور فراست ایمانی سے فتنے کے عواقب کو تاڑ گئے تھے اور اگر بعد کی تفہیم کی تحریرات ماننے آجائیں تو اور زیادہ صراحت و شدت کے ساتھ

اس لیے راقم الحروف نے گوشش کی ہے کہ بلا خوف و لرزہ لائیم الف سے باؤ تک تفہیم کو بغور مطالعہ کر کے ایسا بے لاگ تبصرہ کر دیا جائے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آجائے اور جو حق و انصاف اور دین کی حفاظت کا تقاضا ہو وہ پورا ہو جائے۔ وَاللّٰهُ سَجَادَةٌ لِّلنَّوَاقِیْ۔

## اس کتاب میں موجودہ اکابر دیوبند کی تصدیقات و تائیدات کثیر تعداد میں کیوں پیش کی گئی ہیں؟

یہاں میں اس سوال کا جواب دینا بھی بہت ضروری اور ناگزیر سمجھتا ہوں کہ زیر نظر کتاب میں راقم الحروف نے موجودہ اکابر دیوبند کی تصدیقات و تائیدات اتنی کثیر تعداد میں کیوں پیش کی ہیں؟ یا بعض معاصر دوستوں کے الفاظ میں "موجودہ اکابر کی ان تصدیقات کثیرہ سے اس کتاب کو کتاب النائب کیوں بنایا گیا ہے؟

لہذا اصناف صاف عرض ہے کہ ان سے کتاب کی ضخامت و طوالت مقصود نہیں ہے بلکہ ان تصدیقات کی اہل بنیادی وجہ یہ ہے کہ راقم الحروف کو بکثرت تبلیغی و علمی اسفار پیش ہوتے رہے ہیں جس کے نتیجے میں کھل کر یہ بات میرے سامنے آئی کہ ہمارے بعض موجودہ علماء کی تحریرات و بیانات میں خراب سید مودودی صاحب کی کتابوں کے متعلق مدح سرائی کی گئی ہے ایسے موجودہ علماء دیوبند اور گزشتہ اکابر دیوبند کی رائے میں تضاد نظر آتا ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ کے عام افراد کو تردد اور غلبان پیش آتا ہے اور مجھ سے بار بار سوالات بھی کیے جاتے ہیں کہ گزشتہ اور موجودہ اکابر دیوبند میں کون برحق ہیں؟ دونوں رائے میں سے کس پر اعتماد کیا جائے؟ اور دونوں کی رائے میں فرق کیوں ہے؟ لہذا راقم الحروف نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے مسلسل طویل طویل اسفار کر کے موجودہ اکابر دیوبند کی تصدیقات اس کتاب پر حاصل کی ہیں اور انشاء اللہ مزید حاصل کرے گا تاکہ

عام مسلمان اس مسئلہ میں پریشان و حیران ہونے سے محفوظ رہیں اور اُن کے لیے گزشتہ اکابر دیوبند اور موجودہ علماء کی آراء میں شدید فکری اختلاف نہ معلوم ہوں بلکہ اسلاف و اخلاف کی تحریرات کی روشنی میں راقم حقیقتیں ہو جائے۔

تقریباً پیش کردہ اس صورت حال کی شکایت محترم و محترمہ جناب مفتی عبدالقدوس صاحب مدنی زید مجدہ نے بھی اپنی کتاب "مودودی لٹریچر میں تین خطرے" ص ۳۳ میں کی ہے جس سے میرے اس مقصد مذکورہ کی پوری تائید ہوتی ہے بلکہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے ہی لیے الشریک نے حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے یہ تحریر لکھوائی ہے۔ جزاءہم اللہ خیر۔

## ایک اہم خاش اور ایک شدید غلبان

### والبتنگان دیوبند کیلئے لمحہ فکریہ

جب ایک طرف ہمارے سامنے علامہ مودودی کی ایسی زہرناک اور خطرناک تحریروں اور ان کی بنا پر اپنے اکابر کے صادر شدہ فتوے آتے ہیں اور دوسری طرف موجودہ بعض علماء کے رجحانات و خیالات سامنے آجاتے ہیں جن سے ان اکابر کے فیصلوں اور فتوؤں کے بالکل برعکس علامہ مودودی کی مدح و ثنائیں انتہائی شامع بلکہ تحسین و تصیّد خوانی کا طرز پایا جاتا ہے تو ہمارے ذہن میں ایک سوال اور دل میں ایک غلبان پیدا ہوتا ہے کہ آخر علامہ مودودی سے تعلق والبتنگان دیوبند علماء حق کے مابین یہ کھلا ہوا تضاد اور شدید فکری و نظریاتی اختلاف کیسا ہے اور کیوں ہے؟ اور ان میں سے کسے برحق اور قابل اعتماد سمجھا جائے؟ پھر جب موطر دل کے بعد ہے کہ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہے کہ عام مسلمانوں پر حقیقت حال غیر واضح اور امر حق مشتبہ ہے اس لیے ضرورت ہے کہ دیوبندی مکتبہ فکر سے وابستہ حضرات علماء و معامہ کی اہمیت کا صحیح طور پر احساس فرمائیں اور امت مسلمہ کی رہنمائی کا پورا پورا حق ادا



فرماتے ہوئے بالکل واضح اور متعین انداز میں ارشاد فرمائیں کہ :

(الف) علامہ مودودی کے متعلق حضرت تھانوی و حضرت مدنی علیہ الرحمہ اذعان کے ہونے اور حضرت علامہ کے فتوے اور فیصلے صحیح ہیں یا پھر

(ب) ان حضرات اکابر کے وہ فیصلے اور فتوے سراسر غلط اور بالکل ناحق ہیں اور حق یہ ہے کہ حق انھیں علماء کے ساتھ ہے جو علامہ مودودی کو اس قدر کا عظیم مفکر اسلام اور صالح اعظم قرار دیتے ہیں اور ان کی ساری تصنیفی خدمات کو اجابہ اسلام کی جدوجہد تسلیم فرماتے ہیں۔ اس خلیان اور خلیش کا ازالہ اور اس کشمکش کا حل اس وقت کے اکابر علماء دیوبند کے ذمے ہے۔ خدا کرے ان حضرات کی طرف سے ایسا کوئی فیصلہ سناے آجائے کہ عام امت مسلمہ تر و دوام بخش مکتب کی اس وادی میں حیران و سرگرداں ہونے سے محفوظ ہو جائے اور اس کے حق میں راجح حق متیقن ہو جائے۔“ (مودودی لٹریچر میں تین خطرے صفحہ ۲۵)

راقم الحروف نے انتہائی جانفشانی سے کام لیتے ہوئے کتاب کو اس معیار پر پہنچانے کی کوشش کی ہے۔  
موجودہ اکابر علماء دیوبند کی تصدیق و تائید شامل کتاب کی گئی ہیں تاکہ سب کی طرف سے سناؤں گے ہو جائے کہ موجودہ اکابر علماء دیوبند کی رائے حضرت تھانوی و حضرت مدنی کے فتویٰ و فیصلے کے عین مطابق ہے۔

## ایک اہم سوال

ہیں اس کی بھی وضاحت کرتے ہوئے یہ نہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے ایک ارشادِ حال کی روشنی میں سوال کرنے میں حق بجانب نہوں کہ ہر کتاب میں کوئی مخصوص بات ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن پاک کی مخصوص بات و مخصوص لفظ "حروف مقطعات" ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ تفہیم کا مخصوص ہی راز کیا ہے؟ اس کی مخصوص باتیں و جداگانہ اصول کیا ہیں؟

## یہ کتاب کس مقصد سے لکھی گئی؟

ناظرین کرام! اگر کسی جگہ سے کچھ کو یہ اطلاع ملے کہ اس کتاب کے فلاں شخص کو کوئی علمی و عملی فائدہ پہنچا ہے اور اس کے نظریات بدلے ہیں تو مجھ کو یقیناً و بلا شک بہت ہی زیادہ خوشی حاصل ہوگی، میں اسپر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا کہ جس مقصد کے لیے لکھی گئی ہے وہ پورا ہوا۔ جیسا کہ باطنی تفریب میں مستند و جگہ کی فضلاء و دانشوروں سے تفہیم کے اغلاط کے بارے میں علمی مذاکرے ہوئے اور ہم نے اپنے مطالعہ کے مطابق ہی تفہیم کے صفحات کھول کھول کر ان کو دکھلانے شروع کیے تو انھوں نے تفہیم کی کئی اہم بنیادی غلطیاں (جو تا دمِ آخر تفریب میں موجود ہیں) تسلیم کیں اور بحمد اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پر اپنے غلط نظریات سے تاب ہو کر انہوں نے وعدہ کیا کہ اب آئندہ مولانا مودودی مرحوم کی دلکشی و جاذب طبع تحریکات کو (جن میں بغیر شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کی پیرایہ میں رہ بددینی اور اتحاد کی باتیں مندرج ہیں جن کو ظاہر میں اور ناواقف انسان نہیں سمجھ سکتے) نہیں پڑھیں گے۔

اس لیے میرا یہ قطعاً مقصد تالیف نہیں ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ میں اپنی ذات کو اکابر متعین و مولفین کے زمرے میں شمار کراؤں اور نہ ہی اس کا تمہنی ہوں کہ ہماری اس کتاب کی خوب خوب تعریف ہو۔ نہ یہ چاہتا ہوں کہ اس کتاب سے ہماری علیت کا سکے قائم ہو جائے نہ یہ چاہتا ہوں کہ اس کتاب میں پیش کیے گئے قطعی دلائل و ثبوت سے آنکھیں بند کر لی جائیں۔ کیا اس قدر ٹھوس و مضبوط علمی تعاقب کو نظر انداز کرنا کسی بھی طرح سے مناسب ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ انہیں بذات الصدور۔ ہم سب کی اللہ پاک کا حفاظت فرمائے۔

## تفہیم القرآن سے عیسائیوں کے اعتراض کو تقویت

ہمارا مقصد اصلی تو یہ ہے کہ عام آدمی کے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات آجائے کہ تفہیم میں جا بجا بائبل کے حواجات سے جو

درجہ کے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات آجائے کہ تفہیم میں جا بجا بائبل کے حواجات سے جو

قرآن پاک سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اس سے عیسائیوں کے پادری صاحبان جیسوں کو "عدم ضرورت قرآن" کتاب لکھنے کا موقع بھی فراہم کرنا ہے۔ ان کا اعتراض ہے کہ الیاذ باللہ پورا قرآن دوسری دوسری کتابوں سے ماخوذ ہے، قرآن کے نازل ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ جیسا کہ صاحب تفسیر حقانی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے:-

"ایک پادری صاحب نے ایک کتاب "عدم ضرورت قرآن" لکھی ہے۔

اس میں جا بجا یہ ثابت کر کے (کہ قرآن کی فلاں فلاں بات توراۃ سے ماخوذ

ہے) فلاں یہودیوں کی تاریخوں سے، فلاں ملامود سے، فلاں مُشت سے،

فلاں مشرکین عرب سے، فلاں عیسائیوں کی معتبر اور غیر معتبر اناجیل سے (خیالی

پتھر پھینکے ہیں کہ پھر قرآن نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ (تفسیر حقانی آل عمران)

اسیے عرض کیا گیا کہ تفسیر میں جس قدر بائبل کی تعریف کی گئی ہے، بائبل سے قرآن پاک کی

تفسیر و تشریح و توضیح و تائید و تفصیل و تصدیق کی گئی ہے۔ بائبل اور قرآن پاک کے بعض

ایکے ہونے کا تصور ذاتی نہیں کیا گیا ہے اور بائبل کے بیانات کو جسراں کمران پر اعتماد کیا گیا

ہے۔ ان سے یقینی طور پر عیسائیوں کے احرامن کو تقویت ملتی ہے۔ الیاذ باللہ تم الیاذ باللہ

اور ان کتب مجرّد کا اعتماد دلوں میں قائم ہو کر ان کی حقایق تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ بائبل کی یہ تمام

کتاںیں مستند نہ ہوں تو جناب مولانا سید مودودی مرحوم جیسی عجمی شخصیت اور بے مثال

محقق اعظم قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کیلئے ان کتب مجرّد کے حوالے مستند ترین مآخذ حقیقت

سے کیوں پیش کرتے؟ ان کتب مجرّد سے آپ نے قرآنی آیات کی تفصیل و توضیح پیش کی

ہے اس کا صاف مطلب تو یہی نکلتا ہے کہ وہ کتابیں اب بھی جن میں اودان میں کسی قسم

کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اودان سے تفسیر قرآن کے لیے جناب مولانا مودودی مرحوم

کی طرح استفادہ کرنا اب بھی صحیح ہے۔

قارئین کرام! آپ عموماً فرمائیں اور سوچیں کہ اس سے زیادہ خطرناک بات اور کیا ہو

کہ ہم قرآن پاک کے نام پر احادیث شریفہ سے اعتماد ختم کر دیا اور بائبل کی کتابوں کی حقانیت دلوں میں قائم ہو جائے۔ الامان اکفیظ۔ جناب مولانا مودودی مرحوم کے اس اندازِ تحریر سے پادری گولڈ سبیک کے کتابچہ "اسلام میں قرآن کی محنت و دوری کی تحقیق" کو بھیج

ماتا بڑے گا جس میں پادری گولڈ سبیک نے اعتراض کیا ہے کہ:

"قرآن کو بالکل صحیح سالم اور بالکل آنحضرت کا تسلیم کردہ قرآن تسلیم کرنا مغال

ہے۔"

وہ مزید لکھتا ہے:

"کہ آنحضرت نے دین یہود اور دین عیسوی کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے

اور یہود و نصاریٰ کے کتابوں کے حق میں جو شہادت دی ہے اس سے بحال

صراحت یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآن توریت و انجیل کی نسخہ نہیں بلکہ تائید و تصدیق

کرتا ہے، قرآن میں ایسی آیات بکثرت ملتی ہیں جن میں توریت و انجیل کی بڑی

تعریف و توصیف کی گئی ہے اور ان کو ایان و انقیاد کا حقدار قرار دیا ہے۔"

قارئین کرام! اس لیے بہر حال یہ بات انتہائی غور طلب ہے کہ زیر بحث مدعا و عنوان میں احادیث

پاک سے بے اعتمادی کرتے ہوئے بائبل کو مستند مآخذ کی حیثیت سے پیش کرتے ہوئے

ان کی تحریفوں سے عیسائیوں کی طرف سے ہونے والے قرآن پر اعتراضات کو بڑی تقویت

ملتی ہے، ایسا کیوں؟ اس لیے کہ جناب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم ہینے اکثر کتب پر اختیار کرنے کے بجائے اپنی

ذہنی تہ کیے ہوئے ہیں جس میں مامنی کے تمام فرقوں کی جھینٹیں ہیں۔ آپ اپنی تحریفوں میں

کہیں معتزلہ سے جلتے ہیں، تو کبھی شیعوں نظر آنے لگتے ہیں، تو کہیں آپ پر فارحیت کی

چھاپ نظر آتی ہے۔ قارئین کرام کے سامنے راقم الحروف وعدہ کرتا ہے کہ انشاء اللہ اگر تعقید

حیات رہا تو خدا تعالیٰ کی توفیق سے تفسیر القرآن ہی سے آپ کی تحریفوں میں ان تمام فرق

بالکل کی رنگارنگی منظر عام پر حواشی و قدیم صفحات کے ساتھ لے آئیگا، ثم انشاء اللہ اس وقت





ہدایت و تلقین کی حیثیت اس صورت حال کے بعد مردہ کی طرح محض بے جان رہ جاتی ہے۔ یہ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ دیگر معاملات کی طرح یہاں بھی مستشرقین اور محدثین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے آپ خود مستتر میں ہو گئے ہیں کہ جو کام مستشرقین و محدثین نہیں کر سکے تھے (کیونکہ مسلمانوں کو ان پر اعتماد ہی نہیں تھا) وہ کام جناب مولانا مودودی صاحب کی کتابوں نے خصوصاً تفہیم القرآن نے بوجہ حسن و کامیاب طریقت سے تکمیل تک پہنچایا ہے۔  
ان شاء اللہ العزیز رب العالمین۔

دامخ رہے کہ اس کے علاوہ دوسری جگہ بھی آئینہ خانے دشمنان اسلام کے اس مشہور اور بے بنیاد اعتراض کیلئے موقع فراہم کر دیا ہے اور یہودیوں کو نفیوت پہنچائی ہے۔ ملاحظہ کیجئے تفہیم القرآن ج ۴ سورہ شوریٰ ۴۹۲ آیت میں ہے "آخر کون نہیں جانتا کہ آپ نے تبلیغ اور تلوار دونوں سے پورے عرب کو فتح کیا۔"

تقرائین کو اہم ہندو معلوم کرنا چاہیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی بزرگ شمشیر کس کو مسخر کیا؟ ایک بھی مثال پیش کریں۔ آخر کس بنیاد پر آئینہ خانے نے اللہ اعلا اس کے رسول پر یہ الزام عائد کیا ہے۔ کیونکہ آج تک علماء دین دشمنان اسلام کے اس اعتراض کی جواب دہی قرآن و حدیث کی بنیاد پر ہی کرتے چلے آئے ہیں کہ اسلام اپنے حسن اخلاق و حسن کردار سے پھیلا ہے۔ لہذا کبرۃ فی الدین صاف صاف اعلان فرما دیا گیا۔

کیا جناب مولانا سید مودودی صاحب کو شاید یہ بات بھی معلوم نہ ہوگی؟ وہ جن مسلمانوں کو بزرگ شمشیر پھیلانے کی مائدہ کر رہے ہیں اسی اسلام نے تلوار اٹھانے کے متعلق مسائل بھی بیان کیے ہیں مگر آپ ان مسائل کو کس طرح بیان کریں، جبکہ آپ کا دعویٰ ہے کہ دین نام ہے حکومت و اقتدار کا۔

علاوہ ازیں اگر آپ کی یہ باتیں فرض کر کے مان لی جائیں کہ ایسا ذالہ بزرگ شمشیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو پھیلا یا تو بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی ہے بلکہ پھر ایک

بنیادی سوال یہ ہے کہ آپ پر کس نے تلوار چلائی تھی؟ جس کی بنیاد پر آپ نے اسلام کو قبول کیا؟ یا آپ پہلے جس نے اسلام قبول کیا تھا ان پر کس نے تلوار چلائی؟ ہندو اصناف معلوم ہوا کہ مودودی صاحب کی یہ تفسیر قرآن و حدیث سے متصادم ہے اور آپ نے اللہ اور اس کے رسول پر الزام عائد کیا ہے۔

اب کس طرح نہ کہا جائے کہ جناب والا انہی الفتن کے اعتراضات سے مرعوب ہی نہیں بلکہ پوری طرح متاثر بھی ہو چکے ہیں اور دوسروں کو بھی متاثر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سب کو اللہ پاک ہی ان کیفیات انفعالیہ سے محفوظ رکھے آمین۔ متقدمین کی چشم عقیدت اس کا ادراک کس طرح کر سکیں گی؟

## میری یہ کتاب تفہیم القرآن کے کس ایڈیشن کی بنیاد پر ہے

راستہ احرار کو جماعت اسلامی کے عنوان سے قادیانیوں کی ہمدردی کے مضامین (اور گرفت کے اصولوں کی ہدایات تلقین کرتے ہوئے خود سیدی و مرشدی مفتی محمد حسن صاحب گنگوہی نے) دکھلاتے ہوئے تنبیہ فرمائی تھی کہ "بغیر حوالہ کے نہ کسی کی بات پر اعتماد کرنا اور نہ کبھی خود بغیر متند حوالہ کے کوئی بات کہنا اور نہ کہنا جو بات کہو یا لکھو شرعی ثبوت کے ساتھ قدر نہیں۔" اس لئے لکھو بھی اپنی اس کتاب کو مستند ہونے کے لیے اس کی شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ تفہیم القرآن کا جو ایڈیشن میرے پیش نظر ہے اس کی سن اشاعت و طباعت کا حوالہ بھی ضرور بتلادیا جائے تاکہ قارئین ان کو ملاحظہ کرنے کے بعد ہماری امانت و دیانت اور گرفت و تنبیہ کے متعلق مکمل یقین کر لیں کہ واقعہ یہ تحریرات تفہیم القرآن میں جن میں اس طرح موجود ہیں اور وہ کبھی بھی نہ کہیں کہ ہم نے تفہیم کی عبارات میں کتبہ بیوت کر کے میثاق و ساق سے بھی مبرا نظر کر لیا ہے یا کسی عبارت کو مولانا مودودی مرحوم کے مقصد کے خلاف معنی پر محمول کیا ہے میثاق قادیانیوں کی ہمدردی کے متعلق جناب محمد کئی صاحب نے اصل حوالے دیکھے بغیر اس طرح کے غلبہ آمیز کلمات

کی زحمت گوارہ کر ڈالی تھی۔ میں اپنی بات کے ثبوت کے لیے قارئین کرام کی خدمت میں مفاد رکھنے والے خودیہ کے چند صفحات بعینہ جز و لازم کی طرح سے پیش کیے دیتا ہوں جس سے ہماری کتاب کی افادیت و اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

سوال: جناب مفتی صاحب! سلام مسنون

## جماعت اسلامی اور تنقید

ہدایت معانی کے ساتھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح رضا خانی جماعت نے علماء دیوبند کے خلاف ایک محاذ قائم کیا اور علماء دیوبند پر افتراء پڑا کر کے انہیں بدنام کیا اور ان کی کتابوں میں کتب بیہودہ کر کے سیاق و سباق سے صورتِ نظر کو کفریہ عبارت تیار کر لی ٹھیک وہی طریقہ علماء دیوبند جماعت اسلامی کے ساتھ برت رہے ہیں اس وقت مثال کے طور پر آپ کی تحریروں پر پیش کرنا چاہتا ہوں جو آپ نے ماہنامہ نظام کا نمبر ۲۰ صفحہ ۲۰ و ۲۱ میں "تبلیغی جماعت پر اعتراض" کے جواب میں تحریر کیا ہے کہ

"جماعت اسلامی اپنے تجویز کردہ اصولوں کے مطابق (جن کی قربانی اس

کے لیے تقریباً ناممکن ہے) دوسری جماعتوں اور افراد پر تحریروں کی تنقید کرتی ہے

اور وہ اپنے نزدیک اس پر بخور ہے اور یہ تنقید بسا اوقات اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ پڑھنے والوں کے ذہن میں ان جماعتوں اور افراد کے متعلق یہ

تصور قائم ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اصل دین کو سمجھا ہی نہیں بلکہ اصل دین کو

تخریب کر کے خواہشات نفسانی کے مطابق ڈھال کر عوام کے سامنے پیش

کیا ہے جس سے انتہائی گمراہی پھیل رہی ہے اور لوگوں نے بددیہی کو

دین سمجھا ہے جس کو حقیقی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ جماعت اسلامی

کی اس قسم کی تنقیدات سے موجودہ تبلیغی جماعتیں تو کیا پچیس گزشتہ صدیوں

کے اکابر اور مقتدا بھی نہیں بچے۔"

اس عبارت کو غور سے پڑھیے۔ اس عبارت میں آپ نے جماعت اسلامی پر تین الزام لگائے

۱) جماعت اسلامی تحریروں کی تنقید کرتی ہے اور (۲) یہ اس کے اہم اصول میں داخل ہے (۳) جماعت اسلامی کی تنقید سے گزشتہ صدیوں کے اکابر اور مقتدا بھی نہیں بچے۔ آپ کے بلا دلیل یہ الزامات افتراء نہیں تو اور کیا ہیں؟ کیا صراحت کے ساتھ ذمہ داران جماعت اسلامی کی کسی تحریروں پر تقریر سے اپنی باتوں کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں؟ واضح رہے کہ عبارت میں کتب بیہودہ کرنا یا سیاق و سباق سے صورتِ نظر کو لٹکانا یا کسی عبارت کو مصنف کے مقصد کے خلاف معنی پر محمول کرنا ایک عام مومن کے بھی ثبائیانِ شان نہیں ہے۔

محمد یحییٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تحریری زید احقرامہ

محنت نامہ باعث یاد آوری ہوا۔ نظام منہی سنت میں تبلیغی جماعت پر اعتراض اور اس کا جواب" شائع ہوا تھا اس کے متعلق آپ نے جس بے تکلفی سے اپنے جذبات اور تاثرات کا اظہار کیا اس سے سرت ہوئی کیونکہ یہ احساس زندہ ہونے کی دلیل ہے مدینہ جن افراد اور جماعتوں کے احساسات مرچھے ہوں ان کو کب خیال آتا ہے کہ وہ اس قسم کی تردید کریں۔ ان کا تو حال یہ ہوتا ہے کہ کہنے والے کچھ کہتے رہیں اور لکھنے والے کچھ لکھتے رہیں وہ سب طرف سے کان اور آنکھ بند کر کے اپنے مقصد کی تفصیل میں شب و روز نہمک رہتے ہیں۔ یہ نشان تو بامقصد، منظم، تنقیدی جماعت کی ہے کہ وہ ہر طرف سے جو کنا رہتی ہے۔ جہاں ان کی طرف کسی نے نصب العین، مقصد، طریقہ کار کے متعلق زبانِ بالائی یا ظلم اٹھایا کہ فلاں چیز کتاب اللہ کے خلاف، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے، فقہ و کلام کی رو سے غلط ہے بس پھر کیا تھا اس کی تردید کیلئے آٹا ناٹا اخبار رسالے، پمفلٹ منظر عام پر آگئے اور بانی جماعت کی ساختہ پیر داختمہ ذہنیت سے نکال نکال کر جوابات دینے شروع کر دیے۔

آپ ٹھنڈے دل سے ترجمان القرآن ج ۲۵ عدد ۵ میں سائل کا پیش کردہ حوالہ

دیکھ لیتے اگر وہ حوالہ صحیح ہوتا تو اس عتاب نامہ کی زحمت نہ کرتے اگر غلط ہوتا تو مختصر مرقعہ  
ادب آپ کا یہ طریقہ حکیمانہ طریقہ ہوتا لیکن آپ حضرات کو تو شروع سے تسلیم ہی یہ دینی گئی  
ہے کہ ہم پر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ افتراء ہے، الزام ہے، کٹر بیعت ہے، سیاق و سباق  
سے صرف نظر ہے، مقصد مصدق کے خلاف معنی پر حمل کرنا ہے۔ جس طرح رضا خانیت  
کے علمبرداروں نے علاء الحق کی عبارتوں کو نسخ کر کے بدنام کیا ہے اسی طرح جماعت اسلامی  
کو بدنام کیا جا رہا ہے۔

کمان پور میں ہمارے ایک رفیق تبلیغ ہیں جن کو جماعت اسلامی کے ساتھ خاص  
دل بستگی تھی جب ان کے سامنے ایک کتاب آئی جس میں جماعت اسلامی کی بعض عبارتوں  
نقل کر کے بتلایا گیا تھا کہ یہ خلاف قلال روایات کے خلاف ہیں تو ان کو دیکھ کر بے حد متزلزل  
ہو گئے کہ یہ تو وہی کٹر بیعت ہے جو رضا خانی کرتے ہیں نہایت غلط طریقہ ہے، مجھے اس سے  
سخت تکلیف پہنچی، پھر کچھ مدت کے بعد ان کے سامنے ایک اور مسئلہ کا تذکرہ آیا کہ  
ترجمان القرآن میں ایسا ایسا لکھا ہے اسپر وہ پھر میں جہیں بلکہ برہم ہوئے کہ بالکل  
غلط ہے اس میں ایسا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ تو نفس قطعی کے خلاف ہے میں ہرگز تسلیم  
نہیں کر سکتا جب تک چشم خورد نہ دیکھ لوں چنانچہ ان کو وہ رسالہ دے دیا گیا۔ بہت گہرا  
مطالعہ کے بعد کہ کہیں سیاق و سباق سے صرف نظر تو نہیں، انھوں نے مجھ سے خود فرمایا  
کہ اللہ اکبر ہمارے علاء بھی کس قدر محتاط ہیں کہ اس جماعت کی تکفیر نہیں کرتے حالانکہ اس کتاب  
سات سات نصوص قطعہ کا انکار ہے۔

### مغرب حشر

بریلوی طبقہ نے اکابر علاء الحق حضرت مولانا اسماعیل شہید وغیرہ  
کی عبارتوں کو توڑ مروڑ کر مسخ کیا ان سے ایسے مطالب نکالے  
جو ان اکابر کے حاشیہ خیال میں بھی نہ ہوں گے جس فتنہ عظیم پھیلا۔ بہت بڑی جماعت  
مذہبہ ہو گئی، علماء دیوبند نے اس فتنہ کا سد باب اس طرح کیا کہ اصل عبارتیں تو

کے سامنے پیش کیں، ان کے اصلی مطالب کو بیان کیا، ان پر دلائل قاطم کیے جو کٹر بیعت  
کی گئی تھی ایک ایک چیز کو کھول کر رکھ دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بریلوی طبقہ سنجیدہ انصاف  
پسند مسلمانوں کی نظروں میں اس قابل نہیں رہا کہ اس کی تقریر یا تقریر کی طرف توجہ کی جائے  
ابھی مجرب حشر اب جماعت اسلامی نے شروع کر دیا اور جو لوگ مودودی صاحب کی آواز  
کو حق کی آواز قرار دیتے ہیں انھوں نے اشخاص پرستی سے انتہائی بیزاری، ناقدانہ بلند  
نظری، خالص حق پرستی کے بلند آہنگ دعوؤں کے باوجود اسی آواز کی پیروی شروع کر دی  
اور در اس کی زحمت گوارا نہ کی کہ اصل کو تو دیکھ لیا جاتا۔

لیکن دنیا میں بسے والے سب ہی توبے و تقویٰ، حیات سے مغلوب، دین کی  
قل گاہوں کے سند یافتہ، کتاب و سنت سے نا آشنا، جہل مرکب میں مبتلا نہیں ایسے  
نفوس بھی موجود ہیں جو محض مودودی صاحب کی آواز پر ایمان نہیں لائے بلکہ آواز کے خدا وئی  
کو دیکھ کر نقل کردہ عبارات کو بھی اصل کتابوں سے ملاتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ واقعہ  
جماعت کی اصل کتابوں میں وہ عبارتیں موجود ہیں جو خدا وئی میں نقل کی گئی ہیں اور ان کا مطلب  
بھی وہی ہے جو خدا وئی میں بتایا گیا ہے۔ سیاق و سباق پر ٹھکر دوسرا مطلب بھی نہیں  
بتا دیتے بھی دیکھتے ہیں کہ جماعت اسلامی کی طرف سے ان خدا وئی کے جواب میں ڈنکے  
کی چوٹ کہا جا رہا ہے کہ ہم پر افتراء ہے، دماغ ہے، بددیانتی ہے، جھوٹ ہے، بہتان  
ہے۔ ہم نے کہیں ایسا نہیں لکھا تو وہ انتہائی حیرت و استعجاب سے سوچتے ہیں کہ کیا افتراء  
یہی ہے جماعت اسلامی کا موقف؟

اور اسی کا نام ہے دیانت و راست بازی افتراء سی، آخرت کی جواب دہی کا احساس  
جس کا اس جماعت کو قدم قدم پر دعویٰ ہے پھر اس کی جواز جماعت کے امیر اور دیگر اہل علم  
پر نظری طور پر پڑنی چاہیے، وہ پڑتی ہے اور اس سے کسی طرح گریز ممکن نہیں۔  
اسے کاش اہل شعور اس کو سمجھیں، اندر اپنی غلطیوں کی طرف متوجہ ہوں، جب



یہ حضرات چودہ سو سال تک کے بزرگانِ دین اور اسلاف کے کارناموں پر بے لاگ تنقید کرتے ہیں اور ان کی غلطیاں پکڑتے ہیں تو اگر کسی نے ان کے کارنامہ پر تنقید کر دی اور وہ تنقید واقعہً بالکل صحیح اور حق بجانب ہے تو اس پر ناک بھوں کیوں چڑھاتے ہیں ان کو تو چاہئے تھا کہ شکر یہ کہ ساتھ قبول کر کے اصلاح کر لیتے جیسا کہ جبکہ اپنی تحریرات میں اس کا اظہار بھی کرتے ہیں مگر معاملہ بالکل برعکس ہے۔

شعوری یا غیر شعوری طور پر آپ کی یہ تحریروں پر بھی اسی ذہنیت کی آئینہ دار ہے۔ اپنی اس تحریروں کو پھر ایک نظر دیجئے اور مودودی صاحب کے اس جواب کو ملاحظہ کیجئے جو انھوں نے مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ، مفتی ہدی حسن صاحب دیوبند، مفتی سید احمد صاحب سہارن پور، مفتی جمیل احمد صاحب نقا، بھون، مولانا اعجاز علی صاحب دیوبند کے فتاویٰ کی تردید میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

(۱) "جس وقت یہ فتویٰ لکھے جا رہے تھے اس وقت خدا کا خوف اور آخرت کی جواب دہی کا احساس شاید ان کے قریب بھی موجود نہیں تھا خصوصاً مفتی سعید احمد صاحب کے فتوؤں میں تو صریح بددیانتی کی بدترین مثالیں پائی جاتی ہیں جنہیں دیکھ کر گھن آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ان حضرات کے ساتھ بڑا حسن ظن رکھتا تھا مگر اب ان کے یہ فتوے دیکھ کر تو میں ایسا محسوس کرتا ہوں کہ بریلوی طبقہ کے فتوے بازو کا فرساز مولویوں سے ان کا مقام کچھ اونچا نہیں۔" (رسائل و مسائل ج ۲ ص ۵۱۳)

مودودی صاحب کا یہ پورا جواب رسائل و مسائل میں پڑھ جائیے کسی ایک لفظ کے متعلق بھی تو متعین طور سے نشانہ ہی نہیں کر کے کہ فلاں لفظ غلط لکھا ہے فلاں حوالہ غلط دیا ہے فلاں عبارت میں کتبہ بیونت کی ہے، فلاں عبارت کے سیاق و سباق سے مراد نظر نکلا ہے۔ مفتی سعید احمد صاحب نے تقریباً دو درجن جہازیں اس کتاب کی کتابوں کے

نقل کی ہیں اور ہر ایک کا پورا حوالہ دیا ہے مگر مودودی صاحب کی شریفانہ لہجے میں فرماتے ہیں:

(۲) "یہ لوگ اگر دیانت اور سچائی کا ہتھیار لے کر حملہ آور ہوتے اور مجھ میں یا جماعت اسلامی کی تحریک و نظام میں کوئی ایسی خرابی بتاتے جو فی الواقع ان کے دلائل سے ثابت ہوتی تو میں یقیناً ان کے گے جھٹکا اور اپنے غلطیوں کا اعتراف کر کے اپنی اصلاح کرتا لیکن انھوں نے ہتھیار جھوٹ سا استعمال کیا ہے، دناؤ کی راہ اختیار کی ہے اس لیے میں ان کے ساتھ وہی طریقہ اختیار کروں گا جو ایک شریف آدمی کو کرنا چاہئے یعنی اذّا مروءاً بالغوم و صر و صرا" (رسائل و مسائل ج ۲ ص ۵۱۵)

### کرامت و شرافت کا معیار

ان اکابر علماء کرام کا مودودی صاحب کی غلطیوں پر متنبہ کرنا اور عامتہ مومنین کو فتنوں کی راہ سے بچا کر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عبادۃ مستقیم کی دعوت دینا مودودی صاحب کے نزدیک یکساں قرار پایا، اللغو اور خوفِ خدا اور آخرت کی جواب دہی سے جسی، بددیانتی کی بدترین گھنٹی مثالیں، بریلوی طبقہ کی فتوے بازی، کافر سازی، دناؤ کی راہ، جھوٹ کا ہتھیار جیسی گالیوں کا استعمال کرنا کیا قرار پایا؟ کرامت و شرافت۔ واقعی ان حضرات کی کرامت و شرافت کا یہی معیار ہے۔ مودودی صاحب نے اپنی اسی تحریروں میں ایک اور کرامت کا اظہار فرمایا ہے۔

### آزمائش کا وقت آگیا ہے

"اس میں شک نہیں کہ دیوبند اور سہارن پور کے ان فتوؤں کا ان لوگوں پر برا اثر پڑے گا جو ان دونوں مراکز علمی سے وابستہ ہیں۔ لیکن سنت اللہ کے مطابق

ازمایش ضروری، ادب اس پورے دیوبندی اور مظاہری گروہ کے لیے آزمائش کا وقت آگیا ہے۔ دیکھنا ہے ان میں کتنے حق پرست ہیں اور کتنے اشخاص پرست۔ جو حق پرست ہیں وہ انشاء اللہ ہمارے ساتھ رہیں گے اور آئندہ بھی ہمارے ساتھ آتے رہیں گے اور جو اشخاص پرست ہیں اور جماعتی عصیت میں مبتلا ہیں وہ ہم سے الگ ہو جائیں گے اور آئندہ بھی ہمارے ساتھ نہ چلیں گے۔ جہیں حضرت پہلے گروہ کی ضرورت ہے، دوسرے گروہ سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں، وہ ہٹ جائیں گا تو ہم خدا کا شکر ادا کریں گے اور آئندہ ہم سے بے تعلق رہیں گے تو مزید شکر کریں گے۔ ۱۱

(رسائل و مسائل ج ۲ ص ۵۱)

اس عبارت میں مودودی صاحب نے آزمائش میں کامیابی کی یہی صورت تجویز کی ہے کہ لوگ ان کی بات مان لیں اور ان کے ساتھ آجائیں جو لوگ ان کے ارشاد پر عمل نہ کریں اور ان کی جماعت میں داخل نہ ہوں وہ ناکام ہیں۔

**حق کی تشخیص** مودودی صاحب نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ جو لوگ ان کے ساتھ آجائیں گے وہ حق پرست ہیں اور جو لوگ سہارنپور دیوبند کے فتوے پر عمل کریں گے وہ اشخاص پرست ہیں، دوسرا شخص خواہ کتنا ہی دیانتداری سے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے مگر اسپر عمل کرنے والے مودودی صاحب کے نزدیک اشخاص پرست ہیں اور مودودی صاحب کی زبان سے نکلنے والی بات کو ماننے والے حق پرست ہیں۔ یہ دو چیزیں بالکل مقابل ہوئیں اشخاص اور حق اشخاص کون ہیں؟ دیوبند اور سہارنپور کے مفتی، حق کون ہیں؟ مودودی صاحب۔

۱۱ ملاحظہ ہو کہ کس طرح آپ نے اپنے حق کی تشخیص و تعبیر کی ہے۔

یہ ان کا عام طرز نگارش ہے کہ وہ صاف صاف انہیں تو نہیں کہتے (کہ اسکے لیے شدید وار روح منسور درکار ہے) لیکن اپنے مقصد کو مقصد حق اور اپنی دعوت کو دعوت حق اور اپنے طریق کو طریق حق منسوب کرتے ہیں اور اسپر اتنا زور دیتے ہیں کہ جب ان کی کسی بات سے کوئی اختلاف کرتا ہے خواہ وہ کتنے ہی قوی اور صریح دلائل حق کی روشنی میں کرتا ہو مگر اس کے حق میں وہ برفایات و آیات لا کر پیش کر دیتے ہیں جو مخالف حق جل جلالہ کے بارے میں وارد اور نازل ہوئی ہیں (فارچیوں کا طریقہ یہی تھا کہ جو آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے تھے ملاحظہ ہو بخاری ص ۲۴ ج ۱)

مودودی صاحب کی جماعت سے الگ ہونے والوں کی تفصیلی فہرست آپ کے علم میں ہے کہ جن حضرات نے جماعت کی تشکیل و تاسیس کی اور نہایت محکم و مستور حق تبار کیجیا تھا وہ ایک ایک کر کے تقریباً سب ہی الگ ہو گئے، سب ہی اس خود ساختہ حق سے من موڑ لیا بلکہ جماعت اسلامی تو یہاں تک کہتی ہے کہ انھوں نے ارتداد اختیار کر لیا۔ ان اللہ وانا الیہ راجعون۔

**حق الگ ہونے پر شکریہ** یہ بھی غور کا مقام ہے کہ جو لوگ حق سے الگ ہو جائیں اور ان کے ساتھ نہ آئیں، تو ان کی علیحدگی پر مودودی صاحب شکر لو کرتے ہیں حالانکہ الخالق عیالہ اللہ وحمیتہ کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مخلوق کے ساتھ ہم مدد دی اور خیر خواہی کیجائے اور ہر انسان کی ہدایت کیجئے آخری مانس ہٹ پوری کو شیش کیجائے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے ظاہر ہے۔ اللہ پاک کا ارشاد ہے:

لَمَّا عَلَّكَ بِأَعْيُنِنَا فَنَنْفِثُ فِيهِ رُوحَنَا تَتَزَكَّى وَنَبْلُقُ مِنْهُ مَا نَشَاءُ فَاذْكُرْ مَا تُكَلِّمُ لَا تُغْنِي عَنْكَ كَثْرَتُهُمْ وَلَا يَزِيدُكَ فِيهِمْ كِبَارُهَا وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ سَآءَ مَا تَكَلِّمُ الْأَعْمَى

کسی کے حق سے کٹنے اور ہٹے پر شکرا کرنا اور خوش ہونا نہیں معلوم کس نص سے ثابت ہے اگر آپ کی نظر سے اس معنوں کی کوئی نص گزری ہو تو براہ کرم مطلع فرمائیں معنوں ہوں گا۔

ایک اور مقام پر مودودی صاحب نے بہت ہی سترت کا اظہار کیا ہے۔ فرماتے ہیں :  
 (۴) "میں بہت خوش ہوں اور خدا کا شکرا ادا کرتا ہوں کہ یہ فتنہ پسند گروہ قریب آنے کے بجائے دور جا رہا ہے۔ (ترجمان القرآن ج ۲۶ عدد ۱ ص ۲۷)  
 کجا مودودی صاحب کا یہ اظہار سترت اور کجا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عم جس سے جان دینے کا خطرہ لاحق ہو جائے جس کا تذکرہ آیت بالا میں ہے۔

غور فرمائیے کہ مودودی صاحب کا اپنے طریق کو بغیرانہ طریق قرار دینا جس کا متعدد مقامات پر دعویٰ کیا گیا ہے کہاں تک بر محل ہے۔

آپ کے یہاں جماعت اسلامی کا دفتر ہے جس میں جماعت کی کتابیں موجود ہیں میں نے جن کتابوں کے حوالے دیے عبارتیں نقل کی ہیں اصل کتابوں سے ان عبارات کو ملا لیجئے اور ان کا اول و آخر بھی اطمینان سے پڑھ لیجئے کہ کسی جگہ عبارت میں کتبہ جو نت پائیں گے نہ ایسا ہے کہ درمیانی جملہ ایک کراصل مقصد کو خبط کر دیا گیا ہو۔ یہ اس لیے لکھا ہے کہ جماعت کا طریقہ ہے کہ جب کوئی معنوں یا رسالہ دیکھا جس میں ان کی کسی غلطی پر فرقہ حدیث، قرآن سے ان کے انحراف کی نشاندہی کی گئی ہو تو فوراً ایسا اور جماعت نے لکھا اور کہنا شروع کر دیا کہ ہم پر افتراء ہے، جھوٹ ہے، بہتان ہے، وناوت ہے، ہماری عبارتوں کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے، یہ لوگ اس ذلیل نہیں کہ ان سے خطاب کیا جائے یا ان کے اعتراض کا جواب دیا جائے۔ واللہ یجیدی من یشاء الی اصطوا المستقیم۔

(راز صفحہ ۶ - ۱۳)

اسی قادی محمودیہ ملید اول ۳۱۹ میں ایک جگہ ہے :

"مگر مودودی صاحب اور ان کے پیروحضرت کا رخ یہ بھی ہے کہ جب ان کے قلم سے نکلی ہوئی کسی بات پر گرفت کی جاتی ہے اور اس کو دلائل کی روشنی میں غلط ثابت کر کے سب طرے سے راستہ بند کر دیا جائے اور وہ جواب سے عاجز ہو جاتے ہیں تو اس بات کا رخ بدل دیتے ہیں کہ ہمارا اندراج یہ نہیں حالانکہ ان کی تادیل کے خلاف خود ان کے کلام میں صراحت موجود ہوتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اپنی غلطی واضح ہونے پر اعتراضات کرتے اور اصلاح کر لیتے جیسا کہ اپنی تحریرات میں بار بار اعلان کیا جا چکا ہے لیکن وقت آنے پر ہوتا کچھ اور ہے۔"

### تفہیم القرآن کا یہ ایڈیشن میرے پیش نظر ہے

حصہ اول :	تیرہواں ایڈیشن جنوری ۱۹۷۰ء
دوم :	مطبوعہ جمال پرنٹنگ پریس - دہلی
سوم :	بارہم - نومبر ۱۹۷۰ء
چہارم :	طبع ہفتم - جنوری ۱۹۷۱ء
پنجم :	طبع سویم - نومبر ۱۹۷۱ء
ششم :	مطبوعہ نکشی پرنٹنگ ورکس لال کنواں دہلی ۷۵
	بار دوم - اپریل ۱۹۷۳ء
	مطبوعہ ایمریل پریس دہلی ۷۵
	بار اول - جنوری ۱۹۷۳ء
	ایمریل پریس - دہلی ۷۵



## تفسیروں میں حضرات مفسرین کا اپنا اپنا ذوق

علامہ زرقانیؒ فرماتے ہیں کہ جس مفسر کو جن علوم و فنون سے مناسبت تھی انہوں نے اپنی تفسیر میں اسی کا اظہار فرمایا۔ یعنی ان کی طبیعتی مناسبتوں کا ان کی تفسیروں میں زیادہ غلبہ ہے۔ حالانکہ نزولِ قرآن کا جو مقصد ہے اس مقصد کی وضاحت تفسیروں میں زیادہ ہونی چاہئے۔

آپ فرماتے ہیں کہ مفسر پر واجب ہے کہ ہر وقت اس کے پیشِ نظر رہے کہ یہ قرآن پاک کتابِ ہدایت ہے، کتابِ معجز ہے اس لیے ہمیشہ اس مقصدِ اعظم کا بیان ہونا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس کلام سے ہدایات و اعجاز کا اظہار ہو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ امام محمد الدین اپنی تفسیر میں زیادہ تر علومِ فقہیہ کو بیان کرتے ہیں۔ علامہ قرطبیؒ نے اپنی تفسیر میں جراثیمِ فتنہ کے دلائل اور مخالفین کی تردید کی ہے۔ مفسر مزاج اور مفسرِ واحدی نے بیسٹ میں اور مفسر ابوجحان نے بحر میں نحو کے وجوہِ اعراب کو اہتمام سے بیان فرمایا ہے اسی فرقِ باطلہ نے جب تفسیریں لکھیں تو اپنے اپنے مذہب کو قرآن پاک سے ثابت کرنا شروع کیا۔ اخباریوں نے جب تفسیر شروع کی تو عجیب عجیب قصے اور اسٹالٹ کی عجیب و غریب خبروں کو ذکر کیا قطع نظر اس سے کہ وہ قصے اور خبریں صحیح بھی ہیں یا نہیں؟ اسی طرح اربابِ تصوف نے زہد و قناعت و ترغیب و ترہیب کے مضامین پر زیادہ توجہ کی اور اسی کو بیان کیا۔ (مناہل العسل)

**تحقیق و تنبیہ** خلاصہ یہ ہے کہ جب ہر ایک مفسر نے اپنے اپنے ذوق و مشربِ نظر و فکر اور اپنے اپنے خاص مزاج و جذبہ کی بنیاد پر تفسیر کی ہے تو جناب مولانا مودودی صاحبؒ جس عظیم شخصیت، نقادِ اعظم، محققِ کبیر، مفکرِ اسلام نے اپنے مزاج کے مطابق تفسیرِ آزاد ترجمانی کی ہے تو کون سا برا ظلم کیا ہے

انہوں نے اگر اپنے مزاج و فکر کی بنیاد پر اسرائیلیات، اسرائیلی تواریخ، بائبل و تلمود سے مغربی مستشرقین کے اقوال سے، ایرانی دروی متعین کی تواریخ سے، اپنی عقل و تیکاس، اپنی تحقیق اور اپنے دل پر پڑنے والے اثرات سے تفسیر کی ہے تو انہوں نے یہ اپنے مزاج و فکر کا ثبوت دیا ہے۔ یہ الگ مسئلہ ہے کہ ان کی اور ان جیسوں کی اس طرح کی تفاسیر قابلِ قبول و قابلِ اعتماد کس طرح ہو سکتی ہیں اور شرعاً ایسی تفاسیر کا کیا حکم ہے؟ نفیم کے مطالعہ و بغیر تحقیق دیکھنے سے مجھے یہ بات معلوم ہو گئی کہ آپ کے مزاج میں جن چیزوں کا غلبہ تھا خاص طور پر نمایاں ہو کر لوگ قلم سے صفحہ قرطاس پر وہ چیزیں سن و عن انگلیں چٹاچٹے ماہنامہ احسانات کے یادگار "مودودی نمبر" ۱۵۹ میں ہے کہ جناب فقیر کا صاحب نے پوچھا کہ آپ نے نفیم القرآن کی تصنیف کے دوران کن کن علمی ذخائر سے اور مصنفین و علوم کا مطالعہ فرمایا؟

تو مولانا نے جواب دیا "نفیم القرآن میرے عمر بھر کے مطالعہ کا پتھر ہے" میں نے پچھلے ۵۵ سال کے دوران فلسفہ و تاریخ، سائنس، اجتماعی علوم اور دینی علوم کا جتنا مطالعہ کیا ہے۔ اس سب اس تفسیر کے لکھنے میں کام لیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی خاص مقام پر ہر پوچھ کر اگر میں کسی آیت یا قرآن کے کسی بیان کو سمجھ نہیں سکا ہوں تو لکھنے کا سلسلہ روک کر اس وقت تک تحقیق اور مطالعہ کرتا رہا جب تک اطمینان نہیں ہو گیا کہ میں نے قرآن کا صحیح مدعا سمجھ لیا ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میرا فہم کسی معاملہ میں ناقص ہو، کیونکہ میں ایک انسان ہوں اور انسان کا فہم کامل نہیں ہو سکتا لیکن اس کتاب میں میں نے وہی کچھ لکھا ہے جس پر اپنی حد تک میں مطمئن ہوں۔" (احسانات کا یادگار مودودی نمبر ۱۵۹)

تاریخِ کرام ! اب سوال یہ ہے کہ آپ کے فہم خاص پر کس طرح اعتماد کیا جاسکتا ہے کہ آپ نے جو کچھ تحقیق و مطالعہ سے سمجھا وہ بالکل حینِ مشاود خداوندی ہے؟ اور آپ کا فہم خاص ہی روحِ قرآن پاک ہے؟ جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ خیر القرون سے لے کر آج تک کے

تمام وہ حضرات جنہوں نے قرآن پاک سمجھا ہے اُن سے قطعاً بے نیاز ہو کر جناب مولانا مودودی مرحوم اپنی ذاتی تحقیق و مطالعہ ہی پر اعتماد کرتے رہے ہیں۔ اس صورت حال میں اگر آپ کی نسبت ایسا ذرا لکھ کوئی نبی اور رسول ہونے کا خیال رکھتا تو سوچ لیتا کہ حضرت جبریلؑ آپ کی خدمت میں بخواب اللہ تشریف لا کر تلاوت کرتے ہوں گے کہ سید مودودی! تمہارے جو کچھ اپنی ذاتی تحقیق و مطالعہ اور فہم خاص سے قرآن پاک سمجھا اور اپنی سمجھ پر جس حد تک مطمئن بھی ہو وہ عین ردیح قرآن اور مشابہ ماری تعالیٰ ہے۔

پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ آپ کے عمر بھر کے مطالعہ و تحقیق میں کوتاہیوں اور گریزوں کا ذخیرہ نہیں ہے؟ جبکہ آپ نے خود ہی اقرار کیا ہے کہ مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف نہیں ہے۔ یعنی آپ نے دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ ترجمان و تفسیرات اٹھا کر آپ کی تحریرات ملاحظہ کر لی جائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ آنجناب نے ہمیشہ اپنی ذہانت و ذکاوت کی بدولت قرآن و حدیث کو براہ راست سمجھنے کی کوشش کی ہے، دینی علوم کے سمجھنے میں کسی شخص کو واسطہ نہیں بنایا۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

”مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے میں ایک بیچ کی راس کا آدمی ہوں جس نے جدید اور قدیم دونوں طریقہ تعلیم سے کچھ سمجھ پایا ہے، دونوں کو چوں کہ خوب چل پھر کر دیکھا ہے۔“

(ترجمان جلد ۱۴ عدد ۲۲)

خود اقرار ہے کہ دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی، اسی عالم میں بلکہ کچھ کچھ تعلیم کا حصہ پایا ہے، اس کچھ کچھ ناقص و ناتمام حصہ تعلیم پر آزادی کا یہ عالم ہے فرماتے ہیں:

(۸) اپنی بصیرت کی بنا پر نہ تو میں قدیم گروہ کو سراہا یا خیر سمجھتا ہوں اور نہ جدید گروہ کو، دونوں کی خامیوں پر میں نے آزادی کے ساتھ تنقید کی۔“ (حوالہ باقی)

کچھ کچھ تعلیم حاصل کر کے کچھ لوگ مطلب شروع کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ دینی اصول کے ماہر اور مزاج شناس نبوت کہلانے لگتے ہیں جس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو ٹیم ملا اور ”نیم حکیم“ کے اقدام کا ہونا ہے کہ جہاں کا بھی خطرہ اور اہمان کا بھی۔

(مادی محمودیہ جلد اول)

کسی نے مودودی صاحب سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ یا لے کر گئی ہیں کسی نے وہ بیان نہیں کیا اور بڑے علماء و دانشمندان نے آپ کے بیان کے بعد بھی اس کو قبول نہیں کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بے اکابر دین غلطی پر ہیں یا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ حق کے نام پر کوئی غلط چیز پیش کر رہے ہیں۔

مودودی صاحب نے اس کا جواب دیا کہ میں نے دین کو حال یا ماضی کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے ہمیشہ قرآن و سنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ اسی لیے میں کبھی یہ معلوم کرنے کیلئے کہ خدا کا دین مجھ سے اور ہر مومن سے کیا چاہتا ہے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا کہ فلاں اور فلاں بزرگ کیا کہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ قرآن کیا کہتا ہے اور رسول نے کیا کہا۔“ (ترجمان القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ مودودی صاحب نے خدا کے دین کو نہ زمانہ و حال کے کسی شخص یعنی استاد سے سمجھا نہ زمانہ ماضی جو وہ سو سال میں کوئی شخصیت ایسی گذری جس سے وہ خدا کے دین کو سمجھ سکے، قرآن کریم کا مطالعہ ہی خود ہی غیر استاد کے کیا ہے اور سنت کا بھی۔ ان کے نزدیک قرآن کریم کا مطلب سمجھنے کیلئے حدیث کی ضرورت ہے نہ تفسیر کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”قرآن اور سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے، مگر تفسیر و حدیث کے پڑانے و ذخیرہ لے نہیں ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں جو قرآن و سنت کے منہ کو پا چکے ہوں۔“ (تفہیمات)

بغیر تغیر و حدیث کے قرآن کریم کو جو سمجھنے کا طریقہ مودودی صاحب نے ملین کیا ہے وہ یہ ہے :

”قرآن کو پوری طرح سمجھنے کی بہترین صورت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا خواہش مند پہلے تو یہ سمجھے کہ الہام اسی پر نازل ہو رہا ہے اور پھر وہ یہ سمجھ کر پڑھے کہ وہ خود اس الہام کو نازل کر رہا ہے۔“

(فتاویٰ محمودیہ ج ۱ ص ۲۸۳)

پھر آپ کے عمر بھر کے مطالعہ میں وہ آوارہ خوانی بھی شامل ہے یا نہیں جس کا نتیجہ بھی آپ کے اقرار کے مطابق انتہائی خطرناک ثابت ہوا۔ ماہنامہ احسانات کے یادگار مودودی نمبر ہی میں ہے جس کا عنوان ”زندہ جاوید انٹرویو“ ہے :

”مولانا اپنی مخصوص دھیمی آواز میں میرے سوالات کا جواب دیتے ہوئے جارہے تھے : آغاز تعلیم کے متعلق مولانا نے بتایا۔ گھر پر عربی پڑھی۔ اسکولوں اور کالج میں مختلف علوم زیر مطالعہ رہے۔ انگریزی زبان کی استعداد تعلیمی دور کے بعد حاصل کی۔ طالب علمی کے زمانہ کا مجھے کوئی خاص واقعہ یاد نہیں۔ میں ایک اوسط درجے کا طالب علم تھا اور میرے ذہن نے کبھی بھی مستقبل کا کوئی حسین خاکہ نہیں بنایا، البتہ اس دور میں مجھے یہ احساس ضرور ہو گیا تھا کہ مجھ میں کچھ نہ کچھ کی صلاحیت موجود ہے۔“

جب میں کالج کی تعلیم سے فارغ ہوا تو اس وقت میری عمر سولہ سترہ سال کی تھی اس کے بعد میں نے ”آوارہ خوانی“ شروع کی، جو کچھ ملا پڑھ ڈالا ہر عنوان پر ہر قسم کی کتابیں پڑھیں۔ اس آوارہ خوانی کا نہایت ہی خطرناک نتیجہ برآمد ہوا۔ خدا اور آخرت پر سے یقین اٹھنا چلا گیا، تشکک اور ارتداد سے ایمان و ایقان کی بنیادیں منہدم ہو گئیں۔ خدا کا وجود سمجھ میں نہ آتا تھا۔

تمام دینی عقائد لغو اور غیر منطقی نظر آتے تھے۔ ایک ڈیڑھ سال تک یہی کیفیت رہی۔“

مولانا ! کیا آپ یہ سچ کہہ رہے ہیں ؟

میں نے حیرت و استعجاب کے عالم میں پوچھا۔

سکراہٹ ان کے چہرے پر پھیل گئی۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لیے اپنی

نظریں میرے چہرے پر جمادیں، میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے پوچھ رہی ہیں :

”تمہیں یہ بات کہنے کی جرأت کیسے ہوئی ؟“

میں گھبرا اٹھا۔ مگر مولانا حالی کے اس شعر نے گھبراہٹ کو حقیقت میں تبدیل

کر دیا۔

تقبات محبت ہے و گرسنه

مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو

(احسانات اسلامی اردو ڈائجسٹ رلم پوز جنوری ۱۹۷۵ء)

تاریخ کرلم ! ایک ڈیڑھ سال کی یہ مذہبناہ و کافرانہ کیفیت کی آوارہ خوانی عمر بھر کے مطالعہ کے پھر میں کیا داخل نہیں ہے ؟ جب کہ آپ نے خود ہی اقرار کیا ہے کہ پچھلے ۵۵ سال کے دوران جتنا مطالعہ کیا ہے اس سے اس تفسیر کے سمجھنے میں کام لیا گیا۔ آپ کو اس موقع پر صاف معظوں میں صراحت و وضاحت کرنی چاہیے کہ ایک ڈیڑھ سال کی یہ مذہبناہ و کافرانہ کیفیت میں جن علوم کا میں نے مطالعہ کیا ہے ان سے تعلیم کے سمجھنے میں کام نہیں لیا گیا۔ یا یہ ایک ڈیڑھ سالہ علوم و مطالعہ و تحقیق اس تعلیم میں داخل نہیں۔ اس لیے آپ کی عدم صراحت و وضاحت سے اب کیا سمجھا جائے گا ؟ کہ ڈیڑھ سالہ کافرانہ کیفیات سے بھی تعلیم کے سمجھنے میں کام لیا گیا ہے۔

الان محفوظ۔



**پھر تعجب و افسوس** | اس بات پر ہے کہ آپ نے تحریر کیا کہ "ہو سکتا ہے کہ میرا فہم کسی معاملہ میں ناقص ہو۔" یعنی یہ جملہ بتلارہا ہے کہ جناب

مودودی کا فہم ناقص نہیں بلکہ ناقص ہونے کا امکان ہے حالانکہ لفظ "ہو سکتا ہے" کے بجائے آپ کو صاف طور پر یہ کہنا چاہیے کہ میرا فہم ہر معاملہ میں ناقص ہے۔ لیکن آپ ایسا نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ آپ کی انشاء پر دازی و صحافت کا کمال ہے کہ ایک طرٹ بظاہر اپنے فہم کے نقص کا اقرار کریں۔ مگر ساتھ ہی جو بات پیش کریں اس میں نبی اور رسول کے فہم کامل کی طرح اپنے فہم ناقص پر مکمل اعتقاد و اظہار اطمینان بھی ہو۔

قارئین کرام! بلکہ آپ کے اس انداز تحریر کی بنا پر اپنے فہم کو قرآن پاک کا صحیح مباحثہ نہایت جلد و سہولت سے جاننا من قال بواہ فی القرآن فلیتبعوا مقعدہ من النار (ترجمہ: جس نے قرآن میں اپنی رائے یا فہم سے کوئی بات کہی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے) اس حدیث پاک کا مصداق نہیں تو اور کیا ہے؟

اور پھر آپ کے اس اقرار کی وجہ سے آپ کی اس کتاب کا نام خود ہی "تفسیر مودودی" ہو گیا اور نہ تو زیر بحث کتاب میں ہمارے پیش کیے گئے دلائل کی وجہ سے آپ کی اس کتاب کا نام "تفسیر بائبل" قرار پاتا ہے۔ کیا یہ بہت بڑا ظلم نہیں ہے اپنے فہم کو بائبل کے فہم کو تفسیر قرآن کہا جائے؟

**ایک اور بڑی حقیقت کا انکشاف** | میں اپنے معزز قارئین کی خدمت میں

جناب مولانا مودودی مرحوم ہی کے اقرار و اعتراف تحریر سے ایک اور بڑی حقیقت کا انکشاف کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ قرآن پاک، سیرت پاک اور احادیث پاک کے مطالعہ سے آپ مقصد ایمان و اسلام بالکل نہیں تھا بلکہ اس یادگار مودودی نمبر میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کے پیش نظر ان سب کے مطالعہ سے تحقیق و تنقید

ماہنامہ احسانات میں ہے کہ جس کا عنوان ہے "تفسیر القرآن کیوں؟" پہلا سوال تھا قرآن سے ربط اور لگاؤ پیدا کرنے میں کن عوامل کا دخل ہے اور اس لگاؤ کی نشوونما کیسے ہوئی؟

سوال مرتب کرتے وقت میرے پیش نظر یہ تھا کہ مولانا اس مضمون میں اپنے آبائی علمی ورثہ اور بزرگوں کی قرآنی خدمت کے حوالے سے جواب دیں گے کیونکہ بہت کم لوگ اس امر سے واقف ہیں لیکن انہوں نے ان میں سے کسی کا ذکر کیے بغیر فرمایا:

میں نے جب ہوش سنبھالا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ تہذیب تو کچھ نہیں کہیں کہیں مسلمان کے گھر پیدا ہوا اسی مسلمان، ہندو ہندو کے گھر پیدا ہوا اسی ہندو۔ اگر آدمی کی چیز کو مانے تو تحقیق کر کے مانے نہیں تو نہ مانے۔ اس احساس کی بنا پر ایک وقت مجھ پر آیا کہ خدا، آخرت، رسالت، وحی، ہر چیز میں شک پڑ گیا اور جس کی بچپن میں عادت ڈالی گئی تھی وہ بھی اس وجہ سے چھوٹ گئی کہ وہ بھی محض ایک تقلیدی عمل معلوم ہوئی۔ اس کے بعد میں نے مختلف مذاہب کا مطالعہ کیا اور قرآن مجید سیرت پاک اور احادیث کا مطالعہ شروع کیا۔ اس مطالعہ میں میرے پیش نظر بے لاگ تحقیق و تنقید تھی اور آخر کار اسی مطالعہ کی بدولت میں نے یہ تسلیم کیا کہ دین حق صرف اسلام ہے، قرآن اللہ کی کتاب ہے، محمد اللہ کے رسول اور آخرت یقینی ہے۔ اسی بنا پر ایک دفعہ ایک تقریر میں جو شاید سنائے بھی ہو چکی ہے میں نے کہا تھا کہ دراصل میں ایک نو مسلم ہوں۔ (احسانات، اردو ڈائجسٹ، رام پور، جنوری، ۱۳۵۸ء)

اب یہاں بنیادی طور سے اہمائی و غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن پاک، سیرت پاک اور احادیث پاک کی کس چیز پر آپ کو تنقید کرنا پیش نظر تھی؟ بظاہر اس کی دو ہی صورت

کچھ میں آتی ہے۔ یا تو براہ راست ان تینوں کے متن اور اصل مضمون پر تنقید پیش نظر تھی، تو اگر یہ صورت ہو تو جناب مودودی صاحب کا ایمان ہی کہاں رہا۔ کیونکہ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب ڈیڑھ سال تک آپ پر مذہبانہ، منافقانہ اور کافرانہ کیفیات طاری تھیں اور ہر چیز میں شک پر لگنا تھا اور اگر کسی کے نزدیک یہ صورت متعین نہیں ہو سکتی تو پھر دوسری صورت یہ ہے کہ جن داسطوں، ذرائع اور رسائل سے قرآن پاک و احادیث شریفہ، وسیرت پاک، وحی و رسالت وغیرہ ان تک پہنچیں ان سلاسل و اسناد پر تنقید پیش نظر تھی۔ جیسا کہ تفہیم ج ۳ ص ۲۴۴ سورہ حج میں احادیث شریفہ پر جرح و قدح کر کے بے اعتما دی کرتے ہوئے آپ ہی تحریر فرماتے ہیں:

”یہ دلائل تو ایک مشکل اور بے لاگ محقق کو بھی مطمئن کر دیں گے کہ یہ قصہ (یعنی حدیث پاک) قطعی غلط ہے۔“

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مشکل اور بے لاگ محقق کون ہیں؟

قارئین کرام! گستاخی معاف کیجئے اور یادگار مودودی نمبر و تفہیم القرآن کے خط کشیدہ ان دونوں جملوں پر خوب سمجھد ہو کر غور فرمائیے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے یا نہیں کہ یہ دونوں جملے ایک ہی شخص کے فکرم و زبان سے نکلے ہوئے ہیں کیونکہ دونوں جگہ بے لاگ محقق، ”ہی“ کا لفظ ہے اسیلئے ہم اس سیاق و سباق و ادب آپ ہی کے بیان کردہ جملوں سے یہ معنی محمول کرنے پر مجبور ہیں کہ تفہیم القرآن کے جملہ ”ایک مشکل“ اور ”بے لاگ محقق“ کے مصداق خود جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہی ہیں۔

یعنی آپ ہی ایک ایسے مشکل اور بے لاگ محقق ہیں جن کو قرآن پاک، سیرت پاک و احادیث پاک کے مطالعہ سے تنقید پیش نظر تھی چنانچہ جب آپ نے اپنے عزم و ارادہ کے مطابق تحقیق کا کام شروع کیا تو تحقیق کرنے کرنے تفہیم القرآن میں اپنے انی الغیر کو تحریری طور سے ثبت فرمایا دیا کہ ”آپ جیسے مشکل اور بے لاگ محقق کے نزدیک اطمینانی کیفیت

کے ساتھ حدیث شریفہ قطعی غلط ہے۔“

اس کے قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جناب مولانا مودودی صاحب کے اس انداز تحقیق و طریقت تنقید سے پورا دین اسلام ہی مجروح ہو کر سب سے اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔

جناب مولانا مودودی پر حقائق و معارف کب کھلے؟

اور اسلام پر کس طرح اطمینان ہوا؟

ابھی بات ختم نہیں ہوئی بلکہ آپ سمجھتے ہیں کہ اپنے جذبہ شوق کے مطابق جب اسلام قرآن و حدیث، وحی، رسالت کی ہر چیز پر تنقید کر ڈالی تو حقائق و معارف کھلتے چلے گئے، بے یقینی کا بخار ڈھل گیا جیسا کہ اس یادگار مودودی نمبر میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ:

”مذہب اور مشکل کی یہ کیفیت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی عربی زبان پر خاصا عبور حاصل تھا، میں نے قرآن و حدیث کا براہ راست مطالعہ شروع کیا، حقائق و معارف کھلتے چلے گئے، بے یقینی کا بخار ڈھل گیا، میں نے دوسرے ایمان کی کتابوں کا بھی مطالعہ کر رکھا تھا، ایمان کے تقابلی مطالعے نے مجھے ایک گونہ اطمینان عطا کیا، دراصل اب میں نے اسلام سوچ سمجھ کر قبول کیا تھا، مجھے اس کی حقانیت پر کامل یقین تھا۔“ (ہامنا محنتات کا یادگار مودودی نمبر)

خط کشیدہ منہول جملوں پر غور کیجئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمان و اسلام کی ہر چیز کو ماننا تو عربی زبان پر خاصا عبور ہونے کی وجہ سے ایمان و اسلام اور قرآن و حدیث کو ماننا تو براہ راست مطالعہ کی وجہ سے، اور ایمان کو ماننا تو دوسرے ایمان کی کتابوں کا تقابلی مطالعہ کی بنیاد پر، آپ کے اس اقرار اور اعتراف تحریر میں اس سوال کا جواب بھی مل گیا اور سب سے بڑی

حقیقت کا سراغ لگ گیا جو اس پوری کتاب میں زیر بحث و عنوان ہے کہ آخر جناب مولانا مودودی صاحب نے قرآن کی تفسیر و تشریح بائبل و یہودی روایات سے کیوں کی؟ ان کے حوالجات کو مستند ترین کیوں تسلیم کیا؟ اس لیے کہ آپ لکھتے ہیں کہ "تفہیم میرے ۵۵ سال مطالعہ کا بخیر ہے اور اس ۵۵ سال میں آپ نے دوسرے ادیان کی کتابوں کا تقابلی مطالعہ بھی کیا ہے۔"

اب سوال یہ ہے کہ وہ دوسرے ادیان کون کون ہیں اور نیز ان دوسرے ادیان کی کتاب میں کون کون سی ہیں؟ تو جواب ملے گا کہ یہی یہود و نصاریٰ اور ان کی اناجیل اور بائبل وغیرہ، سب کو ۵۵ سال میں مطالعہ کر کے ان کے پنچور کا تفہیم القرآن نام رکھ دیا گیا۔

اس کے بعد یہ بات غور طلب ہے کہ دنیا کے مسلمانوں نے کس طرح اسلام کی حقانیت پر یقین حاصل کیا؟ کیونکہ سارے مسلمان ان عالم نے آپ کی طرح سوچ سمجھ کر اسلام قبول نہیں کیا ہے اور نہ ہی تمام مسلمانوں کو عربی زبان پر خاصا عبور حاصل ہے اور نہ ہی مسلمانوں نے قرآن و حدیث کا براہ راست مطالعہ کیا ہے اس لیے کہ ان میں اتنی صلاحیت ہی نہیں اور نہ ہی ان مسلمانوں نے ادیان کا تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ اب معلوم نہیں کہ دنیا کے مسلمانوں کو کس طرح اسلام کی حقانیت پر اطمینان حاصل ہوا ہے اور کس طرح ان کے قلوب اسلام کی حقانیت پر یقین کامل رکھتے ہوں گے اور مسلمانوں نے جو اسلام کی حقانیت پر اطمینان و یقین کامل رکھا ہے تو ان پر جناب مودودی مرحوم کو اعتماد بھی ہے یا نہیں اور ہو گا بھی تو کس طرح ہو گا؟

یہاں یہ سوچ کر قارئین کرام کے ذہن کو ہنسنا احسانات کے یادگار مودودی مبرورہ صلا کی طرف پھر مبذول و متوجہ کر رہا ہوں جس مضمون کو پڑھ کر ایک اور بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

تفہیم القرآن آخر عربی زبان میں کیوں نہیں ہے؟ جبکہ آپ کے لٹریچر کا دنیا کی دو درجن زبانوں میں سے شائع ہو چکا ہے، ماہنامہ احسانات میں ہے:

"مولانا کے لٹریچر کا دنیا کی دو درجن سے زائد زبانوں میں دنیا بھر کے ممالک سے شائع ہو رہا ہے ان کی کتب متعدد ممالک میں نصاب تعلیم میں داخل ہیں اور ان کی نئی اور زیر تعلیم نسل پر گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ عربی زبان میں تفہیم القرآن کے سوا تقریباً پورا لٹریچر شائع ہو رہا ہے۔ انگریزی، فرانسیسی، جرمن، سپانوی، ڈچ اور جاپانی، بھارت کی ہندی سمیت متعدد زبانوں میں لٹریچر دستیاب ہے۔" (احسانات اسلامی اردو انجٹ روم پورہ ۱۵۸)

کیا عربی زبان اس لائق نہیں کہ تفہیم القرآن جیسی کتاب جس کی وجہ تالیف کا ذکر کرتے ہوئے جناب سید مودودی مرحوم سابق مترجمین کے تراجم میں کسر اور غامی کے پہلو نکالنے کے بعد اپنی اس آزاد ترجمانی کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

"لفظی ترجمہ کے طریقے میں کسر اور غامی کے یہی وہ پہلو ہیں جن کی تلافی کرنے کے لیے ترجمانی کا ڈھنگ اختیار کیا ہے۔ میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے سچی اور صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں اسلوب بیان میں ترجمہ پر نہ ہو عربی مبین کی ترجمانی اردو میں مبین میں ہو، تقریر کا ربط و منطقی طریقے سے تحریر کی زبان میں ظاہر ہو اور کلام الہی کا مطلب و دعائیات صاف واضح ہونے کے ساتھ اس کا شہانہ وقار اور زور بیان بھی جہاں تک بس چلے ترجمانی میں منعکس ہو جائے۔" (دربارہ تفہیم ص ۸)



آزاد ترجمانی کو عربی زبان میں منتقل کیا جائے؟ یا بے چارے عرب جہالت ہی اس لائق ہیں ان کو تفہیم جیسی عظیم دولت سے محروم رکھا جائے؟ یا پوری جماعت میں اب کوئی ایسا باصلاحیت مترجم ہی نہیں جو آپ کے ترجمہ اردوئے معین کو عربی معین میں منتقل کر سکے؟ ویسے بہتر تو یہ تھا کہ غرضاب مودودی مرحوم ہی تفہیم القرآن کا اپنی اس اردوئے معین کو عربی معین میں اپنی چٹا ہی میں منتقل فرمادیتے کیونکہ آپ کے قول و تحریر کے مطابق آپ تو عربی زبان میں خاصا عبور بھی رکھتے تھے۔ اگر آپ ایسا کر لیتے یا آپ کے بعد جماعت میں عربی زبان پر خاصا عبور رکھنے والا شخص اس خدمت کو اب انجام دیدے تو بے پر گہرے اثرات مرتب ہوں گے لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ اگر عالم اسلام میں عربوں کے سامنے تفہیم کی اردوئے معین کی آزاد ترجمانی اور اس میں پیش کردہ بائبل سے مستفاد تفسیری حاشیے عربی معین میں آجائیں تو تفہیم کا زین و ضلال اور تمام دوسری داصولی کمزوریاں ظاہر ہو کر جماعت اسلامی کا بھرم کھل جائے اور سارا راز ہی ناشن ہو جائے۔ آخر عربوں کو تفہیم کی مستقر خصوصیات کا کس طرح پتہ چل سکے گا کہ آپ نے اس میں دو خاصہ کے تمام مسائل کے حل پیش کرنے کماں پر کیا کیا کھل کھلائے ہیں؟ ایسے یہ سوال بہر حال حق بجانب اور اٹل ہے کہ آخر تفہیم عربی زبان میں کیوں نہیں؟

**آنکھیں بند کر کے آپ کی پیروی نہ کی جائے** | ایسے میں قارئین کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ اگر بنظر

تحقیق و تنقید آپ کی عقیدت سے بے نیاز ہو کر تفہیم کا مطالعہ کیا جائے تو اس میں درج شدہ اسلامی تعلیمات کے خلاف جملہ باتوں کا آسانی سراخ نکایا جاسکتا ہے۔ لیکن آنکھیں بند کر کے آپ کی پیروی کی جائے گی تو میری ان باتوں سے اتفاق کرنا بہت مشکل ہو گا کیونکہ آپ کا عود ہی اقرار ہے کہ "جس طرح دوسرے انسانوں کے علم و عمل میں کوتاہیاں ہیں اس طرح ان کے علم و عمل میں بھی ہیں۔" اور اتم اخروت تو تفہیم کے بار بار مطالعہ کے بعد اس نتیجہ

پر پہنچا ہے کہ تفہیم کو تفسیر کہنا بالکل بے بنیاد ہے اس لیے کہ اسلامی نقطہ نظر سے اس نقصان غالب ہی نہیں بلکہ اغلب اور نفع مقبوع ہے۔ اس کے مطالعہ کے نتیجے میں ایمان اور اسلام کی جملہ باتوں کو اس بنیاد پر مانا جائے گا کہ جناب مودودی مرحوم کی تحقیق یوں ہی ہے۔ ایسے ایمان و اسلام کو نہیں مانا جائے گا کہ جس پر اگر مصلحت اندر حیلہ و علم سے لے کر آج تک کی سب سے زیادہ جہالتیں پہنچی ہیں ان اسناد و ذرائع پر اعتماد کر کے باتیں مان لی جائیں اور یہ سب سے زیادہ خطرناک چیز ہے۔ چنانچہ ماہنامہ احسانت کے یادگار مودودی نمبر میں ہے کہ:

"بھائیو! مجھے علم میں کامل ہونے کا دعویٰ ہے نہ عمل میں کامل ہونے کا میں تو گناہوں کی دنیا سے جاگ کر یہاں پناہ لینے آیا ہوں تاکہ یہاں مجھے اپنی اصلاح کرنے کا اور پورا مسلمان بن جانے کا موقع مل جائے جس طرح دوسرے انسانوں کے علم و عمل میں کوتاہیاں ہیں اسی طرح میرے علم و عمل میں بھی ہیں ایسے میں کبھی یہ نہ چاہوں گا کہ تم آنکھیں بند کر کے میری پیروی کرو۔"

(احسانت اسلامی اردو ڈائجسٹ، رام پور۔ جنوری ۱۹۸۱ء)

یہاں اگر براہ راست صاف صاف بغیر کسی دوسرے پر تنقید و تقریر کے جناب مودودی مرحوم صریح اپنی ذات کے بارے میں کہتے کہ میرے علم و عمل میں کوتاہیاں ہیں تو یہ کتنی شاندار اور عمدہ بات ہوتی۔ مگر آپ سے اپنے عمل و علم کی کوتاہیوں کا اقرار اس وقت تک نہیں ہو سکتا ہے جب تک آپ دوسرے انسانوں کے علم و عمل میں کوتاہیاں دیکھ کر تنقید نہ کر لیں۔ نمونہ کے طور پر اس کتاب میں پیش کی گئیں آپ کی تحریرات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح آپ نے محدثین کی اسناد و روایات، راویوں کی ثقافت اور طریقہ روایت میں کوتاہیاں لے نکالی ہیں۔ دانشا عالم کہ اس میں آپ کی کون سی مصلحت پوشیدہ ہے؟ آپ کا کون سا راز چھپا ہوا ہے؟ کہ آپ تفسیر کے جن اصولوں کی پیروی کرتے ہیں ان کو مختلف آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ درج کرتے ہیں۔ قارئین کرام

زیل میں ماہنامہ احسانات کے یادگار مودودی نمبر سے اس صفحہ کو ملاحظہ فرمائیں :  
 " میں نے اپنی سوالات میں لکھا تھا۔ تفہیم القرآن تکمل کرنے کے دوران  
 اس کے معنی میں درج قرآن لمبی کے اصولوں کے علاوہ کوئی مزید اصول  
 آپ پر منکشف ہوئے ہیں ؟

مولانا نے فرمایا :

" تفہیم القرآن کے مقدمہ میں قرآن نہیں کے جو اصول میں نے بیان کیے ہیں  
 صرف ایک عام تاثر کی ضروریات کو محسوس کر کے اس کے مطابق مختصر لکھے ہوئے  
 ہیں ورنہ اگر اصول تفسیر پر بحث کی جاتی تو وہ خود ایک مستقل کتاب بن جاتی ۔  
 تفسیر کے جن اصولوں کی میں پیردی کرتا ہوں ان کو میں نے تفہیم میں مختلف  
 آیات کی تفسیر کرتے ہوئے کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ  
 درج کر دی ہے ۔ "

(احسانات اسلامی اردو ڈائجسٹ، رام پور، جنوری، سنہ ۲۶)

والہم بحروف کے خیال میں آپ اس لیے ایسا کرتے ہیں تاکہ آسانی آپ کی گرفت  
 نہ کی جاسکے، اسی لیے آپ نے تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ پر جرح و دفع  
 اور بائبل کو مستند مانتے ہوئے اس بائبل کی تعریف آیات قرآنی کی اُس سے

تفسیر و تشریح وغیرہ ایک جگہ کرنے کے بجائے تفہیم کے مختلف صفحات میں کہیں اختصار  
 کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ درج کر دی ہیں جن کو بفضلہ تعالیٰ بڑی محنت کر کے تفہیم کے چھ حصوں  
 کے ہر صفحہ سے تلاش کر کے تاریخیں کر لیں کی سہولت کی خاطر اس کتاب میں پیش کرنے کی جہر  
 کو شیش کی ہے تاکہ سب کے سامنے آپ کی غلطیاں واضح ہو جائیں اور جناب مولانا مودودی  
 کی کہیں اختصار کے ساتھ اور کہیں تفصیل کے ساتھ علاحدہ علاحدہ مقامات پر الگ الگ بیان کی  
 جلال کی دہوشیاری کی حقیقت بھی کھل جائے ۔

## آیت اللہ خمینی اور شیعہ علماء و سے آپ کے تعلقات

میں سے ہم نے آپ کے اسلامی مزاج اور دینی احوال کو جاننے کی کوشش کی تو الموع  
 بدخند با قوا اس کے اصول کے تحت پچھلی تمام باتوں کی طرح یہ بات بھی بایہ ثبوت کو پہنچ  
 چکی کہ آپ کے تعلقات کن کن لوگوں سے تھے ؟ اور کن کن لوگوں کے کام کو آپ نے اپنے دل  
 کی دھڑکن سمجھا ہے ؟ اور کن کن لوگوں کی تائید و حمایت میں آپ نے بہت رول ادا کیا ہے ؟  
 ان سوالوں کے جوابات اگر کسی دوسرے کی طرف سے دیئے جاتے تو کہا جاسکتا تھا کہ تعصب کی  
 بنا پر آپ پر اقرار برداریاں کر کے الزام و بہتان لگایا گیا ہے مگر یادگار مودودی نمبر کے اس صفحہ  
 یعنی گورٹھ جلیے اس میں صاف صاف یہ باتیں لکھی ہیں کہ :

۱۔ لاهور کے شیعہ ایمان حیدر کرار بڑی تعداد میں شرکت کے لیے آئے تھے ان میں سے  
 تین چار شیعہ علماء کے نام بھی بیان مذکور ہیں ۔

۲۔ ان حضرات سے معلوم ہوا کہ مولانا مودودی مرحوم اور ایران کے آیت اللہ خمینی سے  
 بہت پُرانے تعلقات تھے ۔

۳۔ جب شاہ ایران نے آیت اللہ خمینی کو دیش سے نکالا تو عراق میں انہیں پناہ دلانے  
 میں آپ نے خاموشی سے بہت اہم رول ادا کیا تھا ۔

۴۔ مولانا مودودی مرحوم نے کہا تھا کہ ایران کا انقلاب میرے دل کی دھڑکن ہے ۔

" لاهور کے شیعہ ایمان حیدر کرار بڑی تعداد میں نمازیں شرکت کے لیے آئے  
 تھے ان میں آقا مرتضیٰ پوریا، مولانا علی غضنفر اور مولانا ابوالحسن خراسانی قابل ذکر  
 ہیں، نمازیں مصر کے شہید مرشد دعاء کے صاحبزادے ڈاکٹر سیف الاسلام  
 بھی شامل تھے ۔

ان حضرات سے معلوم ہوا کہ مولانا اور ایران کے مولانا آیت اللہ خمینی سے بہت

پر اسے تعلقات تھے۔ جب شاہ ایران نے آیت اللہ کو دیش نکال دیا تو عراق میں انھیں پناہ دلانے میں مولانا مودودی نے خاموشی سے بہت اہم رول ادا کیا ہے تھا۔ مولانا نے امریکہ جاتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ اگر میری صحت اجازت دیتی تو میں ایران ضرور نکلتا۔ ایران کا انقلاب میرے دل کی دھڑکن ہے۔“

(الحسنات اسلامیہ اردو ڈائجسٹ رام پور۔ جنوری ۱۹۸۴ء)

ہمارے معزز قارئین کرام! ایک حدیث پاک ہے: **عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الرَّحْلُ عَلَى دَيْنٍ خَلِيلٌ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مِنْ يَحَالِ كَرَادِي كَيْ دِينُهُ لِي كَوَيْدِ كَهْنَاهُ تَوَأَمَكَ وَدُرَّتْ دَابَّاهُ دَكَّهَا يَجَابِلُهُ** اس حدیث پاک کی روشنی میں ہمیں جناب مولانا مودودی مرحوم کے مزاج و احوال کا پتہ چل گیا اور خاص طور پر یہ بات سمجھ میں آگئی کہ آپ کی تحریرات میں شیعوں کا عنصر بھی غالب طور پر کیوں پایا جاتا ہے؟ اور کئی عقائد (تخریفات قرآن، بغض صحابہ، سلف صالحین کو گمراہ قرار دینا، تنوع، تفریق) میں شیعوں سے کیوں متفق ہیں؟

مثلاً مودودین کی تفسیر کرتے ہوئے تفہیم ۶ ص ۲۵۵ میں اپنی علمی تحقیق کیلئے اچھا بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس سے شیعوں کے مسلک کی ترجمانی تو ہوتی ہے کہ العیاذ باللہ عنہم قرآن کی بات صحیح معلوم ہونے لگتی ہے اسی طرح آپ کی اس علمی تحقیق سے مسکین حدیث کو بھی فائدہ پہونچ گیا مگر عام انسان کو نہیں۔ کیونکہ آپ حدیث کے مقابلہ میں تاریخ و دیگرہ کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ احادیث شریفہ نص قطعی کا درجہ رکھتی ہیں جبکہ تاریخ کو یہ درجہ کبھی بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔

پھر جناب سید مودودی صاحب احادیث کو باہم متضاد بھی مانتے ہیں حالانکہ تاریخ میں کذب بیانی اور بیانی غلط بیانی، تضاد و تضاد اور زبردست تشدید اختلافات ہیں وہ بیان سے باہر ہیں اس کا عشر عشر بھی احادیث میں باہم تضاد نہیں۔ اس کے باوجود مودودی صاحب احادیث کو متضاد مان کر تاریخ پر بہر حال اعتبار و اعتماد کر دیتے ہیں۔

اس پر متناہی انوس کیا جائے حکم ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کے واقعہ کو تاریخی حیثیت سے سمجھنا ثابت مانتے ہیں مگر احادیث شریفہ اور روایات کی بنیاد پر نہیں مانتے۔ لیکن اس طویل بحث سے عوام کو کیا فائدہ پہونچا جس کو آپ نے تفہیم میں چھڑ دیا۔ یہ بحث تو بہر حال عوام کی رسائی سے باہر کی چیز ہے۔

اس مودودین کی بحث میں ص ۲۵۵ پر آپ نے صفات طہر پر لکھا ہے کہ العیاذ باللہ عنہم حضرات صحابہ کو خطا کار اور غلط بھی کہہ سکتے ہیں اور جو لوگ حضرات صحابہ کو ایسا نہیں کہتے ہیں ان کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ یہ ان کی بے جا حرکت ہے۔ تم العیاذ باللہ۔

قارئین بتلائیں کہ آپ میں اور شیعوں میں کیا فرق ہے؟ سو اس کے کہ آپ ظالم اور شیعوں کی ظالم ہیں جیسا کہ آپ نے آگے کی سطروں میں لکھا بھی ہے کہ البتہ سخت ظالم ہو گا وہ شخص جو غلط کو غلط کہنے سے آگے بڑھ کر ان پر زبان طعن دراز کرے۔ یہاں مودودی صاحب نے صراحت نہیں کی کہ مفسرین و محدثین نے حضرت عبداللہ بن مسعود کی رائے کو غلط کہا ہے میں بھی یہاں یہ نہیں کہتا کہ مودودی صاحب ایک صحابی کو غلط بتلا کر سخت کافر یا یہودی یا نصرانی ہو گئے البتہ شیعوں کی صف میں ضرور کھڑے نظر آ رہے ہیں۔

اس مضمون میں کچھ ہی سطروں کے بعد قدیم و جدید زمانہ کے بہت سے عقلیت پسندوں کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے اپنے اصول و معمول کے مطابق احادیث شریفہ سے آپ نے بے اعتمادی بھی کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ”احادیث قرآن پاک سے متضاد ہیں“ از قبیل ”سرور ان حدیث دیگران“ مودودی مرحوم نے اس انداز سے یہ تحریر لکھنے کی کوشش کی ہے کہ ان کی اصل تصویر بچانی زچا کے کردہ خود بھی عقلیت پسندوں میں داخل ہیں۔ نہیں! اس کے بعد احادیث کی تحقیق کیلئے آپ نے ضروری مشورہ دیا ہے کہ مستند تاریخی روایات سے اس کو دیکھا جائے اور اسپر تین سوالات قائم کرنے کے بعد آپ نے پھر دوبارہ مشورہ دیا ہے



کہ جو کچھ تاریخ سے ثابت ہے اس پر وہ اعتراضات جو حدیث پر کیے گئے ہیں وارد بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ پھر قرون اولیٰ کے مسلمان علماء کی راستبازی کے عنوان سے آپ نے حدیث پاک کے مقابلہ میں تاریخ کی حقیقت و اہمیت بٹھانے کی کوشش کی ہے کہ "نہایت مستند اور کثیر تاریخی ذرائع سے اگر کوئی بات ثابت ہو تو اس تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے مان لینا چاہیے۔" اور یہ بھی مشورہ دیا ہے کہ تاریخ کے مان لینے سے "اس بات کی پروا نہیں کرنی چاہیے کہ شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے اور قلاں قلاں تباہتیں رونما ہوتی ہیں۔"

پھر آپ نے محدثین کبار کے نام کی صراحتوں کے ساتھ ان کی مختلف اور کثیر التعداد سندوں سے نقل شدہ مضمون حدیث جو تواتر کی حد کو پہنچا ہوا ہے اس کے متعلق جرح و قطع کیا ہے کہ اگر جبہ ایک روایت بھلے خود خبر واحد ہے پھر ان کو مجموعی طور پر تمام روایات سے مرتب کر کے ایک موطوۃ جمعہ کی صورت میں اپنی تعلیم میں درج کر کے اپنی علمی تحقیق کیلئے پھان بین کرنے کا ثبوت پیش کیا ہے۔

اب ہم نمبر دار عبارات تفہیم کو ابھارنے کیلئے علی الترتیب نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارے دعوے کو ثبوت مل جائے۔

۱۔ "اس مقام پر اگر آدمی کچھ غور کرے تو اس کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آ سکتی ہے کہ صحابہ کرام کو بے غلط سمجھنا اور ان کی کسی بات کے لیے غلط کالغظ ستے ہی تو بین صحابہ کا ضرور چار وینا کس قدر بے جا حرکت ہے۔"

۲۔ "یہاں آپ دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود جیسے علیل الف و صحابی قرآن کی دو سورتوں کے بارے میں کتنی بڑی چوٹ ہو گئی۔"

۳۔ "ایسی چوٹ اگر اتنے عظیم مرتبہ صحابی سے ہو سکتی ہے تو دوسرے سے بھی کوئی چوٹ ہو جانی ممکن ہے۔"

۴۔ "ہم علمی تحقیق کے لیے اس کی چھان بین بھی کر سکتے ہیں اور کسی صحابی کو کوئی بات یا چند باتیں غلط ہوں تو انھیں غلط بھی کہہ سکتے ہیں۔"

۵۔ "البتہ سخت ظالم ہو گا وہ شخص جو غلط کو غلط کہنے سے آگے بڑھ کر ان پر زبان طعن دراز کرے۔"

۶۔ "انہی موعودین کے بارے میں مفسرین و محدثین نے ابن مسعود کی رائے کو غلط کہا ہے۔"

۷۔ "مگر کسی نے بھی یہ کہنے کی جرات نہیں کی کہ قرآن کی دو سورتوں کا انکار کر کے معاذ اللہ وہ کافر ہو گئے تھے۔"

تاریخ کرام! یہاں تک تو حضرت عبداللہ بن مسعود کی مودودی صاحب نے کردار کشی کی ہے اب ہم اس سے اگلی عبارات اسی طرح نمبر دار علی الترتیب نقل کرتے ہیں جن سے احادیث غریبہ سے مودودی صاحب کی بے اعتمادی ثابت ہوگی۔ آپ خود سے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ "دوسرا سلسلہ جو ان سورتوں کے معاملہ میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ روایات کی رو سے حضور پر جادو کیا گیا تھا۔"

۲۔ "اس پر قدیم و جدید زمانے کے بہت سے عقلیت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایات مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے۔"

۳۔ "کیونکہ اگر نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا تھا اور ان روایات کی رو سے ہو گیا تھا تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مخالفین نے جادو کے زور پر نبی سے کیا کیا اگھلایا اور کدایا ہوا۔ الخ۔"

۴۔ "ان عقلیت پسندوں کا استدلال یہ بھی ہے کہ احادیث قرآن مجید سے متصادم ہیں (خود مودودی صاحب بھی ان عقلیت پسندوں میں ہیں) اگر انہیں ہیں تو کیوں ان کلمے

وکالت کر رہے ہیں؟

۵۔ "مگر یہ احادیث کھلم کے الزام کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی نبی پر جادو کا اثر ہوا تھا۔"

ہوتی ہیں۔" (یعنی ساری کی ساری شریعت ہی مشتبہ ہو جاتی ہے وغیرہ وغیرہ)  
 "اور نہ ہی درست ہے کہ مثنیٰ بات تاریخ سے ثابت ہے اس کو قیاسات کے گھوڑے  
 دوڑا کر (مودودی صاحب کی طرح) اس کی اصل حد سے پھیلانے اور بڑھانے کی  
 کوشش کرے۔"

"اس کے بجائے اس کا (مودودی صاحب کا) کام یہ ہے کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت  
 سے مان لے اور پھر دیکھے کہ اس سے نئی الواقع کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا؟  
 (یعنی تاریخ کو مان لے چاہے ساری شریعت مشتبہ ہو جاتی ہو۔ الیاذ باللہ)

قارئین کرام دھوکہ اور غلط فہمی کا شکار نہ ہوں کہ مودودی صاحب  
 احادیث و روایات کو نقل کرتے ہیں

۱۔ "جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کا واقعہ  
 قطعی طور پر ثابت ہے اور علمی تنقید سے اس کو اگر غلط ثابت کیا جاسکتا ہو تو پھر دنیا کا  
 کوئی تاریخی واقعہ بھی صحیح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔"

۲۔ "اے حضرت عائشہؓ حضرت زید بن ارقمؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بخاری  
 مسلم نسائی ابن ماجہ امام احمد عبدالرزاق صحیح ابی یوسف طبرانی ابن سعد  
 ابن مردیہ ابن ابی شیبہ حاکم عبد بن حمزہ وغیرہ محدثین نے اتنی مختلف اور  
 کثیر التعداد سندوں سے نقل کیا ہے کہ اس کا مضمون تو اتنی ہی مدد کو پہنچا ہوا ہے۔"  
 ۳۔ "اگرچہ ایک ایک روایت بچانے کو ضرور واحد ہے۔"

۴۔ "اس کی تفصیلات جو روایات میں آئی ہیں انھیں ہم مجموعی طور پر تمام روایات سے ترتیب  
 کر کے ایک مربوط واقعہ کی صورت میں یہاں درج کرتے ہیں۔"

قارئین کرام! اب احادیث شریفہ کی تحقیق کے لیے جناب سید مودودی صاحب  
 اپنی ہر اے دی ہے اور تین سوالات کیے ہیں کہ مندرجہ ذیل سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ کیا  
 درحقیقت مستند تاریخی روایات کی روش سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہؐ پر جادو کا اثر تھا اگر  
 تھا تو وہ کیا تھا اور کس حد تک تھا؟ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ جو کچھ تاریخ سے ثابت  
 اس پر وہ اعتراضات بھی وارد ہوتے ہیں یا نہیں جو احادیث پر نہ کیے گئے ہیں۔

## قرون اولیٰ کے مسلمان علماء کی انتہائی راستبازی کے عنوان سے احادیث شریفہ کے مقابلہ میں تاریخ کی اہمیت

۱۔ "انہوں نے اپنے خیالات اور اپنے معومات کے مطابق تاریخ کو مسخ کرنے یا  
 پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔"

۲۔ "بلکہ جو کچھ تاریخی طور پر ثابت تھا اسے جوں کا توں بعد کی نسلوں تک پہنچا دیا۔"  
 ۳۔ "اور اس بات کی کوئی پردہ نہیں کی کہ ان حقائق سے اگر کوئی اُلٹے (مودودی  
 صاحب کی طرح) نتائج نکالنے پر اتر آئے تو ان کا فرائض کردہ یہ مواد کس طرح اس کے  
 کام آسکتا ہے۔"

(قارئین کرام! جناب مودودی صاحب نے یہاں پر قرون اولیٰ کے مسلمان علماء کی راست  
 اداں کا بھولا پن بھی بیان کر دیا مگر موجودہ علماء کرام کے متعلق کچھ نہیں بیان کیا۔ غالب  
 اس لیے کہ موجودہ حضرات علماء کرام میں آپ کے خیال و دعوے کے مطابق یہ راستبازی نہ ہوگی  
 ۴۔ "اب اگر ایک بات نہایت مستند اور کثیر تاریخی ذرائع سے ثابت ہو تو کسی دیندار

صاحب علم کے لیے (مودودی صاحب کی طرح) نہ تو یہ درست ہے کہ اس بنا پر تلاطم  
 کا انکار کر دے کہ اس کو مان لینے سے اس کے نزدیک فلاں فلاں قباخیں رونے

قارئین کرام! معوذتین کے متعلق احادیث اور روایات کو قرآن سے متصادم بتلا کر ان سے بے اعتمادی کرنے کے بعد واضح رہے کہ اب تاریخی حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کے اثر کو مودودی صاحب مانتے ہیں اور نہیں مانتے ہیں تو احادیث شریفہ اور محدثین کے بیان کردہ اسناد کی بنیاد پر نہیں مانتے۔

یہاں پر چودہ محدثین کی سندوں سے نقل شدہ روایات پر اعتماد اس لیے ہے کہ تاریخی حیثیت سے ان کا ثبوت ہو رہا ہے اور اگر مودودی صاحب کے نزدیک تاریخی حیثیت سے ان کا ثبوت نہ ہو تا تو ان کثیر القداد سندوں والی روایت پر بھی آپ کو کبھی بھی اعتماد نہ ہوتا۔ اب ہمارے قارئین دھوکہ میں نہ پڑ جائیں اور کسی بھی غلط فہمی کے شکار نہ ہو جائیں کہ آپ احادیث و روایات درج کی ہیں اگر آپ کو ان پر اعتماد نہیں تھا تو مجموعی طور پر تمام روایات یہاں کیوں درج کریں؟

**اصل بات یہ ہے** کہ آپ نے ان ہی روایات کو درج کیا ہے جن کا آپ کے دینی پیدادار کے مطابق تاریخ سے ثبوت ہے۔ ایسی روایات پر بظاہر آپ اعتماد کا مظاہرہ کرتے ہیں اور آپ کو جن روایات کا ثبوت تاریخ سے نہیں ملتا آپ ان احادیث شریفہ پر اعتماد نہیں کرتے تو اصل آپ کے نزدیک تاریخ ہوئی نہ کہ احادیث شریفہ۔ اسی لیے اصولی طور پر یہ بات ہمیشہ یاد رکھنے کی ہے کہ آپ جہاں بھی احادیث بیان کرتے ہیں ان سے صہرت اپنی ذہنی پیدادار کی تائید کیلئے استدلال کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور طریقہ آپ اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ کوئی ظاہر بین ناواقف انسان آپ کے متعلق احادیث پاک سے عدم اعتماد کا مشبہ بھی نہ کر سکے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ احادیث شریفہ روایات کے درج کرنے کی بنیاد کیا ہے؟ کس میں منظر میں آپ احادیث پاک کو ذکر کرتے ہیں؟ کیا تمام انتہا کی طرح واقفہ آپ کو بھی محدثین کی سندوں پر اعتماد ہے؟ ایسے خوب اچھی طرح سے سمجھ لینا چاہیے کہ احادیث شریفہ کو درج جسے آپ درج کرتے ہیں

۱۔ یا تو ان احادیث کی تائید آپ کے نزدیک تاریخی اعتبار سے ہوتی ہوگی ۲۔ یا مودودی صاحب کو اپنے قائم کردہ کسی بھی خیال و رائے کے مطابق وہ احادیث شریفہ ملی ہوں گی۔ تب عام کے احادیث پاک آپ نقل کرتے ہیں۔ لہذا ان دونوں صورتوں میں اصل احادیث پاک نہیں ٹھہریں بلکہ تاریخ اور آپ کی مخصوص ذہنیت اصل بنیاد قرار پائیں۔ اور اگر ان دونوں باتوں کے علاوہ کہیں بھی آپ نے احادیث پاک پر اور محدثین کے بیان کردہ اسناد پر اعتماد کیا ہو تو ان کی نشاندہی کی جائے، انشاء اللہ گرفتہ رانام کے مستحق ہوں گے۔

اب ظاہر ہے کہ یہ آپ کی تحریروں کے ذہن و دماغ کو کیا خاک پسیل کرے گی؟ عوام کو اس سے فائدہ پہونچنے کا قصور ایسا ہی بے سود و ناممکن ہے جیسے ہڈی میں سے خون نکالنے کی کوشش کرنا بے سود اور ناممکن ہے۔ ہاں آپ کی ان تحریروں سے فضیول کو اور مشرکین حدیث کو فائدہ پہونچے گا جس کا ہم نے پہلے بھی انکار نہیں کیا ہے۔

**کیا مولانا مودودی کے دینی و علمی مخالفین کا حشر و انجام بھی عبرت ناک ہو گا؟**  
(اشارے ہی اشارے میں دھمکی)

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جن جن لوگوں نے مولانا کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا ان میں سے بیشتر تو اللہ کے عذاب سے اس دنیا ہی میں سزا کیے گئے اور کچھ ایسے بھی تھے جن کو بعد میں مولانا کی تائید و حمایت کا سہارا لینا پڑا اور ادھر سے ایک لمحے کا توقف بھی نہ ہوا، وہی گرجو شہی نہی سیٹے کی کشادگی اور وہی خوش مزاجی جو اپنے رفیقوں کے لیے عام تھی ان کے لیے بھی فرداں، جہاں ایک عہد میں ظالم تھے اور دوسرے عہد میں مظلوم بن گئے تھے۔

مولانا کی پہلی گرفتاری ۱۹۴۸ء میں ہوئی اس وقت پنجاب میں دولتانہ اور ممدوٹ پھیلے ہوئے تھے بعد میں یہ دونوں سیاست دان مولانا کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور ہوئے۔ گوہر



جنرل ملک غلام محمد نے اسلام کو رسوا کرنا چاہا اور ان لوگوں کو ڈک پہنچانے کے مکرو فریب سے کام لیا جو پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنا چاہتے تھے، قدرت نے اسے عبرت ناک انجام سے دوچار کیا۔ سکندر مرزا نے مذہب کے خلاف زبردست ہم شروع کر دی تھی اس نے مولانا مودودی پر بھی بے سوچاؤ الزام لگائے تھے، اسکو بھی ذلت آمیز طریقے سے اقتدار کو خیر باد کہنا پڑا۔ ایوب خان کے عہد میں نواب کا لایا غ نے جماعت اسلامی پر غنڈوں سے حملہ کروایا اور ان کی ہر پردہ مدد کی وہ بھی کیفر کرہ کو پہنچا۔ شیخ نجیب الرحمن نے پٹن میدان میں جماعت اسلامی کے ساتھ ظالمانہ اور بیہیاد سلوک کیا، اللہ تعالیٰ نے اسے بڑی ہی عبرت ناک سزا دی۔ مشر بھیٹو اسلام کے دشمن اور مولانا مودودی کے سخت مخالف تھے انہوں نے ہر موقع پر عنعنہ خوار واد کیا اور تہذیب و شان سنگی کے وہ سارے ہی بند توڑ ڈالے، ان کا حشر بھی وہی ہوا جو اللہ کے دین کے ساتھ کھلا اور سنگین مذاق کرنے والوں کا ہوتا ہے۔“

(الحسنات اسلامی اردو ڈائجسٹ۔ رام پور سنہ ۱۳۸۵ھ)  
چھ سات آدمیوں کی نام کی صراحت کے ساتھ ان کے واقعات بتلا کر یا گو کہ مودودی غیر کے اس صلا میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ جناب مولانا مودودی کے سیاسی مخالفین کا کس قدر خطرناک انجام ہوا اگر ایک نام بھی اس میں ایسا نہیں پیش کیا گیا اور نہ ہی انشاء اللہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ آپ پر دینی و علمی لحاظ سے تنقید کرنے والے مخالفین کا انجام بھی بڑا ہوا ہو۔ حالانکہ آپ کے دینی مخالفین کی فہرست طویل ہوتا سب کو معلوم ہے۔ میرے خیال میں فاضل مضمون نگار نے انشاء ہی اشارہ میں دھمکی دینے کی کوشش کی ہے کہ خبردار! آپ کے دینی و علمی مخالفین کا بھی حشر و انجام اسی طرح انتہائی خطرناک ہوگا۔ اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو ان شخصیات اور سیاسی مخالفین کا جو حشر ہوا اسی طرح دینی مخالفین کے عبرت ناک انجام سے باخبر کر دیجئے تاکہ اسکو پڑھ کر یا سنکر آئندہ کبھی بھی کسی فرد یا جماعت کو آپ کی ہر طرح کی کوتاہیوں، علمی غلطیوں اور کمزوریوں پر تنقید کرنے کی جرات و جسارت نہ کرنی پڑے۔

تفسیر محمود ویرند موم کا معیار کیا ہے | منایل العرفان منہ میں علامہ زرقانی فرماتے ہیں:

”تفسیر الصحابة والتابعين وتفسير الذين اعتقدوا على اقوال الصحابة والتابعين بالاسانيد الصحيحة وتفسير اهل الراي الموافق للدين جمعوا ما بين الماثور الصحيح مع حديث اسانيد وبين اراءهم العلمية والمعتدلة كل هذه الثلاثة من التفسير المحمود وتفسير اهل الاهواء والبدع وحكمه انه من موم فما وافق وجه الصواب وكان بمناع عن البدع والاهواء فهو محمود وما تورط منها في الخطاء وتحبط في الاهواء والبدع فهو من موم. وهو الفیصل الذی یطلب ان یحکمہ ونزن کل تفسیر بہ فمادحہ فی ہذا المیزان قبلنا وحمدنا وما طاش رفضنا وذممتنا“

ترجمانی و مفہوم ۱

۱۔ صحابہ و تابعین کی تفسیر ۲۔ اسی طرح منہ میں علامہ زرقانی فرماتے ہیں: ۳۔ نیز ان اہل الرائی کی تفسیر جنہوں نے حدیث صحیح کو حذف و سند کے ساتھ جمع کرنے کے بعد پورے اعتدال سے اپنی علمی رائے کا اظہار کیا ہو، یعنی کسی بھی دوسرے مفسر کی تنقیص نہ کی ہو تو یہ تینوں قسم کی تفسیر محمود ہے اور جس تفسیر میں خواہشات نفسانی اور بدعات بھری ہوں نیز اپنے ذاتی قیاسات سے مجبوبات کو اس پر کو تفسیر کی گئی ہو تو اس قسم کی تفسیر تفسیر مذموم ہوگی۔ یہی وہ قول فیصل ہے جس کے ذریعے ہم دونوں تفسیروں کے درمیان محاکمہ کریں اور اسی قول فیصل سے ہر تفسیر کا موازنہ کریں گے۔ جس مفسر کی تفسیر اس میزان

پر پوری پوری اترے گی ہم اس تفسیر کو قبول کریں گے اس تفسیر کی تعلیل کریں گے اور جس کی تفسیر اس قولِ عیسیٰ کے خلاف ہوگی ہم اس تفسیر کی مذمت کریں گے ایسی تفسیر کی بہر حال تردید کی جیائی

## تفہیم القرآن کا شرعی حکم

قارئین کرام کی خدمت میں فتاویٰ محمودیہ اندونائی نظامیہ سے منسلک نقل کرتے ہیں کہ تفہیم کا حکم کیا ہے؟ وہ کس قسم میں ہے؟ اور کیا تفہیم القرآن کو تفسیر القرآن کہنا جائز ہے یا نہیں؟ (موردی صاحب کی تفسیر مجمع ہے یا نہیں؟)

اجواب:

موردی صاحب کی تفسیر تفہیم القرآن میں بہت سی چیزیں جمہور اہل سنت و جماعت کے مسلک کے خلاف ہیں۔ حائزہ المسلمین کو اس کا پڑھنا یا سننا اعتقادی اور اعلیٰ گرامی و غلطی کا موجب بن سکتا ہے اس لیے اس سے پرہیز لازم ہے ہاں جو حضرات اہل علم ہیں، منتخب و سنت کا علم باقاعدہ معتمد اساتذہ سے حاصل کر کے اسپرکسٹھ کام رکھتے ہیں اور مجمع و غلط میں تیز کرنے کا ان کو ملکہ و اسوہ حاصل ہے ان کے لیے مضر نہیں۔

اور تفہیم القرآن میں حضرت ابوشامہ علیہ السلام پر بھی سخت تخریجی تنقید کی ہے۔ موردی صاحب تخریجی تنقید کے زور میں وہ چیزیں بھی اپنالیتے ہیں جن کو اہل باطل نے اختیار کیا ہے۔

کبھی ان کی تخریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوارج کی مغل میں ہیں اور ان کی تائید کر رہے ہیں اور جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی تھیں ان کو مسلمانوں پر اور ان کے مقتداؤں پر چسپاں کر رہے ہیں۔ کبھی خیال آتا ہے کہ روافض کی مجلس میں ہیں اور خلفاء راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرام کی ذواتِ مقدسہ میں

کیزے ڈال رہے ہیں کہیں تصور ہوتا ہے کہ مزیائوں کے دربار میں ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفیع جسمانی کو عقیدہ تثلیث سے مربوط کر رہے ہیں کہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ معتزلہ کی ہنگامہ آرائیوں میں گنہگار مسلمانوں کو ایمان سے خالی ہونے کا نوٹس دے رہے ہیں اور جہاں جس مقصد کے لیے مناسب سمجھتے ہیں اپنی فہم کے مطابق کسی آیت یا حدیث یا کسی قول کا بھی سہارا لے لیتے ہیں تاکہ دیکھنے والا سمجھنے کر ان کو توحیدیت سے بھی تعلق ہے اور کسی قول سے بھی استدلال کر لیتے ہیں۔ خدا ہے پاک ان کو ہدایت دے اور ان کی گمراہیوں کو ان پر واضح فرما کر توبہ کرنے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دے اور جتنی گمراہی ان کے ذریعہ سے پھیلی ہے اس کی اصلاح کی بھی توفیق دے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم  
حررہ العبد محمود غفرلہ

حضرت اساذی مفتی نظام الدین صاحب زید مجدہ اپنے فتاویٰ نظامیہ اندونیشیا میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

## تفہیم القرآن کو تفسیر القرآن کہنا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ حضرت مولانا ابوالاعلیٰ موردی صاحب کی کتاب تفہیم القرآن کو لوگوں کو عام طور سے مسابد میں سنائی جاتی ہے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں بہت سی غلط اور گمراہ کن باتیں ہیں ان سے خود بھی بچنا اور لوگوں کو بچانا بھی واجب و ضروری ہے جو شق جواز یا عدم جواز کی بیان کی جائے دلائل و مفصل بیان کی جائے۔

المستفتی مولوی عاشق الہی گورکھپوری ۱۵/۱۲/۱۴۲۱ھ

اجواب: تقاضا تو یہ تھا کہ تفسیر میں احادیث کو مقدم کرتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انجیل

کے بعض اجزاء مثلاً یونقا، یوحنا، متی وغیرہ کے بیانات کو زیادہ مستتر قرار دے کر ان کو ترجیح دیتے ہوئے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے تفسیر کا جزو بنادالا۔ جس کا بھی چاہے تفہیم القرآن ج ۱ ص ۲۴۶ سے ص ۲۵۲ تک میں دیکھ لے، حالانکہ ان چیزوں کی تحریف کا تسلیم کرنا بار بار ہو چکا ہے اور مسلم ہے اور ان ہی کی باتوں کا اعتبار کر کے تفسیر بالرائی کر ڈالی ہے اور تفسیر بالرائی پر جو وعید ہے اس کے الفاظ بعینہ یہ ہیں من قال فی القرآن ہی لیم خلیتہم اہمقعدہ من النار (مشکوٰۃ ص ۲۳۷ کتاب العلم) اس کی بھی پروا نہیں کی۔ لہذا اس کتاب تفہیم القرآن کے سنے سننے سے خود بھی بچنا واجب ہے اور آئندہ نسل کو بھی بچانا واجب ہے۔ اس لیے ایک تصنیف یا کتاب کو تفسیر قرآن کیسے کہا جاسکتا ہے کیونکہ تفسیر کے معنی میں ابانۃ مراد البادی تعالیٰ ص ۱۷۱ علیہ علیہ القرآن صراحتہ مثلاً اذا قرأنا لہ فاتبع قرآنہ ثم ان علینا بیانہ اس کا کھلا ہوا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ہم قرآن آپ پر پڑھیں تو آپ پوری توجہ سے سنے میں لگ جائیے اس کے یاد کرنے اور سمجھنے کی طرف توجہ نہ فرمائیے، سن لیتے کے بعد اس کی تمام باتوں کا بیان کرنا ہمارے ذمہ ہے مگر آپ نے قرآن میں بھی ہم نے خود بھی بیان کیا ہے اور اس کے حقائق و دقائق کو اور اپنی مرادوں کو نئی نئی صلی علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بھی بیان کر لیا ہے اور اسی طرح آپ کے بعد آپ کے متبعین صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جو آپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے منقول ہے بیان کر لیا ہے۔ انجیل وغیرہ کے مذکورہ اقتباسات قطعاً اس کے خلاف ہیں۔ لہذا اس کتاب یا تصنیف کو تفسیر قرآن کہنا قطعاً غلط ہے بلکہ اس کے اندر جو مندرجات ہیں ان سے صحابہ کرام کی توہین و تذلیل اور انبیاء علیہم السلام کی توہین و تنقیص لازم آتی ہے، لہذا اس کتاب تفہیم القرآن کو تفسیر قرآن کہنا قطعاً ناجائز و غلط ہے بلکہ اس سے صحابہ کرام اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بد عقیدگی و بے اعتمادی کا دروازہ کھلتا۔ یعنی جو ہمارے دین و ایمان کے لیے ذہر بلا ہل ہے اس لیے اس کتاب یا تصنیف کو مساجد میں

سننا سننا قطعاً ناجائز و حرام ہوگا۔ ہاں جو شخص ان تمام خرافات و گمراہیوں کے رد کرنے پر پورا جادہ ہو وہ رد کرنے کیلئے اور رد کرتا ہوا اہل منت و جماعت کے عقیدے کے مطابق بیان کرے تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے ورنہ اس تصنیف و کتاب (تفہیم القرآن) کو چھوڑ کر اس کا بر امت کی جو تراجم و تفسیر اہل منت و جماعت کے عقیدے کے مطابق ہوں صرف ان کو بیان کیا جائے اور سنایا جائے کہ اس سے دین صلیف کی اور مسلمانوں کے ایمان و عقائد کی حفاظت رہے گی اور لوگ گمراہیوں میں مبتلا ہونے سے بچ سکیں گے۔ علامہ موصوت تو اللہ کو پیارے ہو گئے ہم انکو کافر نہیں مانتے اور نہ کافر کہتے ہیں بلکہ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اچھا معاملہ فرمائیں اور موصوت کی ان غلطیوں سے درگزر فرمائیں اور ان کی غلطیوں میں مبتلا ہونے سے موجودہ نسل کو اور آئندہ نسل کو سب کو محفوظ رکھیں آمین خم آمین۔ اور اسی مناسبت سے اس مضمون کا عنوان تبیین القرآن علی غلط التی فی تفہیم القرآن رکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور جس طرح ہم پہلے کہ چکے ہیں کہ ہم ان مسلمان کہتے ہیں اسی طرح اب بھی مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں۔ ظن غالب ہے کہ وہ ان خرافات و غلطیوں کے ازالہ میں رجوع نامہ یا توبہ نامہ شائع فرما چکے ہوں گے۔

(فداوی نظامیہ غفرلہ ج ۱ ص ۵۲۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

العبد نظام الدین الاعظمی غفرلہ

مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۳۱۶/۱۲/۲۴

راقم الحروف کا فیصلہ تفہیم میں جہاں جہاں صحابہ و تابعین کے اقوال پر اعتماد کی بنیاد پر تفسیر ہے یا جہاں جہاں تبیین اقوال صحابہ و تابعین و اقوال فقہاء محدثین اور اقوال مفسرین سے تفسیر کی گئی ہے وہ قابل قبول ہوگی اور جہاں تفسیر کسی مقیص و دل آزاری و تضییع کے جناب سید مودودی صاحب نے صرف اپنی انفرادی شان بھیلے بعض اپنے قیاس سے ایک رائے کا اظہار کیا ہے تو دیکھا جائے گا کہ آپ کی یہ مغرورانہ جہر و مغرورانہ تفسیر متعارف کے خلاف تو نہیں ہے؟



اگر تفسیر متعارف کے خلاف ہے تو مردود و درجہ مقبول ہوگی۔ خاص طور سے جن جن مقامات پر ائمہ اہل سنت اور تلمود و بائبل وغیرہ کے بیانات ہیں یا حضرات انبیاء کرام اور حضرات صحابہ کرام کی کردار کشی کی گئی ہے یا فقہاء و محدثین پر تنقید و تعریض کی گئی ہے۔ یا حضرت آپ کے تفردات کی ایک طویل فہرست ہے، ایسے تمام مقامات لازمی طور سے اصولاً ناقابل قبول ہوں گے۔ بلفصلہ تنائی یہ تمام چیزیں ہم نے الگ الگ کتابی شکل میں تیار کر لی ہیں اور عنقریب ہی منظر عام پر لانے کا ارادہ ہے۔

## تفہیم القرآن کے علمی تعاقب میں آنے والی اکتابوں کے نام

- (۱) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحب کے تفردات و جمہور سے اختلافات
- (۲) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحب کے من مانی قیاسات
- (۳) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحب کی تعلیمات
- (۴) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحب کی تعریضات و تنقیدات
- (۵) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحب کا انکار عوارق و معجزات
- (۶) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحب کا انکار مسلمات
- (۷) تفہیم القرآن میں جناب مولانا مودودی صاحب کی مخصوص اصطلاحات و تعبیرات
- (۸) تفہیم القرآن میں حضرات انبیاء علیہم السلام کی کردار کشی
- (۹) تفہیم القرآن میں حضرات صحابہ کرام کی کردار کشی
- (۱۰) تفہیم القرآن میں مولانا مودودی کے مستفرد فقہی نظریات
- (۱۱) تفہیم القرآن میں شیعوں کا رنگ

## آج کل کی تفسیروں کو بھی میزانِ عدل پر تولنا ضروری ہے

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ آج ہم لوگوں سے جہاں بے شمار کوتاہیاں سرزد ہو رہی ہیں بے شمار ہمدون و تعریضوں سے ثباتِ قدم ہمارا ڈنگٹار ہا ہے، دنیات کی بہت سی چیزوں کے بارے میں ہم طرح طرح سے غفلتوں کے شکار ہیں، چشم پوشی اور تسامح گویا ہمارے ہی فطرت و عادتِ ثانیہ بنتی چلی جا رہی ہے وہی تفسیروں کے معاملہ میں بھی ہم نے ہر ایک کو سچوٹ دے رکھی ہے، ہم نے میزانِ عدل و ضبط کو (انصاف کا ترازو) بالکل بھجے خیر باد کہہ دیا ہے ہمارے توجہات قطعی طور پر اس طرف سے ہٹ چکی ہیں کہ تفسیروں میں کون کیا کر رہا ہے؟ کیوں کر رہا ہے؟ کون سی چیزیں اس کے پس منظر و اسباب میں ہیں؟ تفسیر کے بارے میں اتنی عام آزدادی دیدینا کہ ہر کوئی تفسیر لکھے اور ہر ایک کی تفسیر امت مسلمہ میں قبول عام کی شکل اختیار کرنے لگے تو یہ انتہائی نازک ترین غلطی طلب بات ہوگی۔ اس لیے امت مسلمہ کے خواص پر یہ لازم ہے کہ تفسیروں کے معاملہ میں سلسلہ روایت اور حرج و تعدیل کے مکمل مضابطہ کو استعمال میں لائیں کیونکہ معاملہ کی نزاکت و اہمیت میں قرآن پاک کا کلام الہی ہونا ہے کہ غیروں کے خرد برد سے جیسے اب تک محفوظ ہوتا چلا آیا ہے آئندہ بھی اس کی ایسے ہی اسباب حفاظت کی فکر رکھی جائے۔ اخیر میں علامہ زرقانی فرماتے ہیں فاللوم علینا لا علی اولئک الا سلام قصور ہم لوگوں کا ہے تفسیر لکھنے والوں کا نہیں اور ہم ملامت کے مستحق ہیں وہ حضرات نہیں کہ ہم نے اسرائیلیات اور بائبل و انجیل مجروح کو سامنے رکھ کر تفسیر کرنے والے نام بناد مغسورین کی جبر کیوں نہیں کیا؟ (ترجمہ از مناصر المسرفان ص ۵۵)

## اقسام تفسیر

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ تفسیر کی تین قسمیں:

تفسیر بالروایہ: جس کا دوسرا نام تفسیر النور بھی ہے۔

تفسیر عقل و دایت : جس کو تفسیر بالرائی بھی کہتے ہیں۔

تفسیر بالاشارہ : جس کا ایک اور نام تفسیر اشاری ہے۔

مناہل العرفان کی عبارت یہ ہے :

وقسم بعضهم التفسير الى ثلاثة اقسام تفسير بالرواية

ويسمى التفسير المأثور تفسير بالدس اية ويسمى التفسير

بالرائی، تفسیر بالاشارہ و يسمى التفسير الاشاری۔ (باب اقسام التفسير) <sup>۳۹۹</sup>

تاریخ غور فرمائیں کہ تفہیم القرآن تفسیر کی کس قسم میں داخل ہے ؟ تو اس کے مندرجات سے

معلوم ہوتا ہے کہ تفہیم تفسیر الدرایہ اور تفسیر بالرائی کے ذیل میں آتی ہے کیونکہ اس کے اکثر مقامات

میں ہم نے مطالعہ کیا ہے کہ جناب مولانا مودودی صاحب کی اپنی ذاتی رائیں اور ذاتی خیالات

قیاسات ہیں جیسا کہ خود مقدمہ تفہیم میں لکھا ہے اس کا اعتراف بھی کیا ہے کہ

” میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش

کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو

اگر میرے دل پر پڑتا ہے اُسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں

منتقل کر دوں۔“

## کون سی تفسیر ناقابل قبول و ناقابل اعتماد ہوگی

علامہ ذرقانی حفرلے ہیں : ومنها اشتغالہ علی اسرائیلیات و

خرافات انساب الیہ تارۃ من من نادۃ القمیس و آخری

من بعض مسلمۃ اهل الكتاب اما بحسن نية واما

بسوء نية۔ (مناہل العرفان ص ۳۹۹)

جو تفسیر اسرائیلیات و خرافات پر مشتمل ہو جس تفسیر کا مواد اعظم اسرائیلی

روایات و تارخ ہوں جس تفسیر کی نسبت یہودیوں کی کتب مجربے ہو

جس تفسیر میں محدثین فارس کے زنادقہ کی لو آ رہی ہو جس تفسیر کا مآخذ اہل

کتاب ہوں، ایسی تمام تفسیریں خواہ اچھی نیت سے لکھی گئی ہوں یا بُری

نیت سے وہ بہر حال ناقابل اعتبار ہیں۔

## سوالات برائے تنبیہ

۱ کیا تفہیم القرآن بائبل کے خرافات پر مشتمل نہیں ہے؟  
۲ تفہیم القرآن میں اسرائیلی روایات و تارخ پر

اعتماد کیا گیا ہے یا نہیں؟

۳۔ تفہیم القرآن کا مآخذ بائبل، تلمود، یوحنا، متی، مرقس، انجیل برتاہاس اور

یسعیاہ و بریمیاہ وغیرہ ہیں یا نہیں؟

۴۔ تفہیم القرآن میں الحاد اور اعتزال کا عنصر غالب ہے یا نہیں؟

تاریخ کرام ! ان سوالات کے جوابات خود جناب مولانا مودودی صاحب کے الفاظ

میں زیر نظر کتاب کے اندر مکمل و مدلل حوالوں کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے، اس کے بعد فیصلہ

آپ کے ہاتھوں ہو گا کہ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں، اس سے مجھے مطلع کیا

جائے تاکہ میں اس خدمت کو زیادہ سے زیادہ مفید بنا سکوں۔ علماء کرام سے بھی میری

گزارش ہے کہ مجھے میری غلطیوں سے آگاہ فرما کر عند اللہ باجوہ و غدی متکوہ ہوں۔

اس مسئلہ میں مولانا سید مودودی صاحب کو کون سا طریقہ

اختیار کرنا چاہئے تھا؟

جناب مولانا سید مودودی مرحوم کو اپنی اس تفہیم میں احادیث پاک کی سند متین پر

خارجی و داخلہ نقد کر کے احادیث پاک سے بے اعتمادی کے بجائے اصل کام یہ کرنا چاہیے کہ

حضرات محدثین کے مقررہ کردہ اصول و ضوابط کے مطابق قرآن پاک کی تفسیروں میں جو

اسرائیلیات ہیں یا جو مومنوع اور ضعیف احادیث میں اور وہ تفسیروں کی اہم اہم کتابوں میں بھی ملتی ہیں آپ ان میں کھرے کھوٹے کے درمیان تمیز کر کے دکھلاتے کہ یہی اصل کام اور اصل علاج ہے نہ کہ تفہیم جیسی عوامی کتاب میں سند و متن پر بحث کی جائے جبکہ ہر شخص محدث بھی نہیں۔ علم اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل کے ضابطوں سے واقف بھی نہیں اور عام تادی کے پاس کوئی ایسی کسوٹی بھی نہیں جس پر ان روایات کو پرکھ کر کھوٹے اور کھرے میں تمیز کر کے اور ان میں بغیر محنت کے اتنی صلاحیت ہو سکتی ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ جناب مولانا مودودی مرحوم کی ان تحریرات کی وجہ سے مستشرقین کے اعتراض کو گنجائش و ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے کیونکہ وہ لوگ بھی روایات کی اصل صحت ہی کو داغدار بتلاتے ہیں۔ البیاض بالشر۔

نحو اہرات، لعل و یاقوت و زمرد اور خالص سونپا جاندی میں اگر کھوٹے اجزاء شامل کر دیے گئے ہوں تو ایک ماہر اور فنکار جو حری کا یہی کام ہو گا کہ اصل میں سے ملاوٹ کو ماہر نکال کر بھیج دے۔

کائنات! جناب مولانا مودودی مرحوم بھی اپنی اعلیٰ درجہ کی صلاحیت و بصیرت کے مطابق تفسیروں سے اس طرح کی تمام روایات کو ایک مستقل کتاب "تفہیم الحدیث" کی شکل میں علیحدہ کر کے تصنیف کرتے تو یہ ان کا بہت بڑا ثبوت اور تعمیری کام قبولیت کا شرف حاصل کرنا اور قابل تعریف ہوتے لائق مبارکباد قرار دیئے جاتے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ آپ نے بیحدت انجام دینے کے بجائے کچھ ایسے طریقہ استدلال کو اپنایا ہے جن سے ایک بے لاگ محقق کس طرح یہ نتیجہ اخذ نہ کرے کہ آپ کی تفہیم بھی شعوری یا لاشعوری طور پر یہودیوں کی زبردست سازش کا شکار ہو چکی ہے کیونکہ شروع سے پس منظر آج تک قرآن پاک کی سب سے زیادہ محنت یہودیوں ہی نے کی ہے۔ اس وجہ سے تمام اہل اسلام کا اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن یہودیوں ہی کو سمجھا ہے قرآن پاک نے ہٹا

انہوں میں فرمایا لَقَدْ نَزَّلْنَا آيَاتِنَا عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا بِالْهُدَىٰ وَذُكِّرُوا بِالْآيَاتِ فَأَعْتَدْنَا لَهُمُ الْعَذَابَ الَّذِي لَمْ يَرْجُوا سَعْيَهُمْ لَهُمْ فِي الْعَذَابِ أُولَٰئِكَ (پک) اسی عداوت کی بنیاد پر مفسرین یہودیوں نے ہمیشہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس بات کی کوشش کی ہے کہ کسی بھی طرح سے قرآن پاک کی حقانیت کو مجروح کر کے داغدار کر دیا جائے مگر وہ اب تک اس غیر معمولی کوشش میں نہ کامیاب ہوئے ہیں اور انشاء اللہ کبھی کامیاب ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ ہم اس قرآن پاک کی حفاظت کریں گے اِنَّا نَحْنُ نَحْمِلُ النَّازِلَ الَّذِي ذُكِّرُوا بِهٖ اِنَّكَ لَاحِقَاقُطُون۔ ہاں انہوں نے قرآن پاک کے تعلق کی طرح کی غیر العقول سازشیں کی ہیں مجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ قرآن پاک نے جن واقعات کو مختصر بیان کیا ہے ان کی تفصیلات میں جھوٹے قصے، مہمل افسانے اور ہفوات و مزخرفات کے انبار کو قرآن کی تفصیلات میں بیان کر دیا ہے اور احادیث پاک کو بنیادی طور سے ناقابل قبول قرار دی جا رہے تاکہ ان کی روایات باتیں قرآنی آیات کے ساتھ مجرئی رہیں۔

ان کی ایک سازش یہ بھی ہے کہ قرآن پاک ہو تو مسلمانوں کے ہاتھوں میں اور اس کا معنی و مطلب مسلمان یا تو اپنے فہم اور ذاتی قیاس سے بیان کریں یا بائبل کے بیان کردہ معنی کو ترجیح دیں۔ اس طرح سے قرآن پاک کی حقانیت اور صداقت کو مجروح کرنے کی سازش بظاہر ان کی کامیاب ہو چکے گی۔ اب ہم نے جب تفہیم کا مطالعہ شروع کیا تو احادیث پاک کو مجروح کرنے اور بائبل کی حقانیت کے سلسلے میں تو اس کے اکثر مقامات میں مجھے یہودیوں کی یہ سازشیں کامیاب ہوتی نظر آئیں مثال کے طور پر دیکھئے تفہیم ج ۲ ص ۵۵ میں آپ صاف لکھتے ہیں کہ "لیکن بائبل میں زوال باری کے طوفان ہی کا ذکر ہے اس لیے ہم اسی معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔"

قاری کرام! اس مثال کی مزید تفصیلات اسی کتاب میں ملاحظہ فرمائیں کہ آپ نے بھی قرآن کے اجمال کی تفصیلات کو بائبل سے بیان کیا ہے اور جگہ جگہ بائبل سے قرآن کی تشریح کی ہیں۔



ان فرقہ نبوت اندیاد پر اب میرے کچھ بھی کہنا قطعی طور سے مشکل نہیں رہا کہ کسی نہ کسی طرح آپ یہودیوں کی زبردست سازش کی زد میں آ گئے ہیں اسی لیے بائبل کو مستند ماننے والے ان ہی سے قرآن پاک کی یہ تشریحات و تفصیلات و عبارات آپ نے پیش کی ہیں اور تفہیم میں باقاعدہ ان کا اندراج کیلئے ہے۔ قرآنی نعوس کی تشریح و توضیح ان ہی بائبل کے روایتوں کی روشنی میں آپ نے کی ہے۔

فائدہ نیکو کرام! اس پر بھی غور فرمائیں کہ تفہیم میں بائبل کی ان ادبیات کو ذکر کرنے کا مقصد ان یہودی روایات کو بے نقاب کرنا نہیں ہے بلکہ ان سے قرآن کریم کی آیت کے سلسلہ میں کوئی استدلال و استنباط آپ کو مقصود ہے۔ اگر استدلال و استنباط نہ ہوتا تو ہم آپ کی اس تحریر کے متعلق کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ لیکن آپ کی ان تحریرات سے ہمارے لیے تاویل کے تمام راستے بند ہو گئے ہیں، بعد دو ذک کوئی گنجائش نہیں معلوم ہوتی کہ کسی بھی طرح سے آپ کے اس طریقہ استدلال کی تاویل کر کے صحیح اور درست قرار دیا جاسکے۔ کیونکہ آپ نے بائبل کی ان روایتوں کی علی الاطلاق تصدیق و تصحیح کی ہے ان کی تغلیط و تردید نہیں کی ہے۔ اگر آپ کے نزدیک بائبل کی یہ روایات جھوٹی اور مردود ہوتیں تو آپ ان کو تشریحات و تفصیلات قرآن میں پیش ہی کیوں کرتے؟ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ جماعت اسلامی کے ارباب صل و عقد اور اہل قلم اس باب میں کیا کریں گے؟ یعنی وہ حضرات تفہیم کی ان جگہات کے متعلق امت مسلمہ کو کیسے مطمئن کریں گے کہ جمال قرآنی اور قرآن کی صحیح تفسیر کیلئے تفہیم میں جناب مولانا سید مودودی صاحب کا یہ طریقہ استدلال کس طرح بجا اور درست ہے؟ جب کہ حضرت مولانا سید مودودی مدظلہ اپنی کتاب "تفسیروں میں اسرائیلی روایات" میں اس قسم کی تفسیروں کے پیش نقصان کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ تفسیر قرآنی میں اگر ان روایات کو ذکر کیا جائے تو شاید یہی مناسب ہو گا کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور نہ قرآن پاک کی تفسیر ان روایتوں کی محتاج ہے۔

آپ کی پوری تفصیلی عبارت یوں ہے:

"اسرائیلی روایتوں میں اگر کوئی ایسی روایت ہے جو اسلامی تعلیمات کی توثیق و تائید کرتی ہے یا روایت ایسی ہے جو عقل و کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہے مگر نقل صحیح سے اس کا انکار انہیں ہے اور عقل سلیم کے منافی ہے تو اس طرح کی روایتوں کو بیان کرنے کی اجازت حضور سے ثابت ہے۔ حضور کا ارشاد ہے خدا عن بنی اسرائیل دلالت ہے، اگرچہ اس طرح کی روایتوں سے دین میں کوئی بڑا نقصان نہیں لیکن یہی نقصان یہاں تک ہے کہ اس طرح کی روایتیں جمال قرآنی اور قرآن کی صحیح تفسیر کے لیے حجاب ہیں اگر ان روایتوں کو نہ ذکر کیا جائے تو شاید یہی مناسب ہو گا کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں اور نہ قرآن پاک کی تفسیر ان روایتوں کی محتاج ہے۔

اسی طرح تابعین سے بھی بہت سی اسرائیلی روایات مروی ہیں اگرچہ ان روایتوں کے بارے میں زیادہ گمان نہ ہو ہے کہ انھوں نے یہ صحابہ کرام سے لی ہوں گی لیکن اس کے ساتھ یہ بھی احتمال ہے کہ انھوں نے خود کسی ایسے اہل کتاب کی ہوں جو مسلمان ہو گیا ہو۔ اس طرح کی اصلی روایتوں کا اصلی سرچشمہ تورات اور اس کی شروح ہیں، تالمود اور اس کے حاشیے اور تعلیقات ہیں جو علماء یہودی نے جعل سازی کر کے ان پر لکھ رکھے ہیں، انھیں سے اہل کتاب ان روایتوں کو بیان کرتے ہیں، صحابہ اور تابعین کی اس طرح کی بیشتر روایتیں انہیں کتابوں کی روایتیں ہیں جو کعب احبار، وہب ابن منبہ وغیرہ کے ذریعہ پہنچاں آئی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کی ذات گرامی کی طرف ان کو منسوب کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے، تابعین کی روایتوں کے بارے میں بھی یہی احتمال ہے کہ کسی محدث نے فرضی طور پر اس روایت میں تابعی کا نام لے لیا ہو اور

درحقیقت وہ روایت تابعی کی نہ ہو۔ اس طرح کی روایتوں میں بالعموم راوی و متابع  
کذاب، متهم بالکذب، متهم بالوضع، یا معروف بالزندقة یا مجهول یا ضعیف ہیں  
یا کم از کم ایسے ضرور ہوں گے جن کے عقیدے صحیح نہ ہوں گے۔

### اسرائیلیات کی قسمیں

اسرائیلی روایتوں کی ایک قسم وہ ہے جسے ہم تسلیم کرتے ہیں  
کیونکہ وہ قرآن و حدیث کی تصدیق کرتی ہیں، چونکہ قرآن نے تمام  
آسمانی کتابوں کی تصدیق کی ہے اسیلئے وہ روایتیں جو قرآنی حقیقتوں کے موافق ہیں وہ صحیح ہیں  
اور جو قرآن و سنت کے خلاف ہیں وہ یقیناً باطل، غلط اور جھوٹ ہیں۔ اس قسم کو ہم صحیح تسلیم  
کرتے ہیں مگر ہم قرآن کی تفسیر میں اس سے قطعاً بے نیاز ہیں لیکن اس کا ذکر کرنا جائز سمجھتے  
ہیں اور بطور شہادت اس کو پیش کر سکتے ہیں اور یہودیوں کے مقابلہ میں بطور حجت بیان کر سکتے  
ہیں۔ جیسے قرآن پاک میں موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا ایک خاص واقعہ ذکر کیا گیا ہے لیکن جن کے  
ساتھ یہ واقعہ گزرا ہے ان کا نام قرآن میں مذکور نہیں، بنی اسرائیل کی روایت میں ان کا نام  
خضر بنا یا گیا ہے، ہم اسے تسلیم کر سکتے ہیں کیونکہ حدیث صحیحہ سے اسکی تائید ہوتی ہے یا  
تو حدیث کی وہ روایتیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت ہے یا آپ کی رحلت  
کے بارے میں ہیں یا مسئلہ توحید سے متعلق کوئی روایت ہو، کیونکہ توحید تمام انبیاء کی مشغولہ  
تعلیم رہی ہے اگرچہ یہودیوں نے اس میں تحریف کر دی ہے لیکن ان کی کئی روایت سے  
اس پر روشنی پڑتی ہے تو ہم اس روایت کو بھی اسی قسم صحیح میں شمار کر سکتے ہیں۔ اسرائیلیات  
کی اسی قسم کی روایات کے متعلق حضور کا ایک موقع پر ارشاد ہے بلخو اعنی دلوا بة  
وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج من کذب علی متعمداً اذلیکونوا  
مقعدہ من النار۔ حافظ ابن حجر نے اس سلسلہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے اجدا ان کی کتابیں پڑھنے اور ان کی روایتوں سے منع فرمایا تھا لیکن جب اسلئے

سلسلہ صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء باب ذکر عن بنی اسرائیل۔

کے احکام اور دینی مسائل و قواعد مستحکم ہو گئے اور اصول دین سے ہر شخص واقف ہو گیا، پھر آپ  
اجازت دے دی کہ اب کسی قسم میں پڑنے کا اندیشہ باقی نہیں رہا۔

اسرائیلیات کی دوسری قسم ان روایتوں کی ہے جو صراحتہ جھوٹی اور مقدمات اسلامی  
کے سراسر خلاف ہیں جیسے عصمت انبیاء کو ہم رسالت کیلئے ضروری مانتے ہیں، ہمارا یہ غیر متزلزل  
ایمان ہے کہ ہر نبی معصوم ہوتا ہے، اب اگر کوئی روایت ایسی ہے جس سے حملے اس عقیدے  
پر پڑ پڑتی ہے، یا کسی نبی پر ایسا الزام عائد ہوتا ہے جو عقیدہ عصمت کے منافی ہے تو وہ روایت  
قطعی جھوٹی اور باطل ہے۔ جیسا کہ اسرائیلی روایتوں میں حضرت یوسف، حضرت داؤد،  
حضرت سلیمان علیہم السلام وغیرہ کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں، یا موجودہ تورات میں حضرت  
اسماعیل کے بجائے حضرت اسحق کو ذریعہ انذار کہا گیا ہے، اس قسم کی روایتوں کو بیان کرنا جائز  
نہیں ہے، صرف اس شرط کے ساتھ اس کا ذکر ہو سکتا ہے کہ اس کو صریح تردید کیلئے ذکر کیا  
جائے، اس کے جھوٹ، باطل اور مردود ہونے کی صحت لغفلوں میں صراحت کر دی جائے  
کیونکہ اس طرح کی تمام روایتیں یہودیوں کی دسیہ کاری، ترسیم و تحریف کی پیداوار ہیں، یہودیوں  
کی اس بد طبیعتی کو قرآن نے بھی ظاہر کر دیا ہے یحوفون الکلم من بعد مواضعہ  
اس قسم کی روایتوں سے حضور نے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے۔

امام اہل سنت نے حدیثا عن بنی اسرائیل ولا حرج کے متعلق کہا ہے کہ اس  
سے مراد احسن ہے لیکن جن کا جھوٹ ہو نا معلوم ہے تو اس کی ممانعت ہے، ان کا بیان نہ  
کرنا جائز نہیں ہے، یہ اجازت خاص ہے، عام اسرائیلی روایتوں کیلئے نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے یا معشر المسلمین کیف تسالون اهل  
الكتاب من شئ و کتابکم الذی انزل علی نبیہ احدت تقرؤنہ محضنا  
لم یثبت و قد احدثکم اللہ ان اهل الكتاب یبدلوا کتاب اللہ و غیرہ

سلسلہ فتح الباری ج ۶ ص ۳۸۵

وكتبوا بآيد بهم الكذب وقالوا هو من عند الله ليشترأوا به ثمنا قليلا  
الاينهاكم ما جاءكم من العلم عن مسألتهم لا والله ما رأينا منهم اجلة  
يسألکم عن الذی انزل علیکم (۱)

مسلمانو! تم اہل کتاب سے کیسے پوچھتے ہو جبکہ تمہارے پاس تمہارے نبی پر نازل کی ہوئی  
الہ کی کتاب موجود ہے جس میں کسی طرح کی آمیزش نہیں ہے اور اللہ تم کو ساقی آسمانی کتابوں  
کے بارے میں بتا چکا ہے کہ اہل کتاب نے اللہ کی کتاب میں ترمیم و تحریف اور تغیر و تبدل کر دیا  
ہے خود اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے تاکہ اس سے چند  
پیسے کما سکیں، تمہارے پاس جو علم ہے وہ تمہیں ان سے پوچھنا چھوڑ دو، اللہ تمہیں  
نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ اہل کتاب بھی کبھی تم سے پوچھتے ہوں کہ اللہ نے تمہارے نبی پر کیا نازل  
کیا ہے۔

اسرائیلیات کی عیسوی قسم ان روایتوں کی ہے جو صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہیں  
ایسی روایتوں کے بارے میں حکم ہے کہ نہ اس کی تصدیق کی جائے اور نہ کذب کی جائے، غائب  
بہتر ہے۔ ممکن ہے کہ ہم اس کو صحیح کہیں اور اللہ کے نزدیک وہ جھوٹ ہو یا اُسے جھوٹ  
کہیں اور خدا کے نزدیک وہ سچ ہو، اس لیے توقف کرنا چاہیے۔ اس طرح کی روایتوں کا ذکر  
کر دینا جائز ہے جیسا کہ حضور کی طرف سے اس کی اجازت ہے لیکن نہ ان کی تصدیق کی جائے گی اور  
نہ کذب۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کا یہی مطلب ہے۔ ابو ہریرہؓ نے حضورؐ سے کہا کہ تو میری  
عبرانی زبان میں ہے اس لیے عبارت تو وہ عبرانی زبان کی پڑھتے ہیں اور اس کی تشریح عربی زبان  
میں کرتے ہیں اس وصاحت کے بعد حضورؐ نے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لا تصدقوا  
اہل الکتاب ولا تکنوا ہم وقلوا اٰمتا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیکم۔

اہل کتاب کی ان روایتوں کی تصدیق کرو نہ تمہیں بس آنا کہہ دو کہ اللہ نے جو ہم پر اتارا ہے اور  
جو تم لوگوں پر نازل کیا گیا ہے ہم سب پر ایمان لائے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ ابن ابی شیبہؒ اور بزازؒ نے حضرت جابرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ  
حضرت جابرؓ نے کہا کہ عمر فاروقؓ حضورؐ کے پاس ایک کتاب لے کر آئے جو انہیں کسی اہل کتاب سے  
مل گئی تھی اور وہ بڑھ کر سننے لگے تھے، حضورؐ کے چہرہ مبارک پر غضب کے آثار ظاہر ہوئے  
پھر آپؐ نے فرمایا کہ میں تمہارے پاس ایک صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں، اہل کتاب کے تم کچھ  
مت پوچھا کرو، کیونکہ وہ تمہیں جو بتائیں گے یا تو صحیح بات ہوگی اور تم اس کو غلط یا خیر باطل  
بیان کریں اور تم اس کی تصدیق کر دو اور سچ مان لو، یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ اس ذات پاک کی قسم  
جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر حضرت موسیٰؑ بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری جیسے  
اتباع کرنی ہوتی۔

اسی طرح بزازؒ نے عبد اللہ بن ثابت انصاریؓ کی روایت نقل کی ہے انھوں نے کہا کہ عمر  
فاروقؓ تو رات کا کچھ حصہ نقل کر کے حضورؐ کے پاس لے آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگ  
اہل کتاب کے کچھ مت پوچھا کرو۔

حضرت عمر فاروقؓ کا روایت | حافظ ابو یعلیٰ مخالف بن عرفطہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں  
ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کے  
پاس قبیلہ عبد القیس کا ایک آدمی لایا گیا جو سو سو میں رہتا تھا حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ تم  
فلاں بن فلاں عبدی ہو؟ اس نے کہا ہاں! آپؓ نے پھر پوچھا تم سو سو میں رہتے ہو؟ اس  
نے پھر کہا ہاں! اس کے بعد آپؓ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کے لیے کہا کہ اس نے  
حجرت سے پوچھا امیر المؤمنین! آخر میرا جرم کیا ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا بیٹھو وہ بیٹھ گیا۔  
پھر آپؓ نے سورہ یوسفؑ کی ابتدائی آیتیں پڑھیں السو تملک الیات الکتاب الہیین سے



لمن الخافلین تک تین بار پڑھا اور تینوں بار اس کو مارا۔ پھر اس شخص نے حضرت عمرؓ سے یہی سوال کیا کہ میری خطا کیا ہے؟ تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے دانیالؑ کی کتاب نقل کی ہے (دانیال انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہیں) اس نے کہا ہاں، اس کے بارے میں جو حکم ہو وہ یہ کہ حضرت عمرؓ نے کہا جاؤ اور ابھی اس کو گرم پانی سے دھوؤ الود اور کیڑے سے پونچھ کر صاف کر دو پھر آئندہ نہ تم پڑھنا اور نہ پڑھ کر سنانا اگر اس کے بعد مجھے اطلاع ملی کہ تم اس کو پڑھتے ہو یا کسی دوسرے کو پڑھ کر سنایا ہے تو ابھی سزا دوں گا کہ زندگی بھر باکرہ ہو گے، آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ وہ آپ کے سامنے آکر بیٹھ گیا تب آپ نے اپنا واقعہ سنایا کہ میں ایک دن اہل کتاب کی ایک کتاب نقل کر کے ایک کھال میں لپیٹ کر حضورؐ کے پاس آیا۔ حضورؐ نے پوچھا: عمر! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اہل کتاب کی ایک کتاب نقل کی ہے تاکہ اس سے کچھ معلومات حاصل کروں، یہ سن کر حضورؐ برہم ہو گئے اور اتنا شدید غصہ ہوئے کہ آپ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے، اسی دوران اذان ہو گئی اور لوگ نماز کے لیے اٹھ گئے، انصار نے کہا کہ آپ نے حضورؐ کو غصہ دلایا، سب لوگوں نے حضورؐ کے منبر کو گھیر لیا، آپ منبر پر تشریف لائے اور فرمایا: یا ایہا الناس! افی اوتیت جو اعم العلم وخوائیمہ واختصر لی اختصاراً ثم میں تمہارے پاس صاف ستھری تعلیمات لیکر آیا ہوں تم اس کی طرف سے کسی شک میں مبتلا نہ ہونا اور نہ کوئی اہل کتاب تم کو شک میں مبتلا نہ کرنے یہ سن کر میں کھڑا ہو گیا اور کہا: رضیت باللہ ما بنا وبنا الاسلام دیناً و بنا رسولاً اس کے بعد آپ منبر سے اتر آئے۔

حافظ ابو بکر اسماعیلؓ کی روایت ہے کہ جبیر ابن نفیر نے کہا کہ ہمیں دو آدمیوں نے یہودیوں کی کسی کتاب سے کچھ نقل کر کے لکھا تھا، حضرت عمرؓ کو پتہ چلا آپ نے آدمی بھیج کر ان دونوں کو بلوایا، آنے کے بعد آپ نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟ انہوں نے کہا کہ ہم لوگ ایسے علاقے میں رہتے ہیں جہاں اہل کتاب ہی کا ماحول ہے اور وہی ہرگز

پھالے ہوئے ہیں، ہم لوگ کبھی کبھی ان کی زبانی ایسی باتیں سنتے ہیں کہ ہمارے بدن کے ہونٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ فرمائیں کہ ہم ان کی باتیں نوٹ کر لیں یا چھوڑ دیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں میرا واقعہ سن لو، حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہودیوں کی بعض باتیں مجھے عجیب تو ہیں نوٹ کر کے حضورؐ کے پاس لے آیا اور پڑھ کر سنایا آپ سخت برہم ہو گئے اور خود لعابین سے اس کو مٹانے لگے اور کہتے جاتے تھے کہ تم لوگ ان کے چکر میں مت پڑو، وہ خود دین حق کی طرف سے شک وارتباب میں گرفتار ہیں اور دوسروں کو بھی ان کے دین کی طرف سے شک و شبہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں پھر آپ نے اس شخص کا ایک ایک حرف مٹا دیا۔

واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کو تنبیہ کی، اگر آج کے بعد میں نے سنا کہ تم لوگوں نے اہل کتاب سے پھر کچھ نقل کیا ہے تو ایسی عبرت ناک سزا دوں گا کہ لوگ ہمیشہ یاد رکھیں گے، دونوں نے قسم کھا کر کہا، ہم کبھی ایسا نہیں کریں گے، پھر دونوں اپنی نقل کردہ کتاب لے کر مجلس سے اٹھے اور باہر جا کر ایک گڈھا کھودا اور اس میں دفن کر دیا، یہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا آخری زمانہ تھا۔ کاش حضرت عمرؓ کے بعد بھی اسی طرح اس معاملہ میں سختی برتی جاتی۔

راستہ انحراف و عزم کرتا ہے کہ آج تفہیم میں بائبل سے نقل کرنے پر عبرت ناک سزا دینے کی کس کی ہمت ہے؟ سزا تو سزا اتنی ہی دینے کی اور پھر اس تنبیہ کو قبول کرنے کیلئے کس کا ظرف ہے؟ آج کوئی ہے جو تفہیم میں بائبل کے ان صفحات کو گڈھا کھود کر دفن کرے؟ وہ تو حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا جس میں سب کچھ ہو گیا۔ آج اگر حضرت عمرؓ کے بعد اس طرح کی سختی ہو جائے تو تفہیم کا نقشہ ہی کچھ اور ہو گا۔

(تمت)

جناب مولانا مودودی مرحوم نے علم اسماء الرجال کی انتہائی  
دقیق بحث کو عوام کیلئے تفہیم میں کیوں بیان کیا؟

## باب اول

تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ پر جس طرح و قدح

کے بیان میں

معلوم ہے کہ علم اسماء الرجال "احادیث شریفہ کا انتہائی دقیق علم ہے اس میں ہر حدیث  
کی سند متین و مضامین درادوں کے احوال پر تحقیقی کلام کیا جاتا ہے کہ راوی کب اور کہاں پیدا  
ہوا؟ اس کا حافظہ کیسا تھا؟ اس کے اخلاق کیسے تھے؟ ذریعہ معاش کیا تھا؟ روایات احادیث  
شریفہ میں اس کی کیا شراٹھیں؟ اس کے الفاظ و جملوں میں کوئی ایسی کسر اور جای تو نہیں  
جس سے نشان نبوت کی سطحیت ظاہر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے کسی گوشہ  
پر بھی فرق آتا ہو۔

اسماء الرجال کے اس فن جرح و تعدیل میں یہ بھی بتلایا جاتا ہے کہ کون سی حدیث کس درجہ  
کا ہے؟ کون سی حدیث ضعیف یا موضوع ہے؟ کون سی حدیث نفوس قرآنی و شریعت کے  
باب میں قابل استناد ہے اور کون سی نہیں؟

اس علم سے فائدہ اٹھانے کیلئے خاص قسم کی صلاحیت و استعداد کے علاوہ غیر معمولی  
قوت حافظہ اور قوت یادداشت کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ظاہر ہو کہ یہ ساری چیزیں عوام الناس  
کی ذہنی طاقت اور قوت فکر سے باہر کی ہیں۔ لہذا اب سوال یہ ہے کہ بقول جناب مولانا سید  
مودودی مرحوم کہ "تفہیم القرآن میں فنی اور اصولی بحثیں جو عوام کے لیے غیر ضروری و غیر مفید ہیں  
ان سے قطعاً اجتناب کیا گیا ہے" تو پھر آپ نے اسماء الرجال کی دقیق و باریک علمی بحثوں کو  
اس کتاب میں کیوں بیان کیا؟ عوام کے لیے اور اوسط درجہ کے لوگوں کے لیے اس غیر ضروری

بحث کو داخل تفہیم کر کے قرآن نہیں کا کون ساکتہ، کون سا اصول اور کون سا مقصد آپ نے  
 حل کر کے نمایاں خدمت اور کارنامہ انجام دیا ہے؟ خود آپ نے اپنے اس اصول اور  
 وعدہ کی خلاف ورزی کیوں کی؟ سوائے اس کے کہ احادیث پاک کے متعلق عوام الناس  
 کو بھی مشکوک و شبہات میں مبتلا کریں، جیسا کہ خود آپ بھی یہ اعتقاد ہی کی وجہ سے شک  
 میں گرفتار ہیں۔ چنانچہ خاتمہ تفہیم کے آخر میں لوگوں کو قرآن سمجھانے کے متعلق تخریر فرمایا  
 ”جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں میری کوشش یہ رہی ہے  
 کہ عام پڑھے لکھے لوگوں کو قرآن اس طرح سمجھاؤں جس طرح میں نے خود اسے  
 سمجھا ہے۔“

جناب مولانا مودودی صاحب تفسیر کے جن اصولوں کی پیروی کرتے ہیں گرفت کے  
 ڈر سے آپ نے ان کو تفہیم القرآن میں ایک جگہ نہیں بلکہ کمال ہوشیاری سے پوری تفہیم سے  
 الگ الگ مقامات پر کہیں اجمالاً اور کہیں مفصلاً درج کیا ہے تاکہ پڑھنے والے کے کرباب والا  
 تفسیر کے جن اصولوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس طرح سے آپ کی غلطیوں کی نشاندہی باسانی  
 نہ ہو سکے گی۔ راقم الحروف صرف آپ کے ہی بیان کردہ ایک اصول سے ثابت کرتا ہے کہ اپنے  
 اپنے اصولوں کی سخت خلاف ورزی کیوں کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ج ۳ ص ۳۳۳ ۵ سورہ ص:

”ہمیں اس طریق تفسیر سے اصولی اختلاف ہے، ہمارے نزدیک قرآن کے  
 الفاظ سے زائد کوئی مطلب لینا جائی ہی صورتوں میں درست ہو سکتا ہے یا تو  
 قرآن ہی کی عبارت میں اس کے لیے کوئی قرینہ موجود ہو یا قرآن میں کسی  
 دوسرے مقام پر اس کی طرہ اشارہ ہو یا کسی صحیح حدیث میں اس اجمال کے  
 تشریح ملتی ہو یا اس کا اور کوئی قابل اعتبار مآخذ ہو مثلاً تاریخ کا معاملہ ہے تو  
 تاریخ میں اس اجمال کی تفصیلات ملتی ہوں، آثار کائنات کا ذکر ہے تو  
 مستند علمی تحقیقات سے اس کی تشریح ہو رہی ہو اور احکام شرعیہ کا معاملہ

ہے تو فقہ اسلامی کے آخذ اس کی وضاحت کر رہے ہوں، جہاں ان میں  
 سے کوئی چیز بھی نہ ہو وہاں محض بطور خود ایک فقہ تصنیف کر کے قرآن کی  
 عبارت میں شامل کر دینا ہمارے نزدیک ہی نہیں ہے۔“

دراصل ہو کہ یہ تفسیر جس کو جناب مولانا سید مودودی صاحب نے ناقابل ترجیح و غیر واضح  
 قرار دیتے ہوئے اصولی اختلاف کیا ہے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان القرآن  
 میں سند صحیح کے ساتھ مرفوعاً عن علیؓ درمنثور کے حوالے سے نقل فرمایا ہے ”کذانی الدرر مرقوفا  
 بن حسن بن علیؓ“ کی عبارت سے، دراصل اس حدیث پاک کا انکار کر کے جناب مودودی صاحب  
 نے یہ لکھا ہے ”اس مفسر کو اپنی طرہ سے تین باتیں بڑھانی پڑتی ہیں جن کا کوئی مآخذ نہیں ہے  
 اس میں بطور خود ایک فقہ تصنیف کر کے اپنی طرف سے قرآن کی عبارت میں شامل کر دینا ہے جو ہمارے  
 نزدیک صحیح نہیں ہے۔“

قارئین کرام! یہ دیکھتے ہوئے جناب مودودی صاحب کی غیرت ایمانی رخصت ہو چکی تھی  
 درہ ان کو صاف یہ لکھنا چاہیے کہ درمنثور کے حوالے سے حضرت علیؓ کی اس روایت کو وہ نہیں مانتے  
 ہمیں تو دراصل جناب مودودی صاحب کے اصول تفسیر کے اس اقتباس میں یہ سوال کرنا ہے  
 کہ بائبل کی بنیاد پر آپ نے جو قرآن پاک کی تشریح و تفسیر کی ہے یہ آپ کے ہی بیان کردہ  
 چار مذکورہ صورتوں کے بائبل کے خلاف ہے۔ آپ نے تفہیم القرآن میں بائبل کو مستند مآخذ  
 کی حیثیت سے کیوں پیش کیا؟

جناب! ”مفسر“ کے اس طریق تفسیر سے اصولی طور پر سخت اختلاف ہے۔  
 قارئین کرام! آپ نے بائبل کو استدلال بائبل کی بنیاد پر اس کا نام تو تفہیم بائبل اور  
 تفہیم مودودی ہوا نہ کہ تفہیم القرآن۔ درہ تو پھر اس سوال کو تسلیم کر کے مانتا پڑے گا کہ  
 آپ کی سمجھ بعینہ وہی ہے جو قرآن کا مقصود اصلی ہے؟ اور قرآن کے حقیقی مقصود اور اصلی  
 دعا کہنے کا دعویٰ ہی کے علاوہ اور کون کر سکتا ہے۔ یہاں اصل سوال یہ ہے کہ آپ نے



قرآن کو کس طرح سے سمجھ لے؟ آپ نے اس کی وضاحت کیوں نہ فرمائی؟ پھر آپ نے یہ کچھ سمجھ لے اس کی کیا ضمانت ہے کہ آپ نے عین مشارفہ افندی کو اور روت قرآن ہی کو سمجھ لیا ہے؟ ہم جیسے طالب علم کو آپ کی سمجھ پر کس طرح اعتماد ہو؟ ہم کس طرح کہیں کہ آپ کی سمجھ بعینہ قرآن کی سمجھ ہے؟ یہاں دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ ایک ہے فہم قرآن اور دوسرا ہے فہم مودودی مرحوم اور فہم بائبل۔ تو کیا آپ اس کو مان لیں گے کہ فہم قرآن جتنا ہی ہے جو فہم مودودی ہے۔ یا فہم مودودی وہی ہے جو فہم قرآن ہے۔ ہم تو نہیں مانیں گے۔ کیونکہ قرآن اللہ کی کتاب ہے جس کو اس نے اپنے آخری نبی حضرت محمد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی ہے اور تفہیم القرآن تو جناب مولانا مودودی کی کتاب ہے جس کو انہوں نے صرف اوسط درجے کے لوگوں کے لیے ہی ۵۵ سال کے مطالعہ کے بخور کے نتیجے میں تصنیف فرمائی ہے۔ اس لیے دونوں الگ الگ کتابیں ہیں۔ قرآن الگ اور تفہیم القرآن الگ۔ یہاں آپ نے قارئین کرام کو مغالطہ اور سخت تبلیغ میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنی ذاتی تفہیم کو تفہیم القرآن کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ پھر آپ نے یہ جملے اور الفاظ عذر لکھے ہیں ہوا ہیں آپ نے جان بوجھ کر قارئین کرام کو غلط فہمی کا شکار بنانے کی کوشش کی ہے۔ آپ واقعتاً یہ سمجھ رہے تھے کہ اس سے قارئین کرام کو غلط فہمی ہوگی، اسی لیے اس غلط فہمی کے ازالہ کے لیے "مقدمہ" کے شروع ہی میں آپ نے یہ فرمایا:

"ان گذارشوں کے عنوان میں لفظ مفت دمہ" دیکھ کر کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ میں قرآن کا مقدمہ سمجھ رہا ہوں یہ قرآن کا نہیں تفہیم القرآن کا مقدمہ ہے۔"

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ یہ تفہیم القرآن کا مقدمہ ہے کیا مطلب؟

یعنی مودودی مرحوم کے اپنے مزاج و جذبات اور خیالات و تفکرات کا مقدمہ ہے اس سے قرآن کی نہیں بلکہ تفہیم القرآن کی راہ آسان ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس مقدمہ میں آپ

ان سوالات کے جوابات نہیں دیے ہیں جو لوگوں کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں بلکہ صرف ان سوالات کے جوابات ہیں جو آپ کی ذہنی پیداوار ہیں۔ آگے چل کر خود آپ نے اس کی صراحت کی ہے کہ:

"ہیں اس مقدمہ میں صرف ان سوالات کا جواب دیا گیا جو خود میرے

ذہن میں اول اول پیدا ہوئے تھے یا جن سے بعد میں مجھ کو سابقہ پیش آیا۔"

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں کہ جناب مولانا مودودی کی عبارات کس قدر پرترجیع اور مضبوط ہیں ہوتی ہیں۔ دودھاری تلوار کی طرح ذو معنی الفاظ اور جملے استعمال کرتے ہیں تاکہ اگر کوئی گرفت کوئے تو بآسانی اس سادہ کی طرح پکچ کر نکل جائیں اور آپ کہہ سکیں کہ ہم نے جہنم گوئی میں "لو کا" لڑکی" کہا تھا۔ کہ جب لڑکی پیدا ہوئی تو سادھو نے کہا کہ ہم نے تو کہہ دیا تھا کہ لڑکا نہ! (آواز آہستہ کر کے) لڑکی! (آواز بلند کر کے) پیدا ہوگی۔ اور اگر لڑکا پیدا ہو تو سادھو نے کہا کہ ہم نے تو کہا تھا لڑکا (بالجہر) پیدا ہو گا نہ لڑکی۔ (بالسر) یعنی لڑکا اور لڑکی پر وقت کر کے اور اپنی آواز کی جبر دھنی سے سادھو نے اپنی بات صحیح منوالی۔ تقریباً یہی حال جناب مولانا مودودی کا ہے۔ "خاتمہ" میں لکھتے ہیں کہ "جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے (یعنی تفہیم القرآن کے نام سے) اور مقدمہ کے شروع میں لکھتے ہیں کہ "یہ قرآن کا نہیں تفہیم القرآن کا مقدمہ ہے" ایک جہد لکھا مقدمہ میں (تفہیم القرآن) جس سے معلوم ہوا کہ فہم مودودی اور فہم قرآن ایک ہی چیز ہے اور دوسرا جملہ قرآن کا نہیں تفہیم القرآن کا) لکھا خاتمہ کے آخر میں۔ جس سے معلوم ہوا کہ قرآن اور تفہیم القرآن دونوں الگ الگ چیز اور الگ الگ کتاب ہیں۔

اس لیے یہ سوال یہ کہ آپ اس طرح کی مغالطہ آمیز تبلیغی عبارات کیوں استعمال کرتے ہیں؟ بہر حال خاتمہ کی عبارت کے مطابق اگر مان لیا جائے کہ فہم مودودی ہی دراصل قرآن اور روت قرآن ہے تو اس صورت میں لازم آتا ہے کہ آپ کے فہم کو نبی اور رسول کے

نہم کی طرح تسلیم کیا جائے، البیاد باللہ۔ کیونکہ ہم رسول ہی کتاب اللہ کے ہم کو یا رسول اللہ اور ہم مودودی صاحب کو ان کے الفاظ میں چھپی ہوئی مافی الضمیر کے مطابق کبھی بھی ان رسول اور نبی ماننے کیلئے تیار نہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے توبہ مد بیر کی تھی کہ براہ راست خود نبوت کا دعویٰ اور اپنے اقوال کو حدیث کہا، اس کے تبصیر نے حدیث کے پرانے ذخیروں کو پیش پیش کرنا ذخیرہ جمع کر لیا مگر مولانا مودودی صاحب نے ستر غایت اللہ خاں کے پرانے پرانی بات کا وہ وزن قائم کر لیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم کامل کا تھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دعویٰ کیا تاکہ تکفیر نہ کی جا سکے اور نہ اپنے ہم کو حدیث کی بلکہ کمال ہوشیاری سے تمام گرفت کی باتوں سے دامن بچاتے ہوئے اپنے ہم کی وحییت ضرور قائم کر لی جو نبی کے ہم کی ہوتی ہے تاکہ ہر قسم کی دشمنی خراب مولانا مودودی ہی کے ہم خاص سے حاصل کی جائے۔ نمود باللہ۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

### جناب مولانا مودودی صاحب نے احادیث شریفہ کی مخالفت کیوں کی؟

تھوڑی دیر کے لیے بات کا رخ دوسری طرف ہو گیا۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جناب مولانا صاحب نے تفہیم میں علم اسما و رجال کی دقیق بحث کو عوام کے لیے کیوں بیان کیا؟ جس سے وہ احادیث کے متعلق خلک کو شبہات میں پڑ جائیں۔ راقم الحروف اپنے اس سوال کی تقویت کے قنادی محمودیہ جلد اول کے بعینہ چند صفحات کی نقل پیش کرنا ضروری خیال کرتا ہے (کیونکہ یہ پوری کتاب دراصل مرشدی مفتی محمود حسن گنگوہی کے ایک جملہ کی شرح و تفصیل ہے۔ تاکہ اساتذہ معلوم ہو جائے کہ جناب مودودی مرحوم نے جو حدیث پاک کی مخالفت کی ہے اس کے کیا کیا اسباب ہیں؟ اور اس مخالفت حدیث کی کیا کیا جہات ہیں۔ قنادی محمودیہ جم اول میں ہے کہ:

"مولانا صاحب لاجی جس وقت جماعت سے علاحدہ ہوئے ان سے کچھ سوالات،

کیے گئے۔

سوال: جو اصحاب سنیہ عین آپ کے ہمراہ جماعت اسلامی سے منسلک ہوئے تھے ان میں اب کتنے جماعت اسلامی میں رہ گئے ہیں۔

جواب: یہاں تک میرا خیال ہے ممکن ہے ان میں سے دو ایک اصحاب بطور تبرک ابھی جماعت اسلامی سے منسلک ہوں، باقی سارے دیرینہ کارکن یکے بعد دیگرے علیحدہ ہو چکے ہیں۔

سوال: آپ کا آئندہ پروگرام کیا ہے؟

جواب: میں نے سولہ سال کے بعد ایک گم کردہ راہ قافلہ کا سامعہ چھوڑا ہے یعنی سولہ سال کی طویل مدت تک ایک راہ پر چل کر اس کی غلطی اور گمراہی معلوم کرنے کے بعد بھی علیحدہ ہونے اور اس راہ کی غلطی کا اعتراف و انذار کرنے میں شک عار نہیں تو پھر کیوں نہ ہی توقع کی جائے ایسے صاحب قلم سے جو کہ درست اصلاح سرائے میر کے فارغ التحصیل ہیں اور بانی جماعت سید ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمت میں رہ کر "حقیقت نفاق" تصنیف فرما چکے ہیں اور جن کی زندگی کا شاہکار "معرکہ اسلام و جاہلیت" ہے جس پر جماعت اسلامی کو بڑا فخر حاصل ہو۔ امید ہے کہ وہاں تو غرور سیادت اپنی غلطی کے اعتراف کرنے سے مانع نہیں ہوگا۔

اس قدر بات اور طرح حدیث کی مخالفت اور تردید کا یہ سبب یہ ہو سکتا ہے کہ فاضل مضمون نگار کو اس حدیث میں ہی کلام ہو۔ پھر اس کلام کی چند جہات ہیں ایک جہت یہ ہے کہ عقل سلیم کی کوئی پرکھنے سے ان کو اس میں کھوٹ نظر آیا ہو میسا کہ ایک دوسری زبان زور درایت کے متعلق حق تحقیق اور کرنے کے لیے خود ایک جگہ لکھا ہے۔

حدیث پر کھنے کا طریقہ: مادہ پرستی کے اللہ نے جب مسلمانوں میں

وطنیت کے ہلک جراثیم کو پھیلا نا چاہا تو نہایت بے باکی سے حرج الوطن  
من الایمان کی حدیث گھڑ لائے اور اس سنت عرب کو سنت رسول کی حیثیت  
سے مسلمانوں میں برا دھماکا رٹ کرنے لگے۔ اصول روایت کو چھوڑنے کے اس  
دور تجدید میں اگلے دنوں کی "یکواس" کون مستحب ہے عقل سلیم اور اصول  
روایت کی کسوٹی پر کس کر دیکھ کر آیا اس چمکتی ہوئی چیز میں سو فیصد کھوٹ  
کے علاوہ کوئی اور نئے بھی ہے ۵۱ (ترجمان ج ۱۴ عدد ۲ ص ۱۱۱)

محدثین نے بھی سندہ اصول روایت کے اعتبار سے اسکو ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔  
چنانچہ علامہ سخاویؒ نے مقام حدیث میں اور ملا علی قاریؒ نے مومنون کبیر میں اس پر تفصیلی  
بحث کی ہے اور اصول روایت کے پیش نظر اس کے بعض معانی کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔  
اس وقت ان معانی سے بحث مقصود نہیں صرف طرز تنقید کا نمونہ پیش کرنا ہے کہ ممکن ہے  
اسی جہت سے اس حدیث کو بھی عقل سلیم کی کسوٹی پر کس کر دیکھا ہو اور اصول روایت کو ناقابل  
الثبات سمجھا ہو۔

دوسری جہت یہ ہے کہ اصول روایت "سند" سے بحث کرنے کے باوجود حدیث کے  
گمان صحت ہی حاصل ہوتا ہو اور علم یقین حاصل نہ ہوتا ہو جیسا کہ بانی جماعت مودودی صاحب  
فرماتے ہیں:

احادیث مفید یقین نہیں: احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچتی  
ہوئی آتی ہیں جن سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمان ہے  
صحت ہے نہ کہ علم یقین ۵۱ (ترجمان ج ۲۶ عدد ۳ ص ۲۶)

جو چیز مفید یقین نہ ہو اسکی طرف توجہ کرنا یا معترض بحث میں لانا غالباً بے سود سمجھا  
ہوگا لیکن اسکو رد کرنا تو کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا جب تک اس کے خلاف اس  
قوی دلیل موجود نہ ہو۔

تیسری جہت یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک اس کی سند تو صحیح ہو لیکن جماعت اسلامی  
اپنے اصول کے ماتحت اسکو حدیث رسول قرار دینے کے لیے تیار نہ ہو جیسا کہ بانی جماعت  
مودودی صاحب نے لکھا ہے:-

کیا ہر حدیث کو حدیث رسول مان لیا جائے۔

"اصل واقعہ یہ ہے کہ کوئی روایت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف  
منسوب ہو اس کی نسبت کا صحیح و معتبر ہونا بجائے خود زیر بحث ہوتا  
ہے، آپ کے نزدیک ہر اس روایت کو حدیث رسول مان لینا ضروری ہے  
جسے محدثین سند کے اعتبار سے صحیح قرار دیں لیکن ہمارے نزدیک یہ  
ضروری نہیں۔ ہم نہ کی صحت کو حدیث کے صحیح ہونے کی لازمی دلیل نہیں  
سمجھتے، ہمارے نزدیک سند کسی حدیث کی صحت معلوم کرنے کا واحد قیاس  
نہیں ہے بلکہ وہ ان ذرائع میں سے ایک ہے جن سے کسی روایت کے حدیث  
رسول ہونے کا ظن غالب حاصل ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی ضروری  
سمجھتے ہیں کہ متن پر غور کیا جائے، قرآن و حدیث کے مجموعی علم سے دین کا  
جو فہم ہمیں حاصل ہوا ہے اس کا لحاظ بھی کیا جائے اور حدیث کی وہ مخصوص  
روایت جس معاملہ سے متعلق ہے اس معاملہ میں قوی تر ذرائع سے جو سنت  
تباہتہ ہم کو معلوم ہو اس پر بھی نظر ڈالی جاوے۔ علاوہ بریں اور بھی  
متعدد پہلو ہیں جن کا لحاظ کئے بغیر ہم کسی حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم کی طرف کر دینا درست نہیں سمجھتے۔ (رسائل و مسائل ج ۱ ص ۱۹)

حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست ہونے کے لیے جو متعدد پہلو بہم  
رہ گئے ہیں ان میں بہت وسعت ہے۔



مودودی صاحب کا موقف | اس عبارت میں مودودی صاحب نے اپنا موقف

متین کر لیا ہے کہ وہ محدثین کے مقابلہ میں اپنی ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں کہ جس حدیث کو محدثین نے صحیح کہا ہو جن کو ہر ہر راوی کی جرح و تعدیل کے متعلق پوری تفصیلی معلومات حاصل ہیں اور جنہوں نے اپنی زندگیوں میں اس کی چھان بین کی ہے وہ وقت کر دی ہیں ان سب کے مقابلہ کے لیے مودودی صاحب ہم ٹھیک کر میدان میں حاضر ہیں اس حدیث کو صحیح کہنا کیا معنی جب تک اپنے فہم کی میزان میں وزن نہ کر لیں اس حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا ہی درست نہیں سمجھتے۔

اگرچہ محدثین پر کیا پڑتی ہے اور پڑنے والے کے ذہن میں ان کی حیثیت کیا قائم ہوتی ہے یا باقی رہتی ہے وہ ظاہر ہے لیکن شاید ضرورت فقید میں اس مقام پر مودودی صاحب کو اپنا اصول فراموش ہو گیا جس کے الفاظ یہ ہیں :

”احادیث کی صحت کے باب میں محدثین ہی سند ہو سکتے ہیں نہ کہ غیر محدثین، خواہ وہ بچائے خود ہی بڑی شخصیت کے بزرگ ہوں“

(جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع ص ۲۹)

یہ اصول جماعت کی ابتدائی تشکیل کے وقت شعبان سنہ ۱۳۸۰ ہجری فرمایا گیا تھا اور متعدد تصانیف میں اس اصول کے پیش نظر مختلف روایات پر جرح بھی کی ہے مثلاً روایات تلویح مہدی وغیرہ اور اعتماد بھی کیلے مگر اس مقام پر اس کے خلاف ضرورتاً گھر مضمون محدثین کی تصحیح پر اعتماد کر کے حدیث کو حدیث رسول ہی کہنے کیلئے آمادہ نہیں، اگر اپنا اصول فراموش نہیں ہوا تو شاید تجربہ سے اپنا اصول ہی غلط ثابت ہوا اسلئے اس کے خلاف قلم اٹھایا یعنی تجربہ سے معلوم ہوا کہ فن حدیث اور محدثین میں اتنی کمزوریاں ہیں کہ محدثین کی وقعت کے باوجود ان پر پورا اعتماد ہی درست نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں :

”فن حدیث کی ان کمزوریوں کی بنا پر جن کا میں نے ذکر کیا ہے ہم اس

اس کا التزام نہیں کر سکتے کہ محض علم روایت کی بہم پہنچائی ہوئی معلومات پر پورا پورا اعتماد کر کے ہر اس حدیث کو حدیث رسول تسلیم کر لیں جسے اس علم کی رو سے صحیح قرار دیا گیا ہو۔ ۱۱ (رسائل و مسائل، ج ۱ ص ۲۹)

اب فن حدیث اور محدثین کی کمزوریوں کا جائزہ لیا گیا تو بڑے سے بڑے محدث کو نہیں بخشا گیا حتیٰ کہ بخاری شریف کی ایک مرفوع متصل صحیح حدیث کے متعلق ارشاد فرمایا کہ :

”یہ جھوٹ ہے، مہمل افسانہ ہے ۱۱ ملاحظہ ہو (رسائل و مسائل، ج ۲ ص ۳۵)“

علاوہ بخاری شریف کے متعلق حضرت تہاد ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے حجۃ اللہ الیہ فیہ تخریر فرمایا ہے کہ اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جمیع ما فیہما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع و انھما متواتران الی مصنفیہما و ان کل من یمون امرھما فھو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین

(حجۃ اللہ الیہ فیہ ص ۱۲۴)

یعنی بخاری اور مسلم کے متعلق محدثین کا اتفاق ہے کہ ان کی تمام متصل مرفوع حدیثیں بالیقین صحیح ہیں اور ان کی سند ان کے مصنفوں تک متواتر ہے اور جو شخص ان کو کمزور اور کاذب قرار دے وہ مبتدع اور مسلمانوں کے راستے کو چھوڑ کر ان کے خلاف راستے پر چلنے والا ہے جب اصح الکتاب عند کتاب اللہ کا مودودی صاحب کے نزدیک یہ حال ہے کہ اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سند متصل کے ساتھ جھوٹ اور مہمل افسانہ مشوب کر دیا گیا ہے تو پھر مودودی صاحب کیسے اس پر کلی اعتماد کر سکتے ہیں؟ ان حالات میں مودودی صاحب کیوں نہ اپنے لیے ایسا موقف تجویز کر لیں کہ سارے محدثین ایک طرف اور مودودی صاحب ایک طرف۔ اب جس حدیث کو ان کا فہم صحیح بتائے گا وہ اس کی سند پر اعتماد بھی کر لیں گے اور اس حدیث کو حدیث رسول بھی فرمائیں گے اور جو حدیث ان کے فہم کی میزان میں پوری نہیں اترے گی اس کو بے دھڑک رد کر دیں گے۔

فن حدیث کی طرح فقہ اور کلام میں بھی ان کا مستقل مسلک ہے وہ کسی کے پابند نہیں چاہتے تھے ہیں:

### مودودی صاحب کا موقف فقہ اور کلام میں

”فقہ اور کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے جس کو میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا اور پچھلے آٹھ سال کے دوران میں جو اصحاب ترجمان القرآن کا مطالعہ کرتے رہے ہیں وہ اس کو جانتے ہیں۔“  
(جماعت اسلامی کا پہلا اجتماع ص ۲)

مودودی صاحب کو علم حدیث میں محدثین پر اعتماد نہیں اس لیے اس میں مستقل موقف رکھتے ہیں، علم فقہ میں فقہاء پر اعتماد نہیں اس لیے اس میں مستقل مسلک رکھتے ہیں، کلام میں متکلمین پر اعتماد نہیں اس لیے اس میں خاص ذاتی مسلک رکھتے ہیں۔ فقہاء اور متکلمین پر اعتماد نہ کرنے کی وجہ انشاء اللہ تریب ہی مددگار ہوگی۔ غرض ان کی ہر چیز جمہور علم سے الگ ہے خواہ وہ ایبائیات سے متعلق ہو، خواہ فردعی اعمال سے، خواہ نقل حدیث سے، خواہ تفسیر قرآن اور فہم قرآن سے کسی چیز میں وہ کسی کے متبع اور پابند نہیں۔ جو بھی جہت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ حدیث پرانی کتابوں کے ذخیرہ میں سے ہے اس لیے قابل التفات نہیں۔

### تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں قرآن و سنت کی تعلیم دینا

قرآن و سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و سنت کے پرانے ذخیروں سے نہیں، ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں جو قرآن

مگر نہیں معلوم کہ حدیث کا پرانا ذخیرہ چھوڑ کر مودودی صاحب اذان کے متبعین نئے حدیثیں کہاں سے اور کیسے پیدا کریں گے اور ان کو حدیث کہنا کس بنا پر درست ہوگا، کیونکہ نئے رسول پیدا ہونا بند ہو گئے کہ ان کے ارشادات کو حدیث رسول قرار دیا جائے (آج تو ہر حدیث پر زہر و جوہر مسد ہاں گوزر چکی ہیں۔ عجیب عرصہ ہے قرآن و سنت کی تعلیم ضروری مگر تفسیر وحدیث سے سخت بیزاری۔)

محدثین نے کس قدر جاننا نہ تھیں برداشت کر کے ان ذخیروں کو جمع کیا ہے مگر آج وہ مودودی صاحب کے نزدیک اس قابل نہیں کہ تفسیر قرآن اور تشریح سنت میں ان سے مدد لی جائے۔

اسی قسم کی تحریرات سے مجبور ہو کر اہل حدیث حضرات کو لکھنا پڑا کہ یہ نظریات تمام اہل حدیث کے خلاف ہیں اور ان میں آج کے جدید اعتزال و تجہم کے جراثیم مخفی ہیں۔ (جماعت اسلامی کا نظریہ حدیث ص ۱۱)

مرزا غلام احمد قادیانی نے تو یہ تدبیر کی تھی کہ براہ راست خود نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنے اقوال کو حدیث قرار دیا اس کے متبعین نے حدیث کے پرانے ذخیروں کو پس پشت بٹھکا دیا ذخیرہ جمع کر لیا۔

مشرعائیت اللہ خاں مشرقی نے اتباع سنت پر بہت زور دیا مگر اتباع سنت کا تشریح کچھ اس طرح کی کہ علامہ نے دنیا کو بہکا رکھا ہے، اتباع سنت کا مفہوم لوگوں کے دلوں میں بٹھا کر ان کو گمراہ کر رکھا ہے، اتباع سنت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ بات تیرہ سو سال پہلے فرمادی گئی بس اسی پر ہمیشہ عمل کیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضرت مصطفیٰ اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ میں امیر اور رئیس تھے جس طرح آپ کی بات آپ کے زمانہ میں بکثرت امیرانی جاتی تھی، اسی طرح ہر زمانہ میں اس زمانہ کے امیر کی بات ہے چوں کہ

اسی تشریح کے ماتحت اپنی بات کا وہ وزن قائم کر لیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا تھانہ صافات لفظوں میں نبوت کا دعویٰ کیا کہ ختم نبوت کے انکار کی وجہ سے قرآن و سنت سے انحراف ہو کر کفر عائد ہو، نہ سنت کو ناقابل اعتماد کہا کہ منکر سنت کہلائے، نہ اپنے اقوال کو حدیث قرار دیا۔ غرض اپنے نزدیک ہر قسم کے مخرختوں سے دامن بچا کر اپنے اقوال کی وہ حیثیت ضرور قائم کر لی کہ پرانے ذخیرہ حدیث کی طرف توجہ کی ضرورت پیش نہ آئے بلکہ وہ سب کالعدم ہو کر ہر قسم کی روشنی خود مشرقی صاحب کے اقوال سے حاصل کی جائے۔

پانچویں جہت حدیث پر اعتماد نہ کرنے کی یہ ہو سکتی ہے کہ یہ حدیث حافظ ابن کثیر نے نقل کی ہے۔ تفسیر ابن کثیر اور ابن جریر کے متعلق جماعت اسلامی کی طرف سخت تنقید کی گئی ہے کہ الا ان الحقیقہ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ انکار حدیث کا جو فتنہ آج سر اٹھا رہا ہے وہ ان کی جمع کردہ احادیث کا لازمی نتیجہ ہے۔ خود مودودی صاحب کے ارشادات سے اس فتنہ انکار حدیث کو کس قدر شہ ملتی ہے۔

فرماتے ہیں :

ترکی علماء و مشائخ پر تنقید ”وہ اب بھی اپنی وعظوں میں قرآن کی وہی

تفسیریں اور وہی ضعیف حدیثیں سنا رہے تھے جن کو سن کر سو برس پہلے تک کے لوگ تو سر دھتے تھے مگر آج کل کے دانشوران کو سن کر صرف ان مفسرین و محدثین ہی سے نہیں بلکہ قرآن و حدیث سے بھی منحرف ہو جاتے ہیں“ (۱) (تحقیقات ص ۷۷)

جیسی جہت یہ ہو سکتی ہے کہ ان کے نزدیک آیت فما بکت علیہم السماء والارض کا مفہوم بیان کرنے کے لیے مودودی صاحب کی ہدایت کے مطابق نفس تفسیر ہی کی ضرورت نہ ہو پھر اس سے متعلق حدیث کی طرف کیوں التفات کیا جائے۔

فرماتے ہیں :

قرآن کیلئے تفسیر کی حاجت نہیں ”قرآن کے لیے تفسیر کی حاجت نہیں ایک اعلیٰ درجہ کا پروفیسر

کافی ہے جو نے بنظر غائر قرآن کا مطالعہ کیا ہو جو بظہر جب دیکھ کر قرآن پڑھائے اور سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ (۱) (تحقیقات ص ۷۷)

ان پروفیسر صاحب نے اگر قرآن کا مطالعہ حدیث سے علیحدہ ہو کر کیا ہے تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ انھوں نے قرآن کا مطلب وہی سمجھا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا ہے اور صحابہ کرام کو سمجھایا ہے کیونکہ حدیث کی روشنی ان کے پاس نہیں پھر یہ فہم تفہیم محض اپنی ذاتی رائے سے ہو گی، حدیث شریف میں ارشاد ہے من فسر القرآن برأیہ فلیتواء مقعدا من النار (۱) کنوز الحقائق ص ۱۵۶ بحوالہ مسند احمد، جو شخص اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

حدیث و تفسیر سے علیحدہ ہو کر قرآن کو سمجھنے کی کیا صورت ہے۔ حکیم مسکن صدیقی نے بڑی قوی شہادت کے ساتھ مودودی صاحب سے نقل کیا ہے :

قرآن فہمی کا نیا طریقہ ”قرآن کو پوری طرح سمجھنے کی بہترین صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس کا خواہشمند

پہلے تو یہ سمجھے کہ یہ الہام اسپر نازل ہو رہا ہے اور پھر وہ یہ سمجھ کر پڑھے کہ وہ خود اس کلام کو نازل کر رہا ہے اور میں نے قرآن کو سمجھنے کے لیے

یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ (۱) (نولہ پاکستان ص ۳۷ کالم ۳۸ ستمبر ۱۹۵۵ء)

اسی طرز قرآن فہمی کی یقین ترحمان اخبار دعوت دہلی ج ۱۱ شمارہ ۱۹۲۵ سر روزہ ایڈیشن بر اقبال کے والد محترم کی طرف سے کی گئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :

”یہاں کہنا یہ تھا کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ سمجھو کہ یہ قرآن تم پر اترا ہے۔“



یعنی اللہ تعالیٰ خود تم سے ہم کلام ہوا۔ ۵۱

غرض قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے حدیث و تفسیر سے استفادہ تام ہو بلکہ یہاں تو رسول کا دامن بھی ختم کر دیا گیا پھر حدیث شریف کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ جب حدیث کی حیثیت کو اس طرح فنا کر دیا گیا تو پھر اگر جماعت اسلامی کسی جگہ اپنے مقاصد کے لیے حدیث نقل کرتی اور دعوت بھی دیتی ہے تو پڑھنے والوں کے اذہان میں اس کا وزن قائم ہونا دشوار ہو گا اور فطری طور پر اذہان یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ محض تفصیل مقصد کے لیے مسلمانوں کو حدیث رسول کا واسطہ دے کر موعوب کیا جا رہا ہے۔

جماعت اسلامی کے اس فکر سیال کو شیر مار دہ کی طرح پی کر پر دین صاحب نے پرورش پالی پروان چڑھے اور حدیث کے مقابلہ میں علم فسادت لے کر ادھم مچاتے پھر رہے ہیں حتیٰ کہ جماعت اسلامی کو بھی ان کا سنبھالنا دشوار ہو گیا۔ اگر آپ کو طلوع اسلام کے اجراء کی کیفیت اور جو دھری پر دین صاحب اور سید نودودی صاحب کے روابط سابقہ کی تاریخ معلوم ہوگی تو آپ میری اس بات کی پوری تصدیق اور تائید کریں گے۔ اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ جب جماعت اسلامی ان کی کسی بات کو ٹوکتی ہے تو وہ فوراً جماعت اسلامی کی عبارت پیش کر دیتے ہیں کہ عالی جاہ! ناراض نہ ہوں ہم جو کچھ حدیث پر اعتماد کرنے کے سلسلہ میں کہتے ہیں اور لکھتے ہیں وہ سب کچھ آپ کا ہی عطا فرمودہ اور آپ ہی کی تعلیم کا ثمرہ ہے۔ دیکھئے فلاں کتاب میں آپ نے یہ لکھا ہے اب اپنے لکھے ہوئے کو ہضم کیوں نہیں کر پاتے؟ آپ نے تو دوسری جماعتوں کے متعلق ارشاد فرمایا تھا:

”میں مسلمانوں کی موجودہ سیاسی اور مذہبی جماعتوں میں سے کسی میں یہ صلاحیت نہیں دیکھتا کہ وہ ہماری بنائی ہوئی گولیوں کو ہضم کر سکے۔“ ۵۱

(ترجمان ج ۲۶ عدد ۲۴ ۱۸۴)

کیا ان اپنی بنائی ہوئی گولیوں کو ہضم کرنے کی صلاحیت سے آپ حضرات خود

بھی محروم ہو گئے۔ جماعت اسلامی اپنی عبارات میں نئی نئی تاویلات کرتی اور غٹے غٹے مطلب ہلاتی ہے مگر ناکام رہتی ہے اور بات بنائے نہیں بنتی۔ ان حالات کو دیکھ کر ہمارا دل اندر سے کڑھتا ہے۔ اے کاش کھلے دل سے اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے اپنی عبارات اور اپنے خیالات کی اصلاح کر لیا جاتی تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا اور جماعت اسلامی صحیح معنی میں حق کی خاطر اور اقامت دین کی علمبردار قرار پاتی مگر جماعت اسلامی کا مزاج ہی کچھ ایسا راتع ہوا ہے اور اس کے اصول ہی کچھ ایسے تجویز ہوئے ہیں کہ اعتراض و تفسیر جماعت کے اندر جیسے ہوئے دشوار معلوم ہوتا ہے۔ جب کہ اعتراض و تفسیر کرنا ہو جماعت سے باہر ہو جائے۔

### نودودی صاحب کا مسلک

(۱) : میں مسلک اہل حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں

اور نہ خفیت یا شائعت ہی کا پابند ہوں۔“ ۵۱۔ (رسائل و مسائل ج ۱ ص ۲۳)

یہ تو خود بانی جماعت کا مسلک ہے لیکن یہ نودودی نہیں کہ جماعت میں جتنے آدمی داخل ہوں ان سب کا یہی مسلک ہو کیونکہ انھوں نے امیر ہونے کی حیثیت سے پوری جماعت پر اس مسلک کو لازم نہیں کیا صرف اپنا ذاتی مسلک بتایا ہے اور سب کو آزادی دی ہے کہ وہ جماعت میں داخل ہونے کے بعد بھی خفی شافعی، اہل حدیث جس مسلک پر چاہیں عمل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ منہ مانتے ہیں:

پوری جماعت اپنے مسلک میں آزاد ہے (۲) : لیکن کوئی وجہ نہیں کہ جماعت اسلامی میں

جو لوگ شریک ہوں ان کا خفی مسلک لازماً میرے خفی مسلک کے مطابق یا اس کے تابع ہو، وہ اگر فرقہ بندی کے نقیبات سے پاک رہیں اور حق کو اپنے ہی گردہ میں محدود سمجھیں تو وہ اس جماعت میں رہتے ہوئے اپنے اہل بیت کی مذہب خفی شافعی، اہل حدیث یا کسی دوسرے خفی مسلک پر عمل کرنے میں

آزاد ہیں "زاہ ۱۵ حوالہ سابق۔

اس میں صاف صاف آزادی دی گئی ہے لیکن اس آزادی پر عمل کرنے کے لیے اس کے لیے روشنی میں غور کرنے سے چند امور سامنے آتے ہیں :

اول : ایسے اس قدر کھلا ہوا ذاتی مسلک جماعت پر لازماً اثر انداز ہوگا، خاص کر جبکہ اس مسلک پر دلائل قائم کرنے اور اس کو حق ثابت کرنے کے لیے اور اس کے خلاف کو باطل کرنے کیلئے لڑنے میں مختلف مقامات پر متدد و طرق سے زور قلم صرف کیا گیا ہے اور عبادت کو اس کے مطالعہ، تفکر، تدبیر اور شاعت کی تاکید کی گئی ہے۔ جب تک کوئی دیکھنے اور اطاعت کرنے کے باوجود متاثر نہیں ہوگا اس کے مقابلہ میں عقلی آزادی محض زینت قمر طاس بن کر رہ جائے گی۔ یا خود ان کے الفاظ میں یوں کہیے کہ اس پروانہ آزادی کی حیثیت مختلط طبیعت پر مرتب کیے ہوئے ریزولیوشن اور دفتری اعلان سے زیادہ نہ ہوگی۔ اس کی تاکید خود امیر جماعت کے قلم سے ہوتی ہے۔ رہ نہ رہا تے ہیں :

### مودودی صاحب کی آزادی مسلک عطا کر نیکی حقیقت

(۳) "جماعتوں کے نفس کا حقیقی اظہار ان کے مختلط طریقہ پر مرتب کیے ہوئے ریزولیوشن اور دفتری اعلانات میں نہیں ہو سکتا بلکہ ان اشخاص کے انتخاب میں ہوتا ہے جنہیں وہ اپنا لیڈر اور کارفرما اور کارکن بتاتی ہیں اور جن کے کام کو وہ ایک طویل مدت تک نظر استحسان سے دیکھتی رہتی ہیں۔" ۱۵

(ترجمان ج ۱۱ عدد ۳ ص ۱۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری جماعت کے نفس کا حقیقی مظہر ان جماعت سید ابوالاعلیٰ مودودی ہیں اور وہ اپنا مسلک صاف لکھ چکے ہیں جیسا کہ عبارت ۱۵ میں موجود ہے۔

دوم : اس آزادی کا فائدہ جماعت کے "بے علم" افراد کو تو شاید کچھ حاصل ہو جائے

مگر جماعت کے "اہل علم" اس سے فائدہ حاصل کرنے کے کسی طرح مجاز نہیں، جیسا کہ امیر جماعت کے اس ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے :

تقلید اہل علم کے لیے درست نہیں (۴) "جو لوگ دینی علوم کے لیے باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے

ہیں ان کے لیے عقلاً اور نقلاً کسی طرح بھی درست نہیں کہ اپنے اوپر تقلید کو لازم کر لیں۔ ۱۵ (ترجمان ج ۱۳ عدد ۵ ص ۲۲)

لہذا جماعت کے بے علم افراد تو حنفی، شافعی، (مقلد) رہ سکتے ہیں لیکن اگر جماعت میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے علوم دین کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے اور وہ امیر کی عطا کردہ آزادی کے ماتحت اب تک بھی حنفی، شافعی (مقلد) ہیں یا اہلحدیث ہیں تو انہیں معلوم ان کے پاس اپنے مسلک پر قائم رہنے کے لیے سند مجاز کیا ہے اور وہ نہ عقل و نقل کی کسوٹی پر کیسے پوری اترتی ہے یا پھر ان کا خفیہ یا شافعیہ پر قائم رہنا بالکل عقل و نقل کے خلاف ہے یا وہ اہل علم جماعت میں داخل ہوتے ہی خفیہ و شافعیہ کو خیر باد کہہ چکے ہیں کہ وہ نہ حنفی رہے نہ شافعی نہ اہل حدیث اگر وہ اس سب سے بے زار و دست بردار ہو کر بھی اپنے آپ کو حنفی، شافعی، اہل حدیث کہتے ہیں تو ان کو صادق قرار دینے کے لیے کیا تاویل اختیار کی جاتی ہے نیز اگر وہ نہ حنفی رہے نہ شافعی (مقلد) نہ اہلحدیث بالکل سب سے خارج ہو گئے تو آخر وہ کیا بن گئے، وہ ایسا فرقہ بن گئے جس کے وجود سے اب تک غالباً اسلام کا دامن خالی رہا ہے۔

تنبیہ : واضح رہے کہ مودودی صاحب اہل حدیث کو بھی مقلد ہی قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :

اہل حدیث بھی مقلد ہیں (۵) "یہ عام اہل حدیث جو ان مسائل پر بحث کرتے پھرتے ہیں ان کا حال عام حنفیوں

معلوم: امیر جماعت سے یہ دریافت کیا گیا کہ کیا کوئی صاحب علم و فضل چار معروف مذاہب (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) چھوڑ کر حدیث پر عمل کرنے کا حقدار ہے یا نہیں اگر نہیں تو کس دلیل سے۔ اس کے جواب میں وہ لکھتے ہیں:

### تقلید کرنا گناہ بلکہ اس سے بھی شدید تر چیز ہے

(۶) میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لیے تقلید ناجائز اور گناہ ہے بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔ (۱) (رسائل و مسائل ج ۱ ص ۲۳۴)

یہاں صاحب علم سے مراد غالباً وہی لوگ ہوں گے جو دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کرتے ہیں جیسا کہ عبارت ۱۲ میں مذکور ہے۔ خیال ہوتا ہے کہ بانی جماعت مودودی صاحب بھی خود ان ہی لوگوں میں سے ہوں گے۔ انھوں نے بھی باقاعدہ دینی علوم کی تعلیم حاصل کی ہوگی، ان میں خود بھی اجتہادی قابلیت ہوگی، حدیث میں اتنا علم اور اصول میں اتنی بصیرت رکھتے ہوں گے کہ احکام کی تحقیق کر سکیں، اسی وجہ سے ائمہ و علماء پر اعتماد کر کے کسی خاص مذہب کے پابند نہیں ہیں اور تقلید کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اتنا بلند دعویٰ کرتے ہیں کہ۔

"میرے نزدیک صاحب علم آدمی کے لیے تقلید ناجائز اور گناہ بلکہ اس سے بھی کچھ شدید تر چیز ہے۔" آخر یہ دعویٰ بغیر علم دین حاصل کئے اور بغیر اجتہادی بصیرت تاترہ ہم کو کیا تو نہیں کیا ہوگا لیکن مودودی صاحب کی تحریر سے اس سب کی تردید ہو جاتی ہے۔

اب ہم ناظرین کی بصیرت میں اماند کرنے کے لیے "تدوین حدیث کی مختصر تاریخ" اہلکار لکھی کا اردو ترجمہ "یائیل سے قرآن تک" جلد ۳ سے نقل کرتے ہیں۔

کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے ان کا علم بھی ویسا ہی تقلیدی ہے جیسا حنفیوں کا ہے۔ اپنے علماء و ائمہ پر اعتماد کرتے ہیں اور حنفی اپنے علماء و ائمہ پر ان میں خود اجتہادی قابلیت نہیں، نہ حدیث کا اتنا علم اور نہ اصول میں اتنی بصیرت رکھتے ہیں کہ احکام کی تحقیق کر سکیں۔ ان کا یہ کہنا کہ فاتحہ خلف اللہ یا رابع یدین یا آمین یا بآخر حدیث سے ثابت ہے اور اس کا خلاف ثابت نہیں درج تقلید کی بنیاد پر ہے نہ کہ اجتہاد کی بنیاد پر لہذا ان کے جواب میں خاموشی بہتر ہے۔ (۱) (رسائل و مسائل ج ۱ ص ۲۳۴)

یہاں پوچھ کر تو اہل حدیث حضرات بھی انکثت بندھاں ہوں گے کہ یا اللہ تقلید سے بیزار کیا انسان کرتے کرتے صدیاں گزر گئیں مگر وہ اب تک گلے کا بارہی ہوئی ہے

**تقلید کا مفہوم اور عدم تقلید کا اثر**

اس عبارت میں جناب امیر نے تقلید کا خلاصہ بھی بتا دیا کہ تقلید نام ہے ائمہ و علماء پر اعتماد کئے کا۔ مودودی صاحب نہ خود خفیت کے پابند ہیں نہ شافیت کے نہ مسلک اہل حدیث کے۔ جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ مودودی صاحب کو نہ امام ابو حنیفہ پر اعتماد ہے نہ امام شافعی پر اعتماد ہے نہ ائمہ حدیث امام بخاری، امام مسلم وغیرہ پر اعتماد ہے۔ یہ حضرات ائمہ اعلام مودودی صاحب کے نزدیک اس قابل نہیں کہ ان پر اعتماد کر کے ان کی تقلید کر سکیں۔

اہل حدیث حضرات کس جرم میں مقلد قرار پائے؟

محض اس جرم میں کہ ان غریبوں نے حضرت امام بخاری کی جلالت قدر و بہارت فن حضرت حدیث پر اعتماد کرتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ ان کی بیان فرمودہ حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح اور قابل ترجیح ہے اور انھوں نے بھی براہ راست حضرت امام بخاری کی زبان نبوت کی ہدایت مسئلہ نے ان کی جلالت قدر کا اعتراف کرتے ہوئے ان پر اعتماد کیا یہ اعتماد کہنا اگر تشریف جرم ہے کہ اس کی پاداش میں یہ لوگ مقلد گردانے جا رہے ہیں۔



## تدوین حدیث کی مختصر تاریخ

## باب دوم

## تدوین حدیث کی مختصر تاریخ

صحیح حدیث مسلمانوں کے یہاں بھی اس طریقے اور شرائط کے مطابق جو عنقریب ہم تفصیل سے بیان کریں گے معتبر ہے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی :  
 اتقوا الحديث عني الا ما علمتم ضمن كذب علي متعمدا  
 مجھے حدیثیں مہر وہ نقل کرو جنکے بار میں تمہیں علم ہو باقی باتیں بیان کرنے سے بچو اس لیے کہ جو شخص مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولے گا وہ الناس - لہ  
 اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔

حدیث متواتر ہے جس کو ۴۲ صحابہ نے جن میں عشرہ مبشرہ بھی شامل ہیں روایت کیا ہے اس بنا پر قرن اول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا اہتمام رہا ہے۔ ان کا یا اہتمام عیسائیوں کے اہتمام سے بہت زیادہ ہے۔ جیسا کہ ان کو ہر زمانے میں حفظ قرآن کا اہتمام عیسائیوں کے کتب مقدسہ کے حفظ کرنے کے اہتمام سے زیادہ رہا ہے مگر صحابہ کرام نے اپنے زمانے میں بعض مجاہدوں کی بنا پر ان روایتوں کو کتابی شکل میں جمع نہیں کیا جس کی ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام قرآن مجید کے

۱۔ یہ حدیث معنی متواتر ہے (لما اجد هذا اللفظ الذي ذكره المصنف و  
 للرواية طرق كثيرة اخرجها الشيخان والترمذي والبخاري عن  
 علي بن المغيرة وابن مسعود) راجع جمع الفوائد ص ۷ جلد اول۔

ساتھ مخلوط اور مشتبہ نہ ہو جائے۔ البتہ تابعین میں سے امام زہری، ربیع بن جراح، سعید وغیرہ رحمہم اللہ جیسے بزرگوں نے اس کی تدوین اور جمع کی ابتدا کی، مگر انہوں نے فقہی ابواب کی ترتیب کے ساتھ ان کو ترتیب نہیں دیا، لیکن چونکہ یہ ترتیب عمدہ اور بہترین تھی اسلئے تابعین نے اسی ترتیب کو اختیار کیا چنانچہ امام مالکؒ نے جن کے پیروانش ۵۴۷ میں ہے مدینہ میں مؤطا تصنیف کی اور مکہ میں ابو محمد عبد اللہ بن عبد الجبار بن جریج نے، شام میں عبد الرحمن بن اوزاعی نے، کوفہ میں سفیان ثوری نے، بصرہ میں حماد بن سلمہ نے حدیث میں کتابیں جمع کیں، پھر بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین تصنیف کیں اور ان میں صرف صحیح حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کیا اور دوسری کمزور اور ضعیف روایات کو ترک کر دیا۔

امیر محمد شین نے احادیث کے معاملہ میں انہائی جانفشانی اور محنت کی، چنانچہ "اسماء الرجال" کا ایک عظیم الشان فن قائم کیا جس کے ذریعہ ہر ایک ناقل حدیث کا پورا حال اور کیا چھٹا معلوم ہو سکے کہ اس کی دیانت اور یادداشت کا کیا حال ہے؟ اور صحاح کے مصنفوں میں سے ہر ایک نے ہر روایت کی سند اپنے سے لیکر رسول اللہ ﷺ تک

سلہ اس کے باوجود بعض صحابہؓ کے پاس احادیث کے لکھے ہوئے مجموعے موجود تھے جنہیں انھوں نے کامل احتیاط کے ساتھ قرآن کریم سے الگ رکھا ہوا تھا چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے پاس میں ابو داؤد کی روایت میں تصریح ہو کہ انھوں نے آنحضرتؐ کے حکم سے احادیث لکھی ہیں (بیئہ الفوائد ج ۱) بعض روایات میں ہے کہ انھوں نے اپنے مجموعہ کا نام "المعجم الصادقہ" رکھا تھا۔ اسکے علاوہ حال ہی میں ہمام بن منبہؓ کا جمع کیا ہوا ایک مجموعہ حدیث دریافت ہوا ہے جو انھیں حضرت ابو ہریرہؓ نے املا کر لیا تھا جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ اس وقت ہی سے کتابت حدیث کی ابتدا ہو چکی تھی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔ اس مسئلے کی سلسل اور عقائد بحث حضرت مولانا احسن صاحب گیلانیؒ کی کتاب "تدوین حدیث" مطبوعہ مجلس علمی کراچی میں ملے گی۔ یہ فقہ

یک بیان کرتے ہوئے روایت کی۔ اور بخاری کی بعض حدیثیں ثلاثی ہیں، یعنی صرف تین واسطوں سے براہ راست حضور ﷺ سے مل جاتی ہیں۔

**حدیث کی تین قسمیں** | پھر صحیح حدیث کی تین قسمیں قرار دی گئیں۔ ۱۔ متواتر، ۲۔ مشہور، ۳۔ خبر واحد۔

حدیث متواتر: وہ کہلاتی ہے جس کو ایسی جماعت دوسری جماعت سے نقل کرتی ہے کہ جن سب کا کسی جھوٹی بات پر متفق ہو جانا عقل کے نزدیک محال ہو، اس کی مثال نازکی رکھتوں والی روایت یا زکوٰۃ کی مقداروں والی روایت وغیرہ۔

خبر مشہور: وہ ہے کہ جو صحابہؓ کے دور میں تو اخبار احاد کی طرح تھی پھر تابعین کے زمانے میں یا تبع تابعین کے دور میں مشہور ہو گئی۔ ان دونوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے میں تمام امت نے اس کو قبول کر لیا اور اب وہ متواتر کے درجہ کی ہو گئی۔ مثلاً سنگاری کا حکم زمانہ کے سلسلہ میں۔

خبر واحد: وہ ہے کہ جس کو ایک راوی نے دوسرے ایک راوی سے یا ایک جماعت سے یا ایک جماعت نے ایک شخص سے روایت کیا ہو۔

متواتر حدیث علم یقینی کو مستلزم ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ حدیث مشہور علم ظاہر کی موجب ہے اس کا انکار بدعت اور فسق ہے۔ خبر واحد دونوں قسم کے علم کی موجب نہیں مگر واجب العمل ہونے کی حد تک معتبر ہے، نہ اس سے عقائد کا اثبات ممکن ہے اور نہ اصول دین کا۔ اور اگر دلیل قطعی کے خلاف ہو خواہ وہ عقلی ہو یا نقلی تو اگر تاویل ممکن ہے تو اس میں تاویل کی جاوے گی ورنہ اسے چھوڑ دیا جائے گا اور اس کی جگہ دلیل قطعی پر عمل ضروری ہوگا۔

**صحیح حدیث اور قرآن میں فرق** | یہ فرق تین طرح سے ہے اول یہ کہ قرآن پورا کا پورا تو اتر کے طریقہ پر منقول ہے اس کی اصل ہی اس طرح جس طرح حضور ﷺ سے اتر کر نازل ہوا تھا۔ اس کے نقل کرنے والوں نے

اس کے کسی لفظ کو کسی دوسرے لفظ سے نہیں بدلا خواہ وہ اس کے ہم معنی ہی کیوں نہ ہو، اس کے برعکس صحیح حدیث کا روایت بالمعنی کے طور پر نقل کرنا ایسے ناقل کے لیے جائز تھا جو لغت عرب کا ماہر اور ان کے طرز کلام سے واقف ہو۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ قرآن چونکہ سارا متواتر ہے اس لیے اس کے کسی جملے کا انکار بھی مستلزم کفر ہے، بر خلاف حدیث صحیح کے کہ اس کی ایک قسم یعنی متواتر کے علاوہ اور کسی کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ بہت سے احکام کا تعلق خالی قرآن کے الفاظ سے بھی ہے جیسے نماز کا صحیح ہونا اور اس کی عبادت کا معجز ہونا بخلاف حدیث کے کہ اس کے الفاظ سے احکام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اب تینوں بیان کردہ فوائد کے بعد آپ کے خوب ذہن نشین ہو گیا ہو گا کہ اس شخص طریقے پر حدیث کا اعتبار کرنے سے مسلمانوں پر کسی قسم کی بُرائی یا اعتراض لازم نہیں آسکتا۔

سے روایت بالمعنی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو الفاظ ارشاد فرمائے تھے راوی بعینہ ان الفاظ کو نقل نہیں کرتا مگر ان کا مفہوم پوری طرح ادا کر دیتا ہے۔

۳۔ یعنی کوئی شخص کسی مخصوص حدیث مشہور یا خبر واحد کے انکار کرنے سے کافر نہیں ہوتا۔ لیکن یہ واضح ہے کہ جو شخص احادیث کو اصولی طور پر ہی حجت تسلیم نہ کرتا ہو وہ تمام مسلمان مکاتب فکر کے نزدیک کافر ہے۔ اس کی مثال تقریباً ایسی ہے جیسے کہ نصاریٰ کے یہاں اگر کوئی شخص بائبل کے کسی آیت کو الحاقی قرار دیدے تو وہ ان کے نزدیک عیسائیت سے خارج نہیں ہوتا، چنانچہ بہت سے فہم فانی علماء نے بائبل کی بہت سی عبارتوں کو الحاقی تسلیم کیا ہے۔ لیکن جو شخص بائبل کو اصولی طور پر تسلیم

قارئین کرام! ان تفصیلات کے بعد اب ہم آپ کی خدمت میں جناب مولانا مودودی صاحب کی بے اعتمادی حدیث کے متعلق تفہیم کی اصل عبارات پیش کر کے مفت مدد کتاب میں لکھے گئے طریقہ کار کے مطابق اس پر مختصر تنقید و تبصرہ کرتے ہیں اور حسیہ کہ وہاں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس سے ہمارا مقصد اصلی یہ ہے کہ مولانا سید مودودی کی بے اعتمادی حدیث کو بین السطور میں نہیں بلکہ انہی کے الفاظ اور انہی کی اُردو سے حسین کی صحافت میں آپ ملاحظہ کر لیں۔ کہ گوشہ خفا میں رہنے کے باوجود ان کی یہ تحریرات بیاں تک و ہل کہہ رہی ہیں کہ جناب مولانا مودودی صاحب نے شعوری طور پر اپنی دانست میں احادیث پاکؐ کے متعلق سخت بے انصافی اور شدید ظلم کیا ہے اور آپ کی اس بے انصافی اور ظلم عظیم کا کبھی بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔



# ﴿قرآن پاک میں احادیث شریفہ کا درجہ استناد﴾



## باب سوم

تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی

۱- ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ  
مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾  
[پ ۱۴ "النحل"، آیت: ۴۴].

۲- ﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ  
عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [ "الحشر"، آیت: ۷].

۳- ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ  
فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ  
حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾  
[پ ۵ "النساء"، آیت: ۶۵].

## مضمون نمبر ①

### بخاری و مسلم کی احادیث پر جرح و قدح و بے اعتمادی

تفہیم القرآن ۳

۱۶۷

الانبیاء: ۲۱

”سَلِّیْہُ یہ آخری فقرہ خود ظاہر کر رہا ہے کہ پہلے فقرے میں حضرت ابراہیمؑ نے بیعت کی اس فعل کو بڑے بت کی طرف جو منسوب کیا ہے اس سے ان کا مقصد جھوٹ بولنا تھا بلکہ وہ اپنے مخالفین پر جھت قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات انھوں نے اس لیے کہی تھی کہ وہ لوگ جواب میں خود اس کا اقرار کریں گے کہ ان کے یہ معبود بالکل بے بس ہیں اور ان کے کئی فعل کی توفیق تک نہیں کی جاسکتی۔ ایسے مواقع پر ایک شخص استدلال کی خاطر جو خلاف واقعہ بات کہتا ہے اس کو جھوٹ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ نہ وہ خود جھوٹ کی نیت سے ایسی بات کہتا ہے اور نہ اس کے مخاطب ہی اسے جھوٹ سمجھتے ہیں۔ کہنے والا اسے جھت قائم کرنے کے لیے کہتا ہے اور سننے والا بھی اُسے اسی معنی میں لیتا ہے۔

۵۔ بدقسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات اگلی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے ہیں، ان میں سے ایک جھوٹ تو یہ ہے اور دوسرا ”جھوٹ“ سورۃ صافات میں حضرت ابراہیمؑ کا قول اِنِّیْ سَفِیْہٌ ہے اور تیسرا جھوٹ ”ان کا اپنی بیوی کو بہن کہنا ہے جس کا ذکر قرآن میں نہیں بلکہ بائبل کی کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ ۷۔ ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اُسے بخاری و مسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں کہ اس سے ایک نئی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے، دوسرا گروہ اس ایک روایت کو لے کر پورے ذخیرہ حدیث پر حملہ آور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ساری ہی حدیثوں کو اٹھا کر

جینک دو کیونکہ ان میں ایسی ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ نہ ایک نہ چند روایات میں کسی خرابی کے پائے جانے سے یہ لازم آتا ہے کہ ساری ہی روایات ناقابل اعتماد ہوں اور نہ فن حدیث کے نقطہ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابل احترام ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کر کے صحیح مان لیا جائے۔ سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ایسے ہو سکتے ہیں جس کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے اور ایسے مفاہیم پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فراموشی ہوئی نہیں ہو سکتیں، اسلئے سند کے ساتھ ساتھ متن کو بھی دیکھنا ضروری ہے ادا کر تین میں واقعی کوئی قباحت ہو تو پھر خواہ خواہ اس کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

۱۲۔ حدیث جس میں حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ بیان کیے گئے ہیں ضرورت اس وجہ قابل اعتراض نہیں ہے کہ یہ ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے بلکہ اس بنا پر بھی غلط ہے کہ اس میں جن تین واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ تینوں ہی محل نظر ہیں ان میں سے ایک ”جھوٹ“ کا حال آپ کا دیکھ چکے ہیں کہ کوئی معمولی عقل و خرد کا آدمی بھی اس سیاق و سباق میں حضرت ابراہیمؑ کے اس قول پر لفظ ”جھوٹ“ کا اطلاق نہیں کر سکتا کجا کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاذ اللہ اس سخن نا شناسی کی توقع کریں۔ رہا اِنِّیْ سَفِیْہٌ والا واقعہ تو اس کا جھوٹ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جاتا کہ حضرت ابراہیمؑ فی الواقع اس وقت صحیح و تندرست تھے اور کوئی آدمی کسی شکایت میں ان کو نہ ملتی۔ ۱۳۔ یہ بات نہ قرآن میں کہیں بیان ہوئی ہے اور نہ اس زیر بحث روایت کے سوا کسی دوسری معتبر روایت میں اس کا ذکر آیا ہے۔ اب رہ جاتا ہے بیوی کو بہن قرار دینے کا واقعہ تو وہ بجائے خود ایسا اہل ہے کہ ایک شخص اس کو سنتے ہی یہ کہہ دے گا کہ یہ برگر واقعہ نہیں ہو سکتا۔ فقہ اس وقت کا بتایا جاتا ہے جب حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی

سارے کے ساتھ مہر گئے ہیں۔ ۱۸۔ بائبل کی رو سے اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۷۵ اور حضرت سارہ کی عمر ۶۵ برس سے کچھ زیادہ ہی تھی اور اس عمر میں حضرت ابراہیم کو یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ شاہ مصر اس خوبصورت خاتون کو حاصل کرنے کی خاطر مجھے قتل کر دے گا چنانچہ وہ بیوی سے کہتے ہیں کہ جب مصری تھیں پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے جانے لگیں تو تم بھی مجھے اپنا بھائی بتانا اور میں بھی تمہیں اپنی بہن بناؤں گا تاکہ میری جان تو بچ جائے۔ (پیدائش باب ۱۲) حدیث کی زیر بحث روایت میں تیسرے "جھوٹ" کی بنیاد اسی صریح لغو اور پھل اسرائیلی روایت پر ہے۔ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اس کو بھی ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے پر آمادہ اس لیے اصرار کریں کہ اس کی سند مجرد نہیں ہے؟ ع ۲ اسی طرح کی افراط پسندیاں پھر معاملہ کو بگاڑ کر اس تعریف تک نوبت پہنچا دیتی ہے جس کا منطابق ہر منکرین حدیث کر رہے ہیں۔

### تفسیم کی ان عبارات پر نمبر دار تنقید و تنبیہ

جناب سید ابوالاعلیٰ مولانا مودودی مرحوم کے ان مطور مذکورہ کے متعلق عرض کرتا ہے کہ حضرات محدثین کرام و شراح حدیث پاک اس روایت کو اور اس میں ذکر کردہ تمام باتوں کو لفظ فتور سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ خود جناب سید مودودی صاحب نے بھی تفسیم جلد ۲ ص ۲۵ سورۃ یوسف ماشیہ ۵۲ میں لکھا ہے کہ:

"شرعاً اس جیسی بات کو تو رسیہ کہتے ہیں اور تو رسیہ شرع و اخلاق میں جائز ہے۔"

لہذا یہاں بھی آپ کو حدیث پاک کی اس روایت میں صاف صاف و بابت و امانت بھی تو دیہ دال بات کہنی چاہیے تھی مگر حضرت ابراہیم کی عظمت و عقیدت کے عنوان

سے بخاری و مسلم کی اس حدیث کو اور اس کے راویوں کو مجرد و بے اعتماد کرنا مقصود تھا۔ اس لیے یہاں آپ نے تو رسیہ کی بات نہیں کہی۔

اب ہم آپ ہی کی تحریر کردہ ان عبارات سے ۲۰ عنوانات قائم کر کے حدیث پاک سے بے اعتمادی کے آپ کے الفاظ و جملوں کو اُبھارتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی مختصر تبصرہ بھی کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ جناب سید مودودی صاحب مرحوم نے منکرین حدیث کی صف میں شامل ہو کر دین کی جڑ کھودنے کی کوشش کی ہے یا نہیں؟

۱۔ "بدقسمتی سے حدیث پاک کی ایک روایت میں یہ بات آگئی ہے کہ حضرت ابراہیم اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے۔"

تنبیہ: اس جملہ سے آپ نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ احادیث پاک اور روایات کی باتوں سے حضرات انبیاء کو کم کی کردار کشی ہوتی ہے۔ البیاد باللہ۔

۲۔ "ایک گروہ اگر روایت پرستی میں غلو کرتا ہے، تو جناب مودودی مرحوم بائبل پرستی میں غلو کرتے ہیں۔ پھر یہ تلبلیہ کہ وہ کون سا گروہ ہے جو روایت پرستی میں غلو کرتا ہے؟ آپ نے اس جملہ سے حضرات محدثین پر چوٹ لگا ہے۔"

۳۔ "ایک گروہ کو بخاری و مسلم کے چند راویوں کی صداقت عزیز ہے۔ تو جناب مودودی صاحب کو بائبل اور یہودی طرح پھر کے بیانات زیادہ عزیز ہیں۔ پھر یہ بھی غور فرمائیں کہ یہ جملہ تمام امت مسلمہ کی تعریف کے لیے نہیں تو اور کیا ہے؟ کیونکہ اتفاقاً یہود و مسلمانین و مجتہدین قرآن پاک کے بعد مستند ترین کتاب بخاری و مسلم ہی ہے۔"

۴۔ سید مودودی مرحوم کے بعد اب باب جماعت اسلامی تلبلیں کہ وہ کون سا گروہ ہے؟ جو پورے ذخیرہ احادیث پر حملہ آور ہو جاتا ہے؟ اور خود جناب سید مودودی صاحب اور جماعت اسلامی بھی اس گروہ میں شامل ہے یا نہیں؟

۵۔ جو گروہ کہتا ہے کہ "ساری حدیثیں کو اٹھا کر پھینک دو" اس گروہ میں خود جناب



مودودی مرحوم بھی شامل ہیں یا نہیں؟

۶۔ ”کیونکہ اس میں ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں جن سے نبی کی سخن شناسی کی توقع کرنی پڑتی ہے۔“

یعنی سید مودودی کے علاوہ نبی کا سخن شناس یا مزاج شناس نبوت کوئی اور شاید پیدا ہی نہیں ہوا، صرت اور صرف آپ ہی ماشاء اللہ نبی کے سخن شناس ہیں۔ سبحان اللہ کیا کہنا آپ کی سخن شناسی کا۔

۷۔ ”حالانکہ نہ ایک یا چند روایات میں کسی خرابی کے پائے جانے سے یہ لازم آتا ہے کہ ساری ہی روایات ناقابل اعتماد ہوں۔“

اس طرح کی تمام خراب روایات کو کسی دوسری کتاب میں منتقل طور سے بالتفصیل آپ بیان کر دیتے تو یہ آپ کا بڑا کارنامہ ہوتا۔ تفہیم میں ان روایات سے بھٹ کرنا جن میں آپ کے نزدیک خرابیاں ہیں یہ تو کسی طرح سے بھی درست نہیں، چونکہ آپ نے دیباچہ تفہیم میں اپنا وعدہ اور اصول بیان کیا ہے کہ ”ان تفسیری مباحث کو اپنے سرے سے ہاتھ ہی نہیں لگایا جو اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے غیر ضروری ہیں۔“

پھر اپنے اپنے وعدہ اور اصول کے خلاف اسما و رجال کی دقیق بحث کو اس طبقہ کیلئے کیوں ذکر کیا؟ کیا یہ خاص علمی اور فنی بحث ان کے لیے ضروری تھی؟ کہ اس کے بغیر ان کو قرآن کا مفہوم و مدعا بالکل صاف صاف سمجھ میں نہ آتا؟

۸۔ ”اور نہ فن حدیث کے نقطہ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابل اعتراض ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کر کے صحیح مان لیا جائے۔“

کسی روایت کی سند مضبوط ہونے کے باوجود متن کا قابل اعتراض ہونے کی وجہ

میں سے ایک وجہ بھی آپ بیان کر دیتے تو پھر اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جاتا کہ متن حدیث پر اعتراض کی وجہ سے آپ بیان کر رہے ہیں اس کی کیا حیثیت ہے؟ اور کیوں اسے آنکھیں بند کر کے صحیح ماننے پر آپ مجبور نہیں ہیں؟ آپ نے متن حدیث پر اعتراض کے پہلو کو مبہم کیوں چھوڑا؟ یہی بات دعویٰ بلا دلیل آپ اگلی سطروں میں مؤکد کر کے بیان کرتے ہیں، مگر وہاں بھی ابہام ہی رکھا تھوڑی بھی وضاحت نہیں کی۔

۹۔ ”سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ایسے ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے۔“

عالیجا! آپ کے نزدیک وہ کون سے اسباب ایسے ہو سکتے ہیں؟ اس کی کچھ تو تفصیل بیان کر دیتے۔ پھر ہو سکے گا یہ جملہ خود ہی بتلا رہا ہے کہ اپنے کس طرح سند متن حدیث پر بے اعتمادی پیدا کرانے کی کوشش کی ہے۔ ایسے سوال ہے کہ یہ لفظ ”ہو سکتا“ کیا چیز ہے؟ معاف کیجئے گا اگر متن حدیث کے غلط صورت میں نقل ہونے کے بہت سے ایسے اسباب ہو سکتے ہیں تو کیا یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ ملعون زمانہ مسلمان زندگی کی طرح بہت سے اسباب ایسے ہو سکتے ہیں کہ جناب مولانا سید مودودی صاحب نے بھی یہودیوں کی زندگی میں آکر ان کی دکا

کرتے ہوئے احادیث پاک سے بے اعتمادی اور بائبل کی حقانیت تفہیم القرآن کے ذریعہ سے مسلمانوں کے قلوب میں پیدا کرنے کی کوشش کی ہو؟ اس کے ساتھ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ قرآن پاک میں ہے کہ حواریوں نے کہا تھا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا رب ہم پر آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتار سکتا ہے؟ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّونَ یٰعِیْسٰی بَنَیْ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّکَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَائِدًا مِّنَ السَّمَآءِ (پ: ۱۱۷)

تاریخین کرام! جناب سید مودودی صاحب کے جملہ (ایسے اسباب ہو سکتے ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر بھی اپنی حواریوں کے اثرات ہیں ورنہ آپ اس جگہ "سکتے" کا لفظ استعمال نہ کرتے۔ مزید لطف یہ ہے کہ آپ نے اس آیت پاک کے حاشیہ ۲۸۱ میں بھی ایک ایسا ہی جملہ تحریر کیا ہے کہ "یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے" آپ کے اس جملہ سے ہمارا خیال یقین میں بدل جاتا ہے کہ واقعہً آپ پر ان ہی عیسائی حواریین کے اثرات ہیں۔ جس کی بنیاد پر آپ نے یہاں وہاں "سکتے" کا لفظ استعمال کیا ہے کہ آپ پر بھی عیسائی حواریین کے اثرات ہونے کے بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر آپ متن حدیث کے غلط صورت میں نقل ہو سکتے ہیں اسباب کی وضاحت کر دیتے تو ہمیں آپ کے اس لفظ "سکتا" استعمال کرنے کی بنیاد کی طرف متوجہ نہ ہونا پڑتا۔ آپ کی اس عدم وضاحت ہی سے مجھے قرآن کریم کی روشنی میں آپ کے مزاج و افتاد طبع کا پتہ چل گیا۔

اس کے علاوہ جناب سید مودودی صاحب نے یہی بات تفہیم ج ۵ ص ۳۴۷ کے اخیر میں کہی ہے کہ "اللہ کہ کچھ دوسرے قرآن ایسے موجود ہوں جو کسی وقت کے قبول کرنے میں موانع ہوں۔"

وہاں بھی آپ نے ان قرآن کی وضاحت نہیں کی ہے تو کیوں نہیں کی؟

نیز رسائل و مسائل ج ۲۹ میں آپ نے اسی طرح کی بہم بات کہی ہے کہ "علاوہ بریں اور بھی متعدد پہلو ہیں جن کا لحاظ کیے بغیر ہم کسی حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کو زیادہ درست نہیں سمجھتے۔"

حدیث کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف درست ہونے کے لیے جو متعدد پہلو بہم رہ گئے ہیں ان میں تو بہت وسعت ہے۔ آپ نے یہاں بھی ان کو

متفقین و متخاصم کرنے کی زحمت گوارہ نہ کی۔ اب ہمیں آپ کی کتابوں میں تلاش و جستجو کے باوجود کہیں بھی یہ بات نہیں ملی کہ متن حدیث کے غلط صورت میں نقل ہونے کے اسباب آپ نے بیان کیے ہوں تو ہم آپ کی اس علمی حیانت کے متعلق اور کیا عرض کریں۔

۱۔ "اور ایسے معانی پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قناعت خود پکار ہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی نہیں ہو سکتیں۔" الیاذ اللہ کہ قناعت حدیث کی اس پکار کو جناب سید مودودی مرحوم کے علاوہ کسی اور نے بھی سنا ہے؟

۱۱۔ "اسیے سند کے ساتھ ساتھ متن کو بھی دیکھنا ضروری ہے۔" کیا اوسط درجے کے تعلیم یافتہ لوگوں میں تفہیم کے مطالعہ کے بعد یا تفہیم کو ہاتھ میں لیتے ہی اتنی صلاحیت پیدا ہو سکتی کہ وہ سند کے ساتھ ساتھ متن حدیث کو بھی جناب ولانا مودودی کی طرح دیکھ کر حدیث پاک کی صحت و عدم صحت کا پتہ چلا سکیں؟ تاریخین کرام! عفو فرمائیں کہ جناب سید مودودی صاحب کے ان جملوں سے سند و متن حدیث پر بے اعتمادی نہیں پیدا ہوگی؟

۱۲۔ "اگر متن میں واقعی کوئی قناعت ہو تو پھر خواہ مخواہ اس کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔"

یعنی جناب سید مودودی صاحب ہی کو متن حدیث کی قناعت نظر آتی ہے یا آپ کی اور حضرات محدثین کرام کو تو متن حدیث کی قناعت نہ نظر آتی ہے اور نہ آئے گی؟ سبحان اللہ! کیونکہ محدثین کرام ہی متن حدیث کی صحت پر اصرار کرتے ہیں۔

۱۳۔ "یہ حدیث جس میں حضرت ابراہیم کے تین جھوٹ بیان کیے گئے ہیں۔" تفہیم ج ۲ ص ۲۵۵ سورہ یوسف ص ۶۲ کی طرح یہاں بھی آپ نے دورہ دان

بات کیوں نہیں کہی؟ ایک آنکھ میں کاجل اور ایک آنکھ میں سرمہ کا کیا مطلب ہے؟  
۱۳۔ "صرف اس وجہ سے حدیث قابل اعتراض نہیں کہ یہ حدیث ایک نبی  
کو جھوٹا قرار دے رہی ہے۔"

یہ جملہ حدیث پاک کی مخالفت کے لیے کتنا عمدہ اور مبلغ ہے دیکھنے والا یہی سمجھ گیا  
کہ جناب مودودی صاحب کو نبی سے بے پناہ عقیدت و محبت ہے اور آپ کی اس  
عقیدت و محبت کو حدیث پاک سے چوٹ پہنچتی ہے۔ الیاذ باللہ! اس لیے نبی  
کی عظمت و عقیدت کی وجہ سے آپ نے حدیث پر اعتراض کیا ہے کیونکہ اب آپ  
نبی کی عظمت کا خیال کریں؟ یا حدیث پاک کی سند اور اس کے معنوں کی طرف  
توجہ رکھیں؟

حالانکہ نگاہ بصیرت رکھنے والا ہر شخص معمولی توجہ سے یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ نبی کی  
عظمت کے بہانہ سے آپ نے صاف طور پر حدیث پر اعتراض کیا ہے۔ احادیث  
پر اعتراض کی نوعیت تو آپ نے دیکھ ہی لی اور انشاء اللہ آئندہ بھی جناب مودودی  
صاحب ہی کی عبارت میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی آپ کو حضرات انبیاء و کرام سے عقیدت و محبت ہے؟ کیا  
واقعہ آپ ان حضرات کی شان و تقدس کی عظمت کے قائل ہیں؟ اس سلسلہ میں  
واقف المحدث نے تفہیم ہی کی عبارات سے ایک مستقل کتاب تیار کر لی ہے جس میں بتلایا  
ہے کہ مودودی صاحب نے کس کس طرح سے حضرات انبیاء و کرام کی شان میں گستاخیاں  
کر کے ان کی کردار کشی کی ہے؟ الیاذ باللہ ثم الیاذ باللہ۔ مجھے یہاں پر استیفاء  
مقصود نہیں ہے بلکہ صرف دو تین اقتباسات تفہیم سے نقل کرتا ہوں تاکہ قارئین کرام  
کو معلوم ہو جائے کہ آپ نے تفہیم ج ۳ ص ۱۶۷ حاشیہ نمبر ۱ کی انیسویں سطر میں جو لکھا ہے  
کہ "یہ حدیث ایک نبی کو جھوٹا قرار دے رہی ہے۔" اس سے بظاہر آپ کی بھی

عنیت و محبت کا اندازہ ہوتا ہے مگر تفہیم ہی کی دوسری عبارات سے واضح ہو جائے گا  
آپ نے انبیاء و کرام کے متعلق حقیقتہً ان چیزوں کا انتساب کیا ہے جو باتیں جہور امت  
کے مذہب کے مطابق قرآن سے اسلام سے خارج ہیں۔ لغوی بالشر من شرور انفسا۔  
آپ لکھتے ہیں:

"یہ وہ تنبیہ ہے جو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول کرنے اور پلیدی درجات  
کی بشارت دینے کے ساتھ حضرت داؤد کو فرمائی۔ اس سے یہ بات خود بخود  
ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو فعل ان سے صادر ہوا تھا اس کے اندر خواہش نفس  
کا کچھ دخل تھا اس کا مکائد اقتدار کے نامناسب استعمال سے بھی کوئی تعلق  
تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا  
کو زیب نہ دیتا تھا۔ (تفہیم ج ۳ ص ۳۲ حاشیہ نمبر ۲)

اسی سلسلہ میں تنبیہات میں آپ کی عبارت یوں ہے:

"کہ اس تاویل کو قبول کرنے میں لوگوں نے صرف اس بنا پر تامل کیا ہے کہ  
انبیاء کی طرف اس قسم کی لغزشوں کا انتساب عصمت انبیاء کے خلاف معلوم  
ہوتا ہے حالانکہ ان حضرات نے شاید اس امر پر غور کیا نہیں کہ عصمت و منزل  
انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں۔" الخ (تفہیمات ج ۲ ص ۹۵)

اسی معنوں سے مقامات معنوں تفہیم ج ۲ ص ۳۳ حاشیہ نمبر ۵ میں بھی ہے:

"اس ارشاد کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان نہ کرے کہ حضرت نوح کے اندر رنج  
ایمان کی کمی تھی یا ان کے ایمان میں جاہلیت کا کوئی مشبہ تھا، اہل بات  
یہ ہے کہ انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور کوئی انسان بھی اس پر قادر  
نہیں ہو سکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیار کمال پر قائم رہے جو مومن کیلئے  
مقرر کیا گیا ہے۔ بسا اوقات کسی نادر نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ و



اشرف انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے الخ۔

نیز تفہیم جلد ۳ ص ۱۸۲ حاشیہ ص ۵۸ آیت پاک و ذالنون اذ ذهب مغاضاً کے ذیل میں صاف طور پر حضرت یونس علیہ السلام کی طرف ناجائز کام کرنے کا الزام موجو ہے۔ فرماتے ہیں:

”یعنی وہ اپنے قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے تفل اس کے کہ خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم آتا اور ان کے لیے ڈیوٹی چھوڑنا جائز ہوتا۔“

(تفہیم ج ۳ ص ۱۸۲ حاشیہ ص ۵۸ صبح کے آخر میں نیز تفہیم ج ۳ ص ۱۲۲ حاشیہ ص ۱۲۱ میں حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ہے کہ آپ طاعت کے مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ پوری عبارات یوں ہے:

”یہاں اس بشری کمزوری کی حقیقت کو سمجھ لینا چاہیے جو آدم علیہ السلام سے ظہور میں آئی“ (پھر سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

”بس ایک فوری جذبہ نے جو شیطانِ تحریر میں کے زیر اثر ابھرایا تھا ان پر ذہول طاری کر دیا اور ضبطِ نفس کی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی وہ طاعت کے

مقام بلند سے معصیت کی پستی میں جا گرے۔ (تفہیم ج ۳ ص ۱۲۳ حاشیہ ص ۱۲۱) فاروق کرام! ان اقتباساتِ تفہیم سے مجھ کو یہ دکھلانا اور ثابت کرنا ہے کہ جناب مولانا مودودی صاحب نے جو نبی کی عظمت و عقیدت کے عنوان سے احادیث شریفہ پر اعتراض کیا ہے آپ کے اس عظمت و عقیدت کی حقیقت کیلئے ہے؟ آپ ان ہی کی ان عباراتِ تفہیم میں ملاحظہ کیجئے کہ آپ نے حضراتِ امیاء کرام علیہم السلام والسلام کے افعالِ حسنہ میں خواہشاتِ نفس کا بھی دخل مانا ہے ان کے لیے اللہ باری تعالیٰ نے اختیار کے نامناسب استعمال کا نام بھی دیا ہے۔ مومن کیلئے مقرر کردہ

مقام پر قائم نہ رہ سکے۔ کا عنوان بھی دیا ہے ”بشری کمزوریوں سے“ مغلوبیت کی بات بھی کہی ہے ان کے افعال پر ”ناجائز“ ہونے کا سخت ترین لفظ بھی استعمال کیا ہے ”شیطانِ تحریر“ کے زیر اثر بھی قرار دیا ہے ”معصیت کی پستی میں گرنے کی“

دشتِ ناک تعمیر بھی اختیار کی ہے اور کہیں بھی ایسے لفظ کا وجود نہیں ہے جس سے مفہوم ہو سکے کہ آپ کے قلب میں نبی کی عظمت و عقیدت اور محبت و عصمت کا کوئی ذرہ ہے۔ پھر حضرت ابراہیمؑ کی غلط نبوت کی بنیاد پر حدیثِ پاک پر اعتراض کرنا خواہ مخواہ کی فضول حرکت تھیں تو اور کیلئے؟

خلاصہ یہ نکلا کہ آپ کو تو احادیث شریفہ ہی پر اعتماد ہے اور نہ ہی نبی کی عظمت و عصمت کا پاس دلچاظ ہے بلکہ آپ نے اپنی عباراتِ تفہیم میں سب سے زیادہ کوشش اسی بات کی فرمائی ہے کہ امتِ مسلمہ میں جو احادیث شریفہ نے ایک متفقہ پوزیشن حاصل کی ہے جس کے سامنے سارے مستشرقین کی زبان گنگ ہو جاتی ہے آپ نے اپنے عبارت و تحولات سے حدیثِ پاک کی اس حیثیتِ مسلمہ کو مختلف فیہ بنا نا چاہا ہے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اس کے پھرے کو داغدار کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

تالہم اللہ۔ کسی بھی جذبات سے مغارب ہوئے بغیر اقمِ احرون صاف لکھتا ہے اور بلا خوف و تردید لکھتا ہے کہ مجھے آپ کی ان تحولات کے پس منظر میں یہودی لابی کی تصویر نظر آئی ہے۔ یہ یہودیوں ہی کی کوشش ہے کہ ایسے افراد جو مغربی طرزِ فکر سے متاثر ہوں اور یہودی روایات کو بھی قرآن کے ساتھ پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں وہ اپنے اصول و قواعد طرزِ زندگی، افکار و نظریات، خیالات و جذبات مغرب سے حاصل کریں اور اس پر اسلام کا قرآن کا لیل لگا کر تفہیم القرآن کے نام سے پیش کریں۔ اُن ہی یہودیوں کی کوشش ہے کہ ایسے افراد کو آگے بڑھایا جائے اور ان کے نام بناد

اسلامی تحریکات میں داخل ہو کر قرآن و حدیث کی سنگلیں بکارتے ہوئے ان کے چہرہ و صفائی کو غبار آلود کرنے کی کوششیں اعلیٰ سطح پر کی جائیں جیسا کہ آج یہ سب کچھ ہمارے سامنے نظر میں بھی ہے۔

راقم الحروف جناب مولانا مودودی کی احادیث شریفہ کے خلاف ان تحریکات و عملاً کو یہودیوں کی سازش کا ایک حصہ سمجھنے پر مجبور ہو چکا ہے اور امید کرتا ہے کہ امت محمدیہ کے مخلصین و مجاہدین حضرات علماء و حقانیین کا یہ عظیم طبقہ ہمیشہ ہی ان کے خلاف سرکشت برسر پیکار رہا ہے اور انشاء اللہ رہے گا۔

ہم اپنی اس کتاب کے ذریعے ساری دنیا کو آگاہ اور خبردار کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے خلاف سازش کرنے میں پہلے کوئی کامیاب ہوا ہے اور آئندہ کبھی کامیاب ہو گا۔ کیونکہ اس کا محافظ تو اللہ عظیم و خیر ہے۔ وہ اللہ جل شانہ، محض اپنے لطف و رحم سے اس کی حفاظت کیلئے ہم سب کو قبول فرمائے اور باری کو یقین عنایت فرمائے کہ ہر سازش کو، اُن کے ہر عراب کو ناکام بنا کر کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوتے۔ قرآن کرام! اب ہم پھر اپنے قائم کردہ عباراتِ تعلیم سے بقیہ عنوانات کی تکمیل کی طرہ متوجہ ہوتے ہیں۔

۱۵۔ ”بلکہ اس بنا پر بھی (وہ حدیث) غلط ہے کہ اس میں (حدیث میں) جن میں واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہ یمینوں ہی محل نظر ہیں۔“

پہلے تو صرف جناب مولانا سید مودودی کو حدیث پر اعتراض ہی تھا اب وہ حدیث آپ کے محل نظر ہونے کی وجہ سے غلط بھی ہو گئی، سبحان اللہ کیا کہنا آپ کی نظر؟

۱۶۔ ”حدیث کی یہ بات نہ قرآن میں کہیں بیان ہوئی ہے اور نہ اس زیر بحث روایت کے سوا کسی دوسری معتبر روایت میں اس کا ذکر آیا ہے۔“  
تو کیا حدیث کی جو بات قرآن میں کہیں نہیں بیان ہوئی تو وہ غلط ہوگی؟ اور اس

میں مانا جائے گا؟۔ یہی تو اہل قرآن کہتے ہیں جن کی ترجمانی جناب سید مودودی صاحب نے اس جملہ میں کی ہے۔ پھر آپ کے نزدیک معتبر روایت کا معیار کیا ہے؟ جبکہ محدثین کی نقل کردہ احادیث شریفہ میں سند اور متن دونوں حیثیت سے آپ کو اعتراض ہے کہ انہوں نے (بخاری اور مسلم نے) دونوں ہی کو غلط صورت میں نقل کیا ہے۔

۱۷۔ ”اس حدیث میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے تو وہ بھانے خود ایسا اہل ہے کہ ایک شخص اس کیسے ہی کہہ دیکے یہ ہرگز واقعہ نہیں ہو سکتا۔“

معنوں حدیث بخاری کو بھل گئے والے شخص خود جناب مودودی کے علاوہ منکرین حدیث ہی ہو سکتے ہیں جو یہ کہہ دیں کہ ہرگز یہ واقعہ نہیں ہو سکتا۔ ہم یہاں بالیقین کیسے نہ کہہ دیں کہ حدیث پاک کو بھل گئے والے شخص کے مصداق خود سید مودودی مرحوم ہی ہیں۔

۱۸۔ حدیث پاک پر تمام قباحاتیں نکالنے کے بعد بائبل کی صریح لغو اور بھل اور ایسی روایات پر اعتماد کر کے حضرت ابراہیمؑ و حضرت مارہ کی عمروں کی قسمیں آپ نے کی ہے۔ یہ بائبل پرستی پر غلو نہیں توادر کیا ہے؟ بائبل کا کوئی بیان آپ کے نزدیک قابل اعتراض ہے اور نہ غلط اور نہ ہی اس کی سند و متن میں آپ کو کوئی قباحت نظر آتی ہے کیونکہ احادیث شریفہ کے مقابلہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ بائبل کی روایات کو آپ بلا شک و شبہ قوی ترین اور اعلیٰ درجہ کی مضبوط روایات تسلیم کرتے ہیں سبحان اللہ!

۱۹۔ ”کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اس کو بھی ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرہ منسوب کرنے پر عزم و ایسے اصرار کریں کہ اس کی سند مجرد نہیں ہے۔“

یہاں بھی آپ نے ما قبل کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و نبوت کے مجروح ہونے کے عنوان سے متن حدیث پر بے اعتمادی کر کے حدیث پاک کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے اور قارئین کو امام کے سامنے تفہیم ہی کی عبارات سے راقم الحروف یہ ثابت کر چکا ہے کہ آپ نے حضرات انبیاء کو امام کے لیے جو جو الفاظ استعمال کیے ہیں ان میں گستاخی اور کد و گمشدگی کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہہ کر آپ کو حضرات انبیاء سے عقیدت ہے اور نہ ہی احادیث شریفہ پر اعتماد ہے۔

۲۔ ”اس طرح کی افراط پسندیاں پھر معاملہ کو بگاڑ کر اس تقریظ تک نہایت پہنچا دیتی ہیں جس کا مظاہر منکرین حدیث کر رہے ہیں۔“

قارئین کو امام باقرؑ انتم الحروف جناب سید مودودی صاحب کی ان تحریروں کے بعد یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہے کہ آپ بھی اُن منکرین حدیث کے مظاہرہ میں داخل ہیں۔ کیا ان تحریروں کے باوجود جناب مولانا سید مودودی اس تقریظ تک نہیں پہنچے جس کا مظاہر منکرین حدیث کیا کرتے ہیں۔ مزید اس کی ایک اور واضح مثال آپ ہی کی عبارت میں منجھکو ملی ہے جس میں آنجناب نے صاف لفظوں میں بخاری، نسائی، ابن جریر اور دیگر محدثین کے نقل کردہ احادیث کو مانتا ضروری اور لازم نہیں سمجھا ہے۔

”یہ روایت اگرچہ بخاری، نسائی، ابن جریر اور دیگر محدثین نے ابن عباسؓ سے نقل کی ہے لیکن یہ ابن عباسؓ کی اپنی رائے کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے کہ اُسے مانتا لازم ہو۔“ (تفہیم ج ۳ ص ۶۷۷ حاشیہ ۸۰)

کیا تفہیم القرآن کے مخاطب اوسط درجے کے لوگ حدیث مرفوعہ کو سمجھتے ہیں؟ پھر ابن عباسؓ کی رائے مانتا لازم نہیں تو مودودی صاحب کی رائے مانتا کس طرح لازم ہوگا؟

## مضمون نمبر (۲)

### احادیث و روایات پر تنقید کرنے کا صحیح طریقہ

تفہیم القرآن ۳ ۲۳۹ ۲۲

”یہ ہے وہ صاف اور سیدھا مفہوم جو سابق و سابق کی روشنی میں ان آیات سے حاصل ہوتا ہے۔ (۱) مگر افسوس ہے کہ ایک روایت نے ان کی تفسیر میں اتنا بڑا گھماؤ ال دیا کہ نہ صرف ان کے معنی کچھ سے کچھ ہو گئے بلکہ سارے دین کی بنیادیں خطرے میں پڑ گئی۔ ہم اس کا ذکر یہاں اس لئے کرتے ہیں کہ قرآن کے طالب علم (۲) تفہیم قرآن میں روایات سے مدد لینے کے صحیح اور غلط طریقوں کا فرق اچھی طرح سمجھ سکیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ (۳) روایت پرستی میں ناروا غلو کیا نہ کرنا چاہیے اور (۴) قرآن کی غلط تفسیر کرنے والی روایات پر تنقید کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے“

### تنبیہ

اے کاش! سید مودودی مرحوم بائیں کے بارے میں بھی طالب قرآن کو اسی طرح کی ہدایات دیتے اور تنقید کا صحیح طریقہ بتلاتے جب آپ بار بار بائیل کے حوالے دیتے ہیں تو اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ حضرات کے لئے روایات بائیل سے بھی مدد لینے کے صحیح اور غلط طریقوں کا فرق اچھی طرح سمجھانے کے قرآن کی غلط تفسیر کرنے والی روایات بائیل پر تنقید کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

ہمیں افسوس اور تعجب اس پر ہے کہ احادیث شریفہ کی سند و متن و طرق روایات کے متعلق آپ نے سختی اور بائیل کی روایات کے بارے میں نرمی کیوں اختیار کی ہے؟ اس کے علاوہ احادیث و روایات پر تنقید کا یہ طریقہ اگر علماء و محققین کے لئے آپ کی طرف سے پیش کیا جاتا یا ان لوگوں کو آپ کی طرف سے ہدایت ہوتی جو عربی زبان اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو منجانب شش تھی کہ



مولانا مودودی کی ان عبارات سے تاویل کر باقی ان تحریرات کا زرخ موڑ دیا جاتا کہ واقعی حضرات علماء کرام اور محدثین کے لئے علم... رجال کی یہ دقیق بحث تفہیم میں ضروری ہے اور یہ حضرات اپنی گونا گوں صلاحیتوں کی وجہ سے اس سے بھرپور استفادہ بھی کریں گے مگر آپ نے اس قسم کی گنجائش نکالنے اور تاویل کی راہ تلاش کرنے کے مواقع خود ہی بند کر دیے ہیں جیسا کہ دیباچہ تفہیم میں لکھا بھی ہے۔

”اس کام میں میرے پیش نظر علماء اور محققین کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ان لوگوں کی ضروریات یہ۔ وہ زبان و ادب اور علوم دینیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حضرات کی پیاس بجھانے کے لئے بہت کچھ سامان پہلے سے موجود ہے۔“

### مضمون نمبر (۳)

## اختلافات الفاظ دکھلا کر احادیث شریفہ سے بے اعتمادی کی ایک اور واضح مثال

تفہیم القرآن ۳ ۲۴۰ ۲۲

یہ قصہ ابن جریر اور بہت سے مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ابن سعد نے طبقات میں ابن اسحاق نے سیرت میں اور ابن ابی حاتم ابن المنذر بزاز اور ابن مرددہ اور طبرانی نے اپنے احادیث کے مجموعوں میں نقل کیا ہے جن سندوں سے یہ نقل ہوا ہے وہ محمد بن قیس محمد بن کعب قرطبی ابو العالیہ سعید بن جبیر ضحاک ابو بکر بن عبد الرحمن بن حادث قتادہ مجاہد سیفی ابن شہاب زہری اور ابن عباس پر ختم ہوتی ہیں۔ (ابن عباس کے سوا ان میں سے کوئی صحابی نہیں ہے) قصے کی تفصیلات میں چھوٹے چھوٹے اختلافات کو چھوڑ کر دو بہت بڑے اختلافات ہیں۔ ایک یہ کہ بتوں کی تعریف میں جو کلمات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کئے گئے ہیں وہ قریب قریب ہر روایت میں دوسری روایت سے مختلف ہیں۔ ہم نے ان کا استقصاء کرنے کی کوشش کی تو وہ عبارتیں الگ الگ الفاظ میں پائیں۔ دوسرا بڑا اختلاف یہ ہے کہ کسی

روایت کو رو سے یہ الفاظ دوران وقتی میں شیطان نے آپ پر القا کر دیئے اور آپ سمجھ کر یہ بھی جبرئیل لائے ہیں۔ کسی روایت میں ہے کہ یہ الفاظ اپنی اس خواہش کے زیر اثر سہواً آپ کی زبان سے نکل گئے۔ کسی میں ہے کہ اس وقت آپ کو آنکھ آگئی تھی اور اس حالت میں یہ الفاظ نکلے۔ کسی کا بیان ہے کہ آپ نے یہ قصد کیا کہ مکرستہنام انکاری کے طور پر کہے۔ کسی کا قول ہے کہ شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر یہ الفاظ کہہ دیئے اور سمجھا یہ گیا کہ آپ نے کہے ہیں اور کسی کے نزدیک کہنے والا شریکین میں سے کوئی شخص تھا۔

ابن کثیر بیہقی، قاضی عیاض، ابن خزیمہ، قاضی ابوبکر ابن العربی، امام رازی وغیرہ حضرات اس قصے کو بالکل غلط قرار دیتے ہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ”جتنی سندوں سے یہ روایت ہوا ہے سب مرسل اور منقطع ہیں جسے کسی صحیح متصل سند سے یہ نہیں ملا“ بیہقی کہتے ہیں کہ ”از روئے نقل یہ قصہ ثابت نہیں ہے“ ابن خزیمہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ”یہ زنادقہ کا گھڑا ہوا ہے“ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ”اس کی کمزوری اسی سے ظاہر ہے کہ صحاح ستہ کے مؤلفین میں سے کسی نے بھی اس کو اپنے ہاں نقل نہیں کیا اور نہ یہ کسی صحیح متصل بے عیب سند کے ساتھ ثقہ راویوں سے منقول ہوا ہے“ امام رازی، قاضی ابوبکر اور آلوسی نے اس پر مفصل بحث کر کے اسے بڑے مد زور طریقے سے رد کیا ہے۔ لیکن دوسری طرف حافظ ابن حجر جیسے بلند پایہ محدث اور ابوبکر صامی جیسے نامور فقیر اور زحری جیسے عقلیت پسند مفسر اور ابن جریر جیسے امام تفسیر و تاریخ و فقہ اس کو صحیح مانتے ہیں اور اس کو آیت زیر بحث کی تفسیر قرار دیتے ہیں۔ ابن حجر کا محاذ ثنائی استدلال یہ ہے کہ:-

”سعید بن جبیر کے طریق کے سوا باقی جن طریقوں سے یہ روایت آئی ہے وہ یا تو ضعیف ہیں یا منقطع، مگر طریقوں کی کثرت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کی کوئی اصل ہے ضرور۔ ملاوہ بریں یہ ایک طریقہ سے حصلاً بسند صحیح بھی نقل ہوا ہے جسے بزاز نے نکالا ہے (مراد ہے یوسف بن حماد عن أمیہ بن خالد عن شعبہ عن ابی بشر عن سعید بن جبیر عن ابن عباس) اور دو طریقوں سے یہ اگرچہ مرسل ہے مگر اس کے راوی صحیحین کی شرط کے مطابق ہیں۔ یہ دونوں روایتیں بطریق نقل کی ہیں ایک بطریق یونس بن یزید عن ابن شہاب دوسری بطریق معمر بن سیرمان و تمار بن طلحہ عن داؤد بن ابی ہند عن ابی العالیہ“

## تنبیہ

یہ ص ۲۳۰ بھی عام لوگوں کو احادیث شریفہ سے بے اعتماد کرنے کی ایک اور واضح مثال ہے۔ قصے کی تفصیلات میں الفاظ کے اختلافات و سندوں کے اظہار ابات کو دکھانا چہ معنی دارد؟

حضرات قارئین کرام! غور کریں کہ اس سے اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ حضرات کو کیا فائدہ ہوگا؟ جن کے لئے تفہیم لکھی گئی ہے کیا اسما و رجال کی اس خالص علمی و دقیق بحث کو ان کے قلوب و اذہان قبول کریں گے؟ بتلایا جائے کہ اس بحث کو تفہیم جیسی عوامی کتاب سے کیا مناسبت اور جوڑ ہے؟ سوائے اس کے کہ جناب مودودی صاحب کے مستقصاء اور ذوق تحقیق کی داد دی جائے اور آپ کو محققین کی فہرست اول میں شمار کیا جائے۔

## مضمون نمبر (۳)

”المرء یؤخذ باقرارہ“ کے تحت آپ خود ہی اپنی تحریر کی گرفت میں (یعنی احادیث پر تنقید کا حق اور تنقید کا صحیح طریقہ کیا ہے؟)

تفہیم القرآن ۳ ۲۶۱ الخ ۲۲

جہاں تک موافقین کا تعلق ہے وہ تو اسے صحیح مان ہی بیٹھے ہیں۔  
(۱) لیکن مخالفین نے بھی اجماع اس مرتضیٰ کا حق ادا نہیں کیا ہے (۲) ایک گروہ اس لئے رد کرتا ہے کہ اس کی سند اس کے نزدیک قوی نہیں ہے۔  
(۳) اس کے معنی یہ ہونے کہ اگر سند قوی ہوتی تو یہ حضرات اس قصے کو مان لیتے۔ (۴) دوسرا گروہ اس لئے رد کرتا ہے کہ اس سے تو سارا دین ہی مشتبہ ہو جاتا ہے اور دین کی ہر بات کے متعلق شک پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ مظلوم اللہ کہاں کہاں شیطانی افواہ یا نفسانی آسیر شوں کا دخل ہو گیا ہو۔ (۵) حالانکہ اس نویت کا استدلال ان لوگوں کو تو مطمئن کر سکتا ہے جو ایمان لانے کے

عزم پر قائم ہوں (۶) اور اسے ایک جو پہلے ہی شکوک میں مبتلا ہیں یا جواب تحقیق کر کے فیصلہ لے جاتے ہیں کہ ایمان لائیں یا نہ لائیں ان کے دل میں تو یہ جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ جن جن چیزوں سے یہ دین مشتبہ قرار پاتا ہو انہیں رد کر دیں وہ تو کہیں گے کہ جب کم از کم ایک نام در صحابی اور کثرت تابعین و تبع تابعین اور متعدد معتبر راویان حدیث کی روایت سے ایک واقعہ ثابت ہو رہا ہے تو اسے صرف اس بنا پر کہ اسے رد کر دیا جائے کہ ان سے آپ کا دین مشتبہ ہو جاتا ہے؟ اس کے بجائے آپ کے دین کو مشتبہ کیوں نہ سمجھا جائے جب کہ یہ واقعہ اسے مشتبہ ثابت کرتی رہا ہے؟  
(۷) اب دیکھنا جائے کہ عقیدہ کا وہ صحیح طریقہ کیا ہے جس سے اگر اس قصے کو برکھ کر دیکھا جائے تو یہ ناقابل قبول قرار پاتا ہے۔ یا اسے اس قدر قوی ہونا قوی ہوتی۔

(۸) پہلی چیز خود اس کی اندرونی شہادت ہے جو اسے غلط ثابت کرتی ہے۔

## تنبیہ

یہ بتلایا جائے کہ جناب مولانا مودودی مرحوم کن لوگوں میں داخل تھے؟ (۱) ان لوگوں میں جو ایمان لانے کے عزم پر قائم ہیں۔ (۲) یا ان دوسرے لوگوں میں جو پہلے ہی شکوک میں مبتلا ہیں؟ یا جواب تحقیق کر کے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان لائیں یا نہ لائیں؟ الخ۔ پھر یہ بھی ملاحظہ کیجئے کہ اس حدیث پر مخالفین نے بھی بالعموم تنقید کا حق ادا نہیں کیا ہے اس لئے جناب مولانا مودودی صاحب کس طرح تنقید کا حق ادا کر رہے ہیں؟ یعنی نہ اس کے قوی ہونے کے باوجود اندرونی شہادت سے حدیث کا متن و مضمون ہی غلط ثابت ہے۔ راقم الحروف مولانا سید مودودی کو ماہنامہ الحسنات کے یادگار مودودی نمبر کے ص ۲۵۸ کی بنیاد پر ان دوسرے ہی لوگوں میں بالتحقیق جانتا ہے کیونکہ یادگار مودودی نمبر میں آپ کے خود کا اعتراف ہے کہ:

”قرآن مجید احادیث پاک و سیرت پاک و بی و رسالت میں آپ کو شک نہ چکا تھا اس لئے ان سب کے مطالعہ سے (ایمان لانا مقصود نہیں تھا) (بلکہ) آپ کے پیش نظر (ان سب پر اور ان کے مضامین پر) بے لاگ تنقید تھی۔“ (نوٹ) تو سین کی عبارت راقم الحروف کی ہے۔

اس وجہ سے آپ ہر ایک کے دین کو مستحب سمجھتے ہیں جیسا کہ یہاں تفہیم ج ۳ کے ص ۲۴۰ میں آپ نے لکھا بھی ہے۔

”المرء یؤخذ باقرارہ“ مستند اصول کے تحت جناب مودودی صاحب خود ہی اپنی تحریر و اعتراف سے گرفت میں آ گئے۔ اس لئے اب کوئی کیا کرے؟ کہ آنجناب تحقیق کر کے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں کہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ واللہ اعلم کہ آپ دنیا سے متن حدیث کو غلط ثابت کر کے ایمان کی حالت میں؟ یا بے ایمانی کی حالت میں؟ کس طرح گئے ہیں؟ اس کا فیصلہ قیامت میں ہوگا۔

### مضمون نمبر (۴)

(۱) تاریخی روایتوں کے فرق سے (۲) اپنی عقل و قیاس سے (۳) اور قصوں کی اندرونی شہادت نکال کر محدثین کرام اور احادیث شریفہ کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش

تفہیم القرآن ۳

۲۴۲

الحج ۲۲

اب ذرا تاریخوں کا فرق ملاحظہ کیجئے:

۱۔ ہجرت حبش معتبر تاریخی روایتوں کی رو سے رجب ۱۱ھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت اور مہاجرین حبش کا ایک گروہ مصالحت کی غلط خبر سن کر تین مہینے (یعنی اسی سال تقریباً شوال کے مہینے میں) مکہ واپس آ گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ لا محالہ ۱۱ھ نبوی کا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل جس کی ایک آیت کے متعلق بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فضل پر بطور عقاب نازل ہوئی تھی معراج کے بعد اتری ہے اور معراج کا زمانہ معتبر ترین روایت سے ۱۱ھ یا ۱۲ھ ہے۔ اس کے سنی یہ ہوئے کہ اس فضل پر پانچ سال بعد چکے جب اللہ تعالیٰ نے جناب فرمایا۔

اور زبر بحث آیت جیسا کہ اس کا سیاق و سباق صاف بتا رہا ہے۔ ۱۔ ہجرت میں نازل ہوئی ہے۔ یعنی عقاب پر بھی جب مزید دوڑ حاکمی سال گزر لیے جب اعلان کیا گیا کہ یہ آمیزش تو القائے شیطانی سے ہو گئی تھی اللہ نے اسے منسوخ کر دیا ہے۔

۲۔ کیا کوئی صاحب عقل آدمی باور کر سکتا ہے کہ آمیزش کا فعل آج ہو عقاب چھ سال بعد اور آمیزش کی تیغ کا اعلان ۹ سال بعد؟

پھر اس قسم میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ آمیزش سورہ نجم میں ہوئی تھی اور اس طرح ہوئی کہ ابتدا سے آپ اصل سورہ کے الفاظ پڑھتے چلے آ رہے تھے یکایک مناة الثالثة الاخری پر پہنچ کر آپ نے بطور خود یا شیطانی اغواء سے یہ فقرہ ملایا اور آگے پھر سورہ نجم کی اصل آیات پڑھتے چلے گئے۔ اس کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ کفار مکہ سے سن کر خوش ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اب ہمارا اور محمد کا اختلاف ختم ہو گیا۔ مگر سورہ نجم کے سلسلہ کلام میں اس الحاقی فقرے کو شامل کر کے تو دیکھئے۔

”پھر تم نے غور بھی کیا ان لات اور عزی پر اور تیسری ایک اور (دینی) مناة پر؟ یہ بلند پایہ دیوایاں ہیں ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے۔ کیا تمہارے لئے تو ہوں بیٹے اور اس (یعنی اللہ) کے لئے ہوں بیٹیاں؟ یہ تو بڑی بے انصافی کی تقسیم ہے۔ دراصل یہ کچھ نہیں ہیں مگر چند نام جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی۔ لوگ محض گمان اور سن مانے خیالات کی پیروی کر رہے ہیں حالانکہ ان کے رب کی طرف سے صحیح رہنمائی کی گئی ہے۔“

دیکھئے اس عبارت میں خط کشیدہ فقرے نے کیا سرتخ تصاد پیدا کر دیا ہے۔ ایک سانس میں کہا جاتا ہے کہ واقعی تمہاری یہ دیوایاں بلند مرتبہ رکھتی ہیں ان کی شفاعت ضرور متوقع ہے۔ دوسرے ہی سانس میں پلٹ کر ان پر چوٹ کی جاتی ہے کہ بے وقوفانہ یہ تم نے خدا کے لئے بیٹیاں کیسی تجویز کر رکھی ہیں! پھر دھاندلی سے کہ تمہیں تو تمہیں بیٹے اور خدا کے جسے میں آؤں بیٹیاں! یہ سب تمہاری من مٹرت ہے جسے خدا کی طرف سے کوئی سند اعتبار حاصل نہیں ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے اس سوال کو جانے دیجئے کہ یہ صریحاً بے نیکی باتیں کسی مرد عاقل کی زبان سے نکل بھی سکتی ہیں یا نہیں مان لیجئے کہ



شیطان نے غلبہ پا کر یہ الفاظ زبان سے نکلوا دیے۔ مگر کیا قریش کا وہ سارا مجمع جو اسے سن رہا تھا بالکل ہی باطل ہو گیا تھا کہ بعد کے فقروں میں ان تحریری کلمات کی کھلی کھلی تردید سن کر بھی وہ یہی سمجھتا رہا کہ ہماری دیویوں کی واقعی تعریف کی گئی ہے؟ سورہ نجم کے آخر تک کا پورا مضمون اس ایک تحریری فقرے کے بالکل خلاف ہے کس طرح باور کیا جاسکتا ہے کہ قریش کے لوگ اسے آخر تک سننے کے بعد یہ پکاراٹھے ہوں گے کہ چلو آج ہمارا ادر محمد کا اختلاف ختم ہو گیا؟

### تنبیہ

قارئین کرام! یہ تفہیم ج ۳ کا ص ۲۲۲ بھی تاریخی روایتوں کے فرق سے اپنی عقل و قیاس سے اور اپنی طرف سے قصوں کی اندرونی شہادت نکال کر محدثین کرام اور احادیث شریفہ کو مجروح کرنے کی ایک اور مثال ہے۔ یہاں بھی وہی سوال ہے کہ اس طریقہ تنقید سے اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں میں احادیث شریفہ اور ان کے روایہ سے بے اعتمادی کے علاوہ اور کیا نتیجہ برآمد ہوگا؟ یہ چھان بین کی صلاحیت اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ حضرات میں کہاں ہوگی؟ یا ہے؟ یہ تو جناب سید مودودی صاحب مرحوم ہی کی شان قابلیت ہے کہ آیت پاک کے سیاق و سباق کو دیکھ کر صاف معلوم کر لیں کہ صریحاً تضاد کہاں پرواقع ہوا؟ بہر حال آپ نے دیباچہ تفہیم میں جو اپنا معیار بیان کیا ہے یہ تحریرات اس کے بھی خلاف ہیں اس لئے آپ کی گزارش کے مطابق راقم الحروف نے آپ کی غلطیوں سے آگاہ کر دیا ہے تاکہ مولانا مودودی مرحوم کے وضال کے بعد آپ کے پسماندگان دار باب جماعت تفہیم القرآن کو مفید و مستند بنالیں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ان تحریرات میں جو بے اعتمادی حدیث کی ذہن سازی ہے اس کے اثر سے امت مسلمہ کی حفاظت ہو۔ کیونکہ احادیث پر جرح و قدح کر کے مجروح کرنے کو ہر شخص حل نہیں کر پاتا، جو اہل علم ہیں وہ صحیح اور غلط میں فرق کر سکتے ہیں۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

”بہ تاثر سے میری درخواست ہے کہ جہاں کوئی بھی محسوس ہو یا کسی سوال پر

دوبارہ نہ ملے یا دعا اچھی طرح واضح نہ ہو رہا ہو اس سے مجھے مطلع کیا جائے تاکہ میں اس خدمت کو زیادہ سے زیادہ مفید بناسکوں۔ علماء کرام سے بھی میں گزارش کرتا ہوں کہ مجھے میری غلطیوں سے آگاہ فرمائیں۔“ (دیباچہ ص ۶)

اب دیکھنا یہ ہے کہ اس آگاہی کے بعد دار باب جماعت کیا کرتے ہیں؟ یعنی ان تحریرات کے متعلق کس طرح سے امت مسلمہ کو مطمئن کریں گے؟ تاویل کر کے یا باتیں بنا کر؟ یا مولانا مودودی کی غلطیوں کو تسلیم کر کے؟ کس طرح ان تحریرات تفہیم کی تلافی و تدارک کیا جائے گا؟

### مضمون نمبر (۵)

قرآن کی ترتیب اور قرآن کے سیاق و سباق کے نام پر احادیث شریفہ کو قبول کرنے سے صاف انکار

تفہیم القرآن ۳ ۲۲۳ ۲۲۲ ج ۳

”تو ہے اس قصے کی اندرونی شہادت جو اس کے سراسر لغو اور مہمل ہونے کی گواہی دے رہی ہے۔ اس کے بعد دوسری چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ اس میں تین آیتوں کی جو شان نزول بیان کی جا رہی ہے (۱) آیا قرآن کی ترتیب بھی اس کو قبول کرتی ہے؟ قصے میں بیان یہ کیا جا رہا ہے کہ آمیزش سورہ نجم میں کی گئی تھی جو ۵ نبوی میں نازل ہوئی اس آمیزش پر سورہ بنی اسرائیل والی آیت میں مناب فرمایا گیا اور پھر اس کی تفسیر اور واقعہ کی توجیہ سورہ حج کی زیر بحث آیت میں کی گئی۔ اب لامحالہ دو صورتوں میں سے کوئی ایک ہی صورت پیش آئی ہوگی۔ یا تو عتاب اور تنبیخ والی آیتیں بھی اسی زمانے میں نازل ہوئی ہوں جب کہ آمیزش کا واقعہ پیش آیا یا پھر عتاب والی آیت سورہ بنی اسرائیل کے ساتھ اور تنبیخ والی آیت سورہ حج کے ساتھ نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلی صورت ہے تو یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ یہ دونوں آیتیں سورہ نجم ہی میں نہ شامل کی گئیں بلکہ عتاب والی آیت کو چھ سال تک یوں ہی ڈالے رکھا گیا اور سورہ بنی اسرائیل جب نازل ہوئی تب کہیں اس میں لا کر چپکا دیا گیا۔ پھر تنبیخ والی آیت مزید دوڑھائی برس تک پڑی رہی اور سورہ حج

کے نزول تک اسے کہیں نہ چسپاں کیا گیا۔ کیا قرآن کی ترتیب اسی طرح ہوئی ہے کہ ایک موقع کی نازل شدہ آیتیں الگ الگ بھرنی پڑتی رہتی تھیں اور برسوں بعد کسی کو کسی سورت میں اور کسی کو کسی دوسری سورت میں مائل دیا جاتا تھا؟ لیکن اگر دوسری صورت ہے کہ کتاب والی آیت واقعہ ۶ سال بعد اور تیسخ والی آیت آٹھ نو سال بعد نازل ہوئی تو علاوہ اس بے شکے بین کے جس کا ہم پہلے ذکر کرتے ہیں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ حج میں ان کے نزول کا موقع کیا ہے۔

میاں فتح کر فقہ صحیح کا تیسرا قاعدہ ہمارے سامنے آتا ہے یعنی۔  
 کہ کسی آیت کی جو تفسیر بیان کی جارہی ہو اسے دیکھا جائے کہ (۲) آیا قرآن کا سابق و سابق بھی اسے قبول کرتا ہے یا نہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل کا آٹھواں رکوع پڑھ کر دیکھئے اور اس سے پہلے اور بعد کے مضمون پر بھی نگاہ ڈال لیجئے۔ اس سلسلہ کلام میں آخر کیا موقع اس بات کا نظر آتا ہے کہ چھ سال پہلے کے ایک واقعہ پر نبی کو ڈانٹ بتائی جائے (قطع نظر اس سے کہ آیت "إِنْ كُنَّا ذُرًّا نَحْنُ نُحْيِيهِمْ ثُمَّ نُؤْتِيهِمْ نَارًا" میں نبی پر کوئی ڈانٹ ہے بھی یا نہیں) اور آیت کے الفاظ کفار کے حق میں نبی کے چلا ہو جانے کی تردید کر رہے یا تصدیق) اسی طرح سورۃ حج آپ کے سامنے موجود ہے۔ آیت زیر بحث کے پہلے کا مضمون بھی پڑھئے اور بعد کا بھی دیکھئے۔ کیا کوئی معقول و حجاب کی سمجھ میں آتی ہے کہ اس سابق و سابق میں یکایک یہ مضمون کیسے آگیا کہ "اے نبی" ۹ سال پہلے قرآن میں آمیزش کر بیٹھنے کی جو حرکت تم سے ہو گئی تھی اس پر گھبراؤ نہیں پہلے انبیاء سے بھی شیطان یہ حرکتیں کرتا رہا ہے اور جب بھی انبیاء اس طرح کا فعل کر جاتے ہیں تو اللہ اس کو مسخ کر کے اپنی آیات کو پھر پختہ کر دیتا ہے۔

۳۔ ہم اس سے پہلے بھی بار بار کہہ چکے ہیں کہ سورۃ بقرہ اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ کوئی روایت خواہ اس کی سند آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہو اسی صورت میں قابل قبول نہیں ہو سکتی جب کہ اس کا متن اس کے غلط ہونے کی کھلی کھلی شہادت دے رہا ہو اور قرآن کے الفاظ سابق و سابق ترتیب ہر جز اسے قبول کرنے سے انکار کر رہی ہو یہ دلائل تو ایک مشکل اور بے لاگ محقق کو بھی مطمئن کر دیں گے کہ یہ قصہ قطعی غلط ہے۔

تفہیم ج ۳ ص ۲۴۳ کے بالکل آخری سطر میں جناب مولانا مودودی صاحب نے فرمایا کہ  
 "یہ دلائل تو ایک مشکل اور بے لاگ محقق کو بھی مطمئن کر دیں گے کہ یہ قصہ قطعی غلط ہے۔"

### تنبیہ

قارئین کرام! سوال یہ ہے کہ یہ بے لاگ محقق کون ہیں؟ یعنی اس جملہ کے مصداق کون ہیں؟ تو ہمیں ماہنامہ الحسنات کے یادگار مودودی نمبر ص ۲۵۸ سے پتہ چلتا ہے کہ "یہ مشکل اور بے لاگ محقق" خود سید جناب مودودی مرحوم ہی ہیں جیسا کہ باقی میں بھی عرض کیا جا چکا کہ اس میں آپ نے خود ہی اعتراف کیا ہے کہ

"قرآن مجید احادیث پاک و سیرت پاک و قرآن و رسالت میں آپ کو شک پڑ چکا تھا اس لئے ان سب کے مطالعہ سے آپ کے پیش نظر بے لاگ تنقید تھی۔"

(یعنی ایمان لانا مقصود نہیں تھا بلکہ ان سب پر اور ان کے حاملین پر کچھ ڈالنا مقصود تھا اور پھر پورا انداز سے آپ نے یہ نمایاں کارنامہ انجام بھی دیا! سبحان اللہ) کس طرح کہہ دیا جائے کہ جناب مولانا مودودی مرحوم نے اس قصے کی جو اندرونی شہادت بیان کی ہے اس میں منکرین حدیث اور جدیدہ جم و اعتزال کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔



## مضمون نمبر (۶)

(۱) احادیث شریفہ قرآن کی بیسیوں آیتوں سے ٹکراتی

ہیں اور راویوں پر جرح و قدح

(۲) سند کا اتصال یا راویوں کی ثقاہت یا طرق روایت کی کثرت دیکھ کر مسلمان خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے بارے میں کیسی سخت باتیں تسلیم کرنے پر آمادہ

ہوتے ہیں

تفہیم القرآن ۳ ۲۲۲ ۲۲

(۱) ”ہا مؤمن تو ہوا سے ہرگز نہیں مان لیتا جب کہ وہ علانیہ یہ دیکھ رہا ہے کہ یہ روایت قرآن کی ایک نہیں بیسیوں آیتوں سے ٹکراتی ہے۔ (۲) ایک مسلمان کے لئے یہ مان لینا بہت آسان ہے کہ خود اس روایت کے راویوں کو سلطان نے ہرکادبا (۳) یہ نسبت اس کے کہ وہ یہ مان لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی خواہش نفس سے قرآن میں ایک لفظ بھی ملا سکتے تھے یا حضور کے دل میں بھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال آسکتا تھا کہ توحید کے ساتھ شرک کی کچھ آمیزش کر کے کفار کو راضی کیا جائے یا آپ اللہ تعالیٰ کے فرامین کے بارے میں بھی یہ آرزو کر سکتے تھے کہ کاش اللہ میاں ایسی کوئی بات نہ فرماتے جس سے کفار یا راض ہو جائیں یا یہ کہ آپ پر وحی کسی ایسے غیر محفوظ اور مشتعل طریقے سے آتی تھی کہ جبرئیل کے ساتھ شیطان بھی آپ پر کوئی لفظ القا کر جائے اور آپ اسی لفظ نہیں میں رہیں کہ یہ بھی جبرئیل ہی لائے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک بات قرآن کی کھلی کھلی تہنیت کے خلاف ہے اور ان ثابت شدہ عقائد کے خلاف ہے جو ہم قرآن اور محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کے بارے میں رکھتے ہیں۔ خدا کی پناہ اس روایت پرستی سے جو محض سند کا اتصال یا راویوں کی ثقاہت یا طرق روایت کی کثرت دیکھ کر کسی مسلمان کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے بارے میں ایسی سخت باتیں بھی تسلیم کرنے پر آمادہ کر دے۔

۳۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس شک کو بھی دور کر دیا جائے جو راویان حدیث کی انجی بڑی تعداد کو اس قصے کی روایت میں مبتلا ہوتے دیکھ کر دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ ایک شخص سوال کر سکتا ہے کہ اگر اس قصے کی کوئی اصلیت نہیں ہے تو قرآن پر اتنا بڑا بہتان حدیث کے اتنے راویوں کے ذریعے سے جس میں بعض بڑے نامور ثقہ بزرگ ہیں اشاعت کیسے ہو گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ (۵) اس کے اسباب کا سراغ ہم کو خود حدیث ہی کے ذخیرے میں مل جاتا ہے۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور مسند احمد میں اصل واقعہ اس طرح آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ نجم کی تلاوت فرمائی اور خاتمے پر جب آپ نے سجدہ کیا تو قدام حاضرین، مسلم اور مشرک سب سجدہ میں سے گزر گئے۔ واقعہ بس اتنا ہی تھا اور یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ اول تو قرآن کا نزول کلام اور انتہائی پر تاثیر انداز بیان پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کا ایک مہمانہ شان کے ساتھ ادا ہونا اس کو سن کر اگر پورے مجمع پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو گئی ہو اور آپ کے ساتھ سارا مجمع سجدہ میں سے گزر گیا ہو تو کچھ بعید نہیں ہے۔ یہی تو وہ چیز تھی جس پر قریش کے لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ شخص جادوگر ہے البتہ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں قریش کے لوگ اپنے اس وقتی تاثر پر کچھ پشیمان سے ہوئے ہوں گے اور ان میں سے کسی نے یا بعض لوگوں نے اپنے اس فعل کی یہ توجیہ کی ہوگی کہ صاحب ہمارے کانوں نے تو محمد کی زبان سے اپنے معبودوں کی تعریف میں کچھ کلمات سنے تھے اس لئے ہم بھی ان کے ساتھ سجدے میں گر گئے۔ دوسری طرف یہی واقعہ مہاجرین حبشہ تک اس شکل میں پہنچا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح ہو گئی ہے کیونکہ دیکھنے والے نے آپ کو اور مشرکین و مؤمنین سب کو ایک ساتھ سجدہ کرتے دیکھا تھا۔ یہ افواہ ایسی گرم ہوئی کہ مہاجرین میں سے تقریباً ۳۳ آدمی مکہ میں واپس آ گئے۔ ایک صدی کے اندر یہ تینوں باتیں یعنی قریش کا سجدہ اس سجدے کی یہ توجیہ اور



مہاجرین جوٹ کی دہائی مل جل کر ایک قصے کی شکل اختیار کر گئیں اور بعض اوقات  
لوگ تک اس کی روایت میں جھٹا ہو گئے انسان آخر انسان ہے بڑے سے  
بڑے تک اور ذی فہم آدمی سے بھی بسا اوقات لغزش ہو جاتی ہے اور اس کی  
لغزش عام لوگوں کی لغزش سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔  
(۶) عقیدت میں بے جا غلو رکھنے والے ان بزرگوں کی صحیح باتوں کے ساتھ  
ان کی غلط باتوں کو بھی آنکھیں بند کر کے بغض کر جاتے ہیں۔ (۷) اور  
بدظنیت لوگ چھانٹ چھانٹ کر ان کی غلطیاں جمع کرتے ہیں اور انہیں اس  
بات کے لئے دلیل بناتے ہیں کہ سب کچھ جو ان کے ذریعہ سے ہمیں پہنچا  
ہے غلط باتیں کر دینے کے لائق ہے۔

معزز قارئین کرام! راقم الحروف تفہیم ج ۳ ص ۲۳۴ کی عبارات کو اُبھارنے  
کے لئے بڑے عنوانات قائم کرتا ہے اور اس پر مختصر تنقید و تنبیہ بھی کرے گا تاکہ کتاب تنہیم و  
ہو جائے۔

۱۔ ”راہ مؤمن تو وہ اسے ہرگز نہیں مان سکتا جب کہ وہ علانیہ دیکھ رہا ہے کہ یہ  
روایت قرآن ایک نہیں بیسیوں آیتوں سے ٹکرائی ہے۔“

بتلایا جائے کہ آپ کی اس عبارت سے روایات و احادیث کے متعلق کیا  
ذہنیت بنے گی؟ آپ نے اپنی ان عبارات سے کس بات کی ذہن سازی کی ہے؟ کہ  
احادیث شریفہ قرآن کی بیسیوں آیتوں سے ٹکرائی ہیں۔ ایک طرف حدیث پاک اور  
دوسری جانب قرآن کی بیسیوں آیات تو عام مسلمان اس تقابل کی روشنی میں قرآن کی  
بیسیوں آیات کو ترجیح دے گا اور حدیث پاک کو نہیں یہی مقصود و اعظم ہے جناب مودودی  
صاحب کا! کہ عام مسلمان یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ جب ایک روایت کا یہ حال ہے تو پھر  
دوسری روایات و احادیث کا کیا حال ہوگا؟ وہ سب کی سب قرآن سے ٹکرائی ہوں گی  
غلام یہ ہے کہ قرآنی آیت کے عنوان پر حدیث پاک سے بے اعتمادی کی کوشش کی گئی  
ہے۔

۲۔ ”ایک مسلمان کے لئے یہ مان لینا بہت آسان ہے کہ خود اس روایت کے  
راویوں کو شیطان نے بہکا دیا ہے۔“

سب سابق اس جملہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت و عظمت نبوت  
کے بہانے سے راویان حدیث کو مطعون کیا گیا ہے جیسا کہ چھ سطروں کے بعد کی عبارت  
میں صاف صاف تحریر ہے۔ لیکن یہ مسلمان تو جناب سید مودودی صاحب اور ان کے ہمنوا  
منکرین حدیث ہی جیسے ہیں جو راویان حدیث کے بارے میں یہ باتیں لکھیں کہ ان کو  
شیطان نے بہکا دیا العیاذ باللہ۔ چونکہ جناب مودودی صاحب اور منکرین حدیث کے  
پاس شیاطین جاتے ہی نہیں تو پھر انہیں بہکانے کا سوال کہاں؟ سبحان اللہ شیاطین تو  
صرف راویان حدیث کو بہکا تے ہیں؟

۳۔ اس کے بعد آپ نے نسبت و تقابلاً اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے حضور ﷺ کی  
”تبلیغ رسالت کی ادائیگی کو مانے“ کے عنوان سے اسناد اور حضرات محدثین پر جوٹ کی  
ہے یعنی بظاہر ایک طرف نبی کی عقیدت و محبت کا اظہار ہے تو دوسری طرف روایت کے  
راویان پر جرح و قدح کر کے بے اعتمادی کی ہے، تحریر کرتے ہیں

کہ وہ ایک مسلمان کے لئے یہ مان لینا نہایت آسان ہے، خود اس روایت  
کے راویوں کو شیطان نے بہکا دیا، نسبت اس کے کہ وہ یہ مان لے کر رسول  
اللہ ﷺ کو بھی اپنی خواہش نفس سے قرآن میں ایک لفظ بھی ملا سکتے تھے الخ

چار باتیں بیان کی ہیں جو شیعہ علماء کی کتابوں میں موجود ہیں، ان سے شیعہوں کے ”عقیدہ  
تحریف قرآن“ کی ترجمانی ہوتی ہے اور شیعہوں کی باتیں صحیح معلوم ہونے لگتی ہیں، العیاذ  
باللہ، آپ فرماتے ہیں

ان میں سے ایک ایک بات قرآن کی کھلی تصریحات کے خلاف  
ہے اور ان کا ثبوت شدہ و محققہ کے خلاف ہے۔ جو ہم قرآن اور محمد ﷺ کے  
بارے میں رکھتے ہیں۔

واضح رہے کہ جناب مودودی صاحب مرحوم جو باتیں مسلمانوں سے ماننے اور نہ ماننے  
کی کر رہے ہیں۔ وہ ”کلمۃ حق اوبد بھا الباطل“ کے قبیل سے ہے اور سخت قسم کی  
تکلیفات بھی ہیں

ان باتوں کے بارے میں آپ کا فرمان ہے کہ ایک مسلمان کے لئے ان کا نہ لینا بہت

آسان تو نہیں البتہ روایت کے راویوں کو شیطان نے بہکا دیا بہت اس کے ان باتوں کا مان لینا ایک مسلمان کے لئے آسان ہے۔ واضح رہے کہ جملہ "ایک مسلمان کے لئے یہ مان لینا بہت آسان ہے" اس کا مصداق بھی خود جناب مولانا مودودی صاحب کی ذات ہی ہے ورنہ بتلایا جائے کہ دنیا کا وہ کون سا ایک مسلمان ہے؟ جس کے لئے یہ مان لینا بہت آسان ہے کہ روایت کے راویوں کو شیطان نے بہکا دیا۔

۴۔ "خدا کی پناہ اس روایت پرستی سے جو محض سند کا اتصال یا راویوں کی ثقاہت یا طرق ہدایت کی کثرت کو دیکھ کر کسی مسلمان کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے بارے میں ایسی سخت باتیں بھی تسلیم کرنے پر آمادہ کرنے۔"

۵۔ "قرآن پر اتنا بڑا بہتان حدیث کے اتنے راویوں کے ذریعہ سے جن میں بعض بڑے نامور ثقہ بزرگ ہیں اشاعت کیسے پا گیا؟"

آپ نے اپنے اس معصومانہ جملہ دفاعیہ و سوالیہ میں بڑے نامور ثقہ بزرگ کے ذریعہ سے قرآن پر بڑا بہتان لگانے کی ذہن سازی نہیں کی تو پھر کس بات کا تاثر قائم کرانا چاہتے ہیں؟ چنانچہ آپ نے

۶۔ ذخیرہ حدیث کے نام پر محض اپنے قیاس سے بعض بڑے نامور ثقہ بزرگ کے قرآن اور نبی پر بہتان لگانے کے اسباب کا سراغ لگایا ہے۔ یعنی ان بڑے نامور ثقہ بزرگوں نے تو العیاذ باللہ قرآن پر اور نبی پر بڑا بہتان لگایا ہے جس کا سراغ جناب مولانا مودودی مرحوم کو بخاری و مسلم ابوداؤد و نسائی اور مسند احمد کے ذخیرہ احادیث میں مل گیا سبحان اللہ! مطلب یہ ہے کہ اگر قرآن اور نبی پر بڑا بہتان کسی نے نہیں لگایا تو وہ صرف اور صرف جناب مولانا مودودی کی ذات ہے۔ اب اس کا سراغ تو قارئین کرام کو پوری کتاب پڑھنے کے بعد ہی ملے گا۔ جناب مودودی صاحب نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے۔

۷۔ "عقیدت میں بے جا غلو رکھنے والے ان بزرگوں کو صحیح باتوں کے ساتھ ان کی غلط باتوں کو بھی آنکھیں بند کر کے ہضم کر جاتے ہیں۔"

اور ماشاء اللہ آپ تو ان عقیدت میں بے جا غلو رکھنے والے لوگوں میں ہیں نہیں؟ بلکہ آنجناب کی حالت تو یہ ہے کہ احادیث شریفہ کی سند و متن کی منبہ علی دیکھنے

کے بعد اپنی عقل اور اپنے قیاس کی گواہی بھی تلاش کرتے ہیں۔ اگر آپ کی عقل نے گواہی دے دی تو پھر سب باتوں کو آنکھیں بند کر کے ہضم کر جاتے ہیں خواہ وہ باتیں خوارج کی ہوں یا معتزلہ کی ہوں یا شیعوں کی ہوں یا منکرین حدیث کی ہوں ان سے کوئی سروکار نہیں بس معیار حدیث اصل میں یہ ہے کہ آپ کے دائرہ عقل میں وہ بات آجائے تو آنکھیں بند کر کے اس کو ہضم کر لیں گے ورنہ پھر کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا خواہ وہ

بخاری اور مسلم ہی کی احادیث کیوں نہ ہوں؟

۸۔ "اور بدطینت لوگ چھانٹ چھانٹ کر ان کی غلطیاں جمع کرتے ہیں اور انہیں اس بات کے لئے دلیل بناتے ہیں کہ سب کچھ جو ان کے ذریعہ سے ہمیں پہنچا ہے نذر آتش کر دینے کے لائق ہے۔"

ان بدطینت لوگوں میں خود جناب سید مودودی مرحوم بھی ہیں یا نہیں؟ جو اس سے قبل یہ تک لکھنے سے نہیں چو کہ "راویان حدیث کو شیطان نے بہکا دیا"

مجھے اب یہ بتلایا جائے کہ تفہیم القرآن میں جماعت اسلامی میں شامل حضرات زعماء و فضلاء و کلاء ڈاکٹرس انجینیرس اپنے روح رواں کی ان تحریرات کو پڑھیں گے تو وہ بدطینتی کریں گے یا نہیں؟ یا کرتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا ہے یا نہیں؟

راقم الحروف کو تو اپنے علمی و تبلیغی اسفار میں ہندو بیرون ہند میں کئی ایسے حضرات سے ملاقات و گفتگو کی نویت بار بار آچکی ہے جو تفہیم کے فدائی و شیدائی بھی ہیں بزم خود جماعت کے قیم بھی ہیں اور اپنے اپنے علاقوں کے بڑے ذمہ دار بھی ہیں وہ صاف لفظوں میں اکابر محدثین کا نام لے کر تعجیب و تعریض کرتے ہیں۔ جب میں نے ان سے تعجیب و تعریض کی بنیاد معلوم کرنا چاہی تو یہ چلا کہ تفہیم کی ان عبارات ہی نے ان کی اس طرح کی ذہن سازی کی ہے قالی اللہ المستحسنى۔ ان حضرات کی زبانوں پر کچھ اسی قسم کے الفاظ و جملے تھے کہ محدثین کرام کے ذریعہ سے جتنی احادیث شریفہ یا جو چیزیں بھی پہنچی ہیں وہ سب نذر آتش کر دی جائیں۔ تو میں نے ان کی خدمت میں مودبانہ و ساعاۃ عرض کیا کہ عاۓجاہا! لیکن صرف تفہیم کو نذر آتش نہ کیا جائے؟ کیونکہ یہ جناب

مولانا مودودی مرحوم کی فاضلانہ تحقیق انتق ہونے کی وجہ سے خالص روح قرآن ہے۔  
میں نے تفہیم ج ۳ ص ۲۲۴ کی یہی عبارات ان کے سامنے پیش کی جس میں آپ لکھتے  
ہیں کہ:

”بعض ثقہ لوگ تک اس کی روایت میں جھلا ہو گئے انسان آخر انسان ہے  
بڑے سے بڑے نیک اور ذی فہم آدمی سے بھی بسا اوقات لغزش ہو جاتی ہے  
اور اس کی لغزش عام لوگوں کی لغزش سے زیادہ نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔“

میں نے ان سے عرض کیا کہ اس میں حضرات محدثین کرام کی لغزش کی آپ نے  
وضاحت فرمادی لیکن خود اپنی ذات کے متعلق نہیں بتلایا کہ ان جیسے نیک اور ذی فہم  
ولیسیرت کو کہیں بھی اپنی لغزش کا احساس ہوا یا نہیں؟ پھر آپ کی لغزش امت مسلمہ کے لئے  
زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئی یا حضرات محدثین کرام کی؟ میرا خیال یہ ہے کہ جناب مولانا  
مودودی مرحوم تو انسان ہیں مگر شاید انسان ہونے کے باوجود آپ سے کبھی بھی لغزش نہیں  
ہوئی ہوگی؟ کیونکہ آپ نے ہمیشہ ہی دوسروں کی لغزش پر ننگ و تنقید ڈالی ہے۔ بھلا جس کی  
نگاہ عمیق و نظر بصیرت دوسروں کی لغزش پر ہوا ان سے کس طرح لغزش ہو سکتی ہے نیز وہ اپنی  
لغزش کو کس طرح تسلیم کریں گے؟ شاید جناب ڈاکٹر علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اس موقع  
کے لئے فرمایا تھا۔

برا سمجھوں انہیں مجھ سے ایسا ہو نہیں سکتا  
کہ میں خود بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں

مضمون نمبر (۷)

روایات میں تذبذب پیدا کرنے کا بہترین انداز

تفہیم القرآن ۳۳۱ النساء ۴

ماشہ ۲۱۹۔ ”یہ آیت اس سورہ کے نزول سے بہت بعد نازل ہوئی ہے بعض  
روایات سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن کی سب سے آخری آیت

ہے۔ یہ بیان اگر صحیح بھی نہ ہو تب بھی کم از کم اتنا تو ثابت ہے کہ یہ آیت  
۹۰۰ ہجری میں نازل ہوئی۔ اور سورہ نساء اس نے بہت پہلے ایک مکمل سورہ  
کی حیثیت سے پڑھی جا رہی تھی۔ اسی وجہ سے اس آیت کو ان آیات کے  
سلسلہ میں شامل نہیں کیا گیا جو احکام میراث کے متعلق سورہ کے آغاز میں  
ارشاد ہوئی ہیں بلکہ اسے ضمیر کے طور پر آخر میں لگا دیا گیا۔“  
”بعض روایات کا یہ بیان اگر صحیح نہ بھی ہو“

اس جملہ پر غور کیجئے کہ روایات سے اعتماد اٹھا کر تذبذب پیدا کرانے کا کیا اس سے بہتر  
انداز بھی ہوگا؟ نہیں۔ چونکہ جناب مولانا مودودی کا اسلوب صحافی اور خطابی ہے علمی  
و فنی نہیں۔ اس لئے وہ کمال ہوشیاری سے ایسی اصطلاح ہر جگہ استعمال نہیں کرتے جن  
سے بآسانی وہ گرفت میں آسکیں اس طرح اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ حضرات کی نگاہوں  
میں ان کی غلطی پر پردہ پڑا رہتا ہے۔

مضمون نمبر (۸)

مستند روایات کے مقابلہ میں آپ کا گمان و قیاس

تفہیم القرآن ۳۳۳ المائدہ ۵

۱۔ مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰۰۰  
ہجری میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن جس سلسلہ کلام میں یہ واقع ہوئی ہے وہ صحیح  
حدیبیہ سے متصل زمانہ ۹۰ھ کا ہے اور سیاق عبارت میں دونوں فقرے کچھ  
ایسے پیوستہ نظر آتے ہیں کہ یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ ابتداء میں یہ سلسلہ کلام  
ان فقروں کے بغیر نازل ہوا تھا۔ اور بعد میں جب یہ نازل ہوا تو انھیں  
یہاں لا کر نصب کر دیا گیا۔ میرا قیاس یہ ہے ”والعلم عند اللہ کہ ابتداء یہ آیت  
اسی سیاق کلام میں نازل ہوئی تھی اس لئے اس کی حقیقی اہمیت لوگ نہ سمجھ سکے  
بعد میں جب تمام عرب سخر ہو گیا اور اسلام کی طاقت اپنے شباب پر پہنچی تھی تو اللہ  
تعالیٰ نے دوبارہ یہ فقرہ لپنے نبی پر نازل فرمائے اور ان کے اعلان کا حکم  
دیا۔“



تنبیہ

قارئین کرام! دیکھئے مستند آیات کے مقابلہ میں کس طرح آپ نے گمان و قیاس کر کے ان روایات پر جرح و قدح کی کوشش کی ب پھر اپنی بری سے تحریر کرتے ہیں کہ "اس کی (آیت کی) حقیقی اہمیت لوگ نہ سمجھ سکے" یعنی آیت کی حقیقی اہمیت کو اگر کسی نے سمجھا ہے تو وہ جناب سید مودودی صاحب کی ذات ہے کیونکہ آپ نے براہ راست قرآن وحدیث کا مطالعہ کر کے سب پر تنقید کی ہے اور دیگر لوگوں نے تو چند سندوں کے ذریعہ علوم حاصل کئے ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ

ہم اس سے پہلے بھی بار بار کہہ چکے ہیں اور یہاں پھر اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ کوئی روایت خواہ اس کی سند آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہو۔ ایسی صورت میں قابل قبول نہیں ہو سکتی، جبکہ اس کا متن اس کے غلط ہونے کی شہادت دے رہا ہو۔ تفہیم جلد ۲ صفحہ ۲۳۳

### مضمون نمبر (۹)

مدارس اور یونیورسٹیاں جاہلیت کی تعریف میں

تفہیم القرآن ۳۸۰ المائدہ ۵

۸۳۔ "جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیونکہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے اور اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانہ قبل اسلام کو جاہلیت کا دورا سی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں علم کے بغیر شخص وہم یا قیاس و گمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لیے زندگی کے طریقے مقرر کر لیے تھے۔ یہ طرز عمل جہاں جس دور میں بھی انسان اختیار کریں اسے بہر حال جاہلیت کا طرز عمل کہا جائے گا مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے وہ شخص ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہے۔ لہذا خدا کے دے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظام زندگی اس جزوی علم

کے ساتھ ظنون و اوهام اور قیاسات و خواہشات کی آمیزش کر کے بنائے گئے ہیں وہ بھی اسی طرح "جاہلیت" کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے تھے۔

تفہیم ج اول ۳۸۰ کی ان عبارات سے ہم نے ۵ عنوانات قائم کئے ہیں تاکہ تفہیم کے متعلق کچھ سوالات کے جوابات معلوم ہو جائیں۔

۱۔ "مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے"

۲۔ "مدارس اور یونیورسٹیوں کا جزوی علم بھی کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہے"

۳۔ "مدارس اور یونیورسٹیوں کا نظام زندگی خدا کے دے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر (ہے)"

۴۔ "مدارس اور یونیورسٹیوں میں اس جزوی علم کے ساتھ ظنون و اوهام قیاسات و خواہشات کی آمیزش کر کے جزوی نظام بنائے گئے ہیں"

۵۔ "مدارس اور یونیورسٹیاں بھی اسی طرح "جاہلیت" کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے تھے"

قارئین کرام! مدارس اسلامیہ اور جدید یونیورسٹیوں کو جاہلیت کی تعریف میں داخل کرنے کے بعد یہ اس عظیم شخص کی تنقیدات ہیں جو خود ہی اقرار کرتے ہیں کہ دینی علوم کی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ ہی کسی یونیورسٹی میں جا کر مکمل تعلیم حاصل کی بلکہ قدیم اور جدید کے ان مراکز علیہ سے تھوڑی تھوڑی تعلیم حاصل کر کے اپنا الگ مطلب شروع کر دیا۔ مزید طرہ یہ ہے کہ دینی اصول کے ماہر اور مزاج شناس نبوت بھی کہلانے لگے۔ حالانکہ بیچ کے راس کے آدمی (ماڈرن مولوی) ہیں ملاحظہ کیجئے ترجمان ج ۱۳ عدد ۳ ص ۲۲۷ میں آپ لکھتے ہیں کہ

"مجھے کروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے میں ایک بیچ راس کا آدمی ہوں جس نے جدید اور قدیم دونوں طریقہ ہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصہ پایا ہے دونوں کو چوں کو خوب چل بھر کر دیکھا ہے" ترجمان ج ۱۳ عدد ۳ ص ۲۲۷ اسی ترجمان میں لکھتے ہیں کہ

اپنی بصیرت کی بناء پر نہ تو قدیم کردہ کو سراپا خیر سمجھتا ہوں اور نہ جدید کردہ کو دونوں کی خامیوں پر میں نے آزادی کے ساتھ تنقید کی۔ (حوالہ سابق)

اس لئے جناب مولانا مودودی صاحب اپنی ہی ان تحریرات میں اعتراف حقیقت کی بنیاد پر "نیم ملا اور نیم حکیم" کے مصداق قرار پاتے ہیں کہ آپ سے جان کا بھی خطرہ اور ایمان کا بھی خطرہ۔ جب دونوں گروہ کو آپ سراپا خیر نہیں سمجھتے تو کیا سمجھتے ہیں؟ اور کس کو سراپا خیر سمجھتے ہیں؟ یہی کہ مدارس اور یونیورسٹیاں جاہلیت کی تعریف میں ہیں؟ علاوہ ازیں جب مدارس اور یونیورسٹیوں میں جڑی علم ہے اور وہ بھی علوم الہیہ سے بے نیاز ہو کر جاہلیت کی طرح ہے تو کلی علم کہاں ملے گا؟ تعلیم میں؟ اس میں آپ نے ۵۵ سالہ مطالعہ کے ٹھوڑے میں جو نایاب تحقیقات پیش کی ہیں کیا وہ ہر معنی میں انسان کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں؟ کیا ۵۵ سالہ مطالعہ کے ٹھوڑے میں علوم تعلیم القرآن خدا کے دئے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر نہیں ہیں؟ کیا تعلیم میں غنوں، اہام، قیاسات و خواہشات کی آمیزش نہیں ہے؟ کیا تعلیم میں آپ کے اس طرز تحقیق کو اب جاہلیت کے عمل سے تعبیر نہ کیا جائے؟ اگر ان سوالوں کے جوابات اثبات کے بجائے نفی میں ہیں اور ان سے ادباً جماعت کو تکلیف ہوگی تو پھر مدارس اسلامیہ اور ان میں پڑھائی جانے والی تعلیمات کے متعلق اس طرح کی زہر افشانی کر کے تحریریں ذہن سازی کون سی شرافت و انسانیت کہلائے گی؟ اور جناب سید مودودی نے مدرسوں اور یونیورسٹیوں کو جاہلیت کی تعریف میں شامل کر دیا تو اوسط درجہ کے عوام الناس اور قارئین تعلیم روح قرآن تک پہنچ گئے؟

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ آپ کے قلم سے کیا کیا ناقابل قبول اشتعال انگیز تحریرات وجود میں آئی ہیں کاش تعلیم کو بھی تحقیقی و تنقیدی نظر سے دیکھ کر مکمل جائزہ لیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ اس میں علم و تحقیق کے نام پر کیا کیا گھل گھلائے گئے ہیں؟ اگر اسی کا نام علم و تحقیق ہے تو لغت ہے ایسے علم و تحقیق پر۔

## مضمون نمبر (۱۰)

بائبل کی کتاب تلمود سے مزید تفصیل بیان کرنا کیا مطلب؟

تفہیم القرآن ۱ ۳۱۹ التمام

حاشیہ ۱۔ اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا "اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے۔ عام طور پر جو بات اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آدم کی پہلی سے چار پیدائشیں تلمود میں مزید تفصیل سے کرائیں جانب کی تیرہویں پہلی سے پیدا کیا گیا تھا۔ لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے۔ (۲) اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے۔ لہذا یہ بہتر ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔"

۱۔ عام طور پر جو بات اہل تفسیر بیان کرتے ہیں اور جو بائبل میں بھی بیان کی گئی ہے۔"

## تنبیہ

یہاں آپ نے اہل تفسیر کے بیان کی توثیق کیوں کی؟ اس لئے کہ بائبل میں بھی وہی بات بیان کی گئی ہے۔ لیکن پھر اس کی مزید تفصیل بائبل کی کتاب تلمود سے بیان کرنے کا کیا مطلب؟ کیونکہ کتاب اللہ اس کے متعلق خاموش ہے تو بائبل سے تفصیل پیش کرنا اس کی قباحت کو اور زیادہ مؤکد کر دیتا ہے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بائبل سے اگر کوئی بات اہل تفسیر نے بیان کی ہے تو اس پر تنقید کرتے کہ (۱) اسرائیلی روایتوں کی وہ قسمیں جو قرآنی حقیقتوں کے موافق نہ ہیں (۲) اور جو قرآن و سنت کے مخالف ہیں وہ یقیناً باطل غلط اور جھوٹ ہیں (۳) اور اسرائیلی روایتوں کی تیسری قسم کے متعلق حکم شرعی یہ ہے کہ مکمل سکوت اختیار

کیا جائے نہ اس کی تصدیق کی جائے نہ اس کی تکذیب کیونکہ اگر ہم اس کو سچ مان لیں اور وہ اللہ کے نزدیک جھوٹی ہو۔ اور اگر وہ جھوٹ مان لیں پھر وہ اللہ کے نزدیک سچی ہو تو دونوں صورتوں میں آفت کا سامنا ہے اس قسم کی اسرائیلی روایتوں سے ہم قرآن کی تفسیر میں قطعاً بے نیاز ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اسلام کے احکام و مسائل سے ہر شخص بخوبی واقف ہو اور اصول دین کے بارے میں مسلمانوں کو کسی غلط فہمی میں پڑ جانے کا اندیشہ نہ ہو تو اس شرط کے ساتھ اسرائیلیات کو نقل کرنے کی حضور سلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اجازت ہے کہ مسلمان کسی دینی فتنہ کے شکار نہ ہو جائیں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۸۸)

اور سیدنا امام مالکؒ نے حدیثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج کے متعلق فرمایا ہے کہ اس سے ”امر احسن“ مراد ہے یعنی جھوٹی باتوں کو اور جن باتوں کے متعلق قرآن و حدیث خاموش ہیں ان کو نقل کیا ممنوع ہے اس حدیث میں جو اسرائیلیات کے نقل کرنے کی بظاہر اجازت ہے وہ عام ہیں بلکہ خاص امر متحسن کی اجازت ہے۔

قارئین کرام! ”ولانا مودودی اسرائیلیات کے متعلق تحقیق و تنقید کیا کرتے؟ انہوں نے تلمود سے مزید تفصیل پیش کرتے ہوئے فیصلہ بھی اپنے ان الفاظ میں فرمادیا کہ

۲۔ ”لیکن کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے اور جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے لہذا بہتر یہ ہے کہ بات کو اسی طرح مجمل رہنے دیا جائے جس طرح اللہ نے اسے مجمل رکھا ہے اور اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے۔“

اب خط کشیدہ عبارات قابل گرفت ہونے کی وجہ سے انتہائی قابل غور ہیں سب سے پہلی بات یہ ہے جب کتاب اللہ اس بارے میں خاموش ہے اور تمام اہل تفسیر نے اس موقع پر تفصیل و اختصار سے ہی کام لیا ہے تو آئینہ خیال نے بائبل کی کتاب تلمود سے مزید اس کی تفصیل کیوں پیش کی؟

دوسری بات قابل گرفت یہ ہے کہ مودودی مرحوم تحریر فرماتے ہیں کہ ”جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھا ہے“

یعنی مفہوم صرف اور صرف جناب سید مودودی صاحب نے ہی سمجھا ہے اب اس میں بھی غور طلب سوالات یہ ہیں کہ لوگوں نے کیوں نہیں اس حدیث کا مفہوم سمجھا؟ اور جناب مودودی صاحب نے جو کچھ سمجھا تو کیا سمجھا؟ اور کیوں سمجھا؟ اور جو کچھ سمجھا تھا اس کو یہاں مفصلاً بیان کرنے کے بجائے اس کی تفصیلی کیفیت سمجھنے سے اپنے ان الفاظ میں کیوں منع فرمادیا کہ

۳۔ ”اس کی تفصیلی کیفیت کو متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے“

لہذا اب تو ہم اس حقیقت کی تفصیلی کیفیت کی طرف ضرور جائیں گے تاکہ مذکورہ سوالوں کا سراغ مل سکے اور جناب سید مودودی مرحوم کی علمی و دینی و اعتقادی خیانت ظاہر ہو جائے

## اصل بات کیا ہے؟

اس آیت پاک میں پیدائش کی تین صورتوں کا بیان ہے جس میں دوسری صورت کو بعض لوگوں نے تو ہم پرستی کی بنیاد پر نہیں مانا ہے بلکہ صاف انکار کر دیا ہے اور جناب مودودی مرحوم نے بھی ان ہی بعض تو ہم پرستوں کی اتباع میں لکھ مارا کہ ”اس کی تفصیلی کیفیت ہمارے علم میں نہیں ہے“ بلکہ ”اس کی تفصیلی کیفیت متعین کرنے میں وقت ضائع نہ کیا جائے“ یہاں دراصل بخاری شریف کی حدیث ”انھن خلقن من ضلع وان اعوج شی من ضلع اعلاء“ کو ہی مودودی صاحب نے انکار فرما کر ظلم عظیم کیا ہے۔

چونکہ بخاری مسلم کی یہ حدیث آپ کی سمجھ میں نہیں آئی اسی لئے آپ تحریر کیا کہ ”جو حدیث اس کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو لوگوں نے (یعنی محدثین و مفسرین نے) سمجھا ہے“

تو غور طلب بات یہ ہے کہ اگر آپ نے حدیث پاک کا صحیح مفہوم سمجھا تھا تو اس کو کیوں نہیں بیان کیا؟



آئیے سمجھیں کہ اس موقع پر جناب مودودی صاحب نے کتنی بڑی غلطی کی ہے

اس کی تفصیلی وضاحت کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی علیہ الرحمہ نے بیان القرآن میں اس آیت پاک کے ذیل میں جو فائدہ تحریر فرمایا ہے راقم الحروف اس کو من و عن نقل کرنا ضروری سمجھتا ہے تاکہ قارئین کو معلوم ہو جائے کہ جناب سید مودودی مرحوم نے آیت پاک کی تائید میں بخاری و مسلم کی اس حدیث کا کیوں انکار کیا ہے؟ اور اس کے علاوہ آیت پاک "ان الله على كل شئ قدير" کو بھی ماننے سے انکار کیا ہے۔ فیا حسرتا وہ یا اسفاه۔

دیکھئے بیان القرآن میں ہے:

اس آیت میں پیدائش کی بنیادوں کا بیان ہے ایک تو جاندار کا بے جان سے پیدا کرنا کیونکہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے ہیں دوسرے جاندار کا جاندار سے بلا طریقہ تولد متعارف پیدا ہونا کیونکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی پستی سے پیدا ہوئی ہیں جیسا حدیث متفقین وغیرہ میں ہے "انهم خلقهم من ضلع وان اخرج شیء من ضلع اعداء" اور دوسرے جاندار کا جاندار سے بطریق تولد متعارف پیدا ہونا جیسا اور آدم و حوا سے اس وقت تک پیدا ہوتے آ رہے ہیں۔ اور فی نفسہ عجیب ہونے میں اور قدرت کے سامنے عجیب نہ ہونے میں تینوں صورتیں برابر ہیں پس بعد ثبوت بالدلیل کسی صورت کا محض بنا پر تو ہم پرستی کے انکار کرنا جیسا کہ بعض صورت ثانیہ کے منکر ہیں (راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جیسے مودودی صاحب نے ہی انکار کیا ہے) نہایت ہی ظلم ہے رہا یہ سوال کہ اس صورت کے اختیار کرنے سے کیا فائدہ؟ بدیں وجہ مدفوع ہیکہ اول تو ہم یقین فائدہ و اسرار کا دعویٰ نہیں کرتے نہ اس کی کچھ ضرورت دوسرے ممکن ہے کہ ایک حکمت یہ بھی ہو کہ اللہ تعالیٰ کا سب طرح کی پیدائش پر قادر ہونا تحقیق ہو جائے دوسرے یہ کہ بچہ جنم لے کر جو صورت اس وقت متعارف ہے اس میں کیا اسرار و فوائد ہیں؟ جب یہ معلوم نہیں وہ بھی کسی اور یہ شبہ کہ پھر آدم کی وہ چلی بدن سے

غائب ہوگئی ہوگی تو اول تو یہ ضرور نہیں کیا اس کہنے سے کہ کوئی چیز مٹی سے بنی کسی عاقل کے نزدیک لازم آتا ہے کہ پھر مٹی عالم سے غائب ہوگئی ہوگی۔ بلکہ ہر شخص کے نزدیک مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ مٹی کے بعض اجزاء سے وہ چیز بنائی گئی ہیں اگر اس طرح یہاں بھی کہا جاوے کہ کسی جزو خاص نہایت قلیل المقدار کو لے کر اس کو اصل قرار دیا اور اپنی قدرت سے اس کو بڑھا کر ایک خاص صورت بنا دی تو اس میں کیا اشکال ہے؟ دوسرے اگر بلا دلیل اس لازم کو کوئی مان لے تو اس میں کون سا محال لازم آتا ہے کہ آدم کے بدن میں ایک بڑی کم ہوگئی ہو رہا ہے کہ اس کے نکالنے سے ان کو تکلیف ہوئی ہوگی محض لفظاً وہم ہے ان الله على كل شئ قدير۔

خلاصہ: یہ کہ محض تو ہم پرستی کی بنیاد پر جناب سید مودودی صاحب نے مذکورہ حدیث پاک اور آیت پاک کا انکار کیا کیونکہ اس حدیث مذکور سے اس آیت کی تفصیلی کیفیت معلوم ہوتی ہے لہذا جناب مودودی مرحوم کی ہدایت کے مطابق اگر بات کو مجمل رہنے دیا جائے تو یہ قباحات شدیدہ و خبیثہ و کفریہ لازم آتی ہیں فنعود بالله من هذه الخرافات ونقول ان الله على كل شئ قدير۔

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں کہ علم تفسیر میں یہ تفصیلات کتنی اہمیت رکھتی ہیں اگر ان کو نہ بیان کی جائیں تو کس قدر نقصان لازم آتا ہے مگر جناب سید مودودی مرحوم کے نزدیک ان تفصیلات کو بیان کرنا عالمی اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے غیر ضروری ہوں۔ قطع نظر اس سے کہ حدیث پاک ہی کا انکار کر دیا جائے اور صاف کہہ دیا جائے کہ "ان تفصیلات کو متحین کرنے میں وقت کو ضائع کرنا ہے" کیا یہی ہے قرآن کا مضمون و مدعا؟ اور قرآن پاک کا وہ اثر جو تنہیم کے ذریعہ سے آپ نے اپنے قارئین پر ڈالنا چاہا ہے؟ کیا اس طریقہ کار و انداز تحریر سے جناب سید مودودی صاحب کا مقصد پورا ہو گیا جس کے بارے میں آپ نے تحریر کیا ہے:

"جو مقصد میں نے اس کام میں رکھا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عام ناظر اس کتاب کو پڑھتے ہوئے قرآن کا مقبوم و مدعا بالکل صاف صاف سمجھتا چلا جائے اور اس سے وہی اثر قبول کرے جو قرآن اس پر ڈالنا چاہتا ہے"

(دنیاء تنہیم)

کسی نے سچ کہا ہے کہ۔

بڑی شور سنتے تھے پہلو میں جن کا

جو چیرا تو ایک قطرہ خوں بھی نہ نکلا

شاید اسی لئے آنجناب مودودی نے نصیحت فرمائی تھی اگر کسی نے تفصیلاً کیفیت کو متعین کرنے میں وقت لگایا تو ان کا راز فاش ہو کر بند پٹارہ کھل جائے گا کہ ان کو انکار حدیث بخاری کے ساتھ ساتھ قدرت خداوندی کا بھی انکار ہے۔ اور یہ کہ آنجناب والا ہم پرستی کے شکار ہیں لیکن جناب مودودی نے جن امکانات و سوالات کی بنیاد پر زیر بحث مسئلہ میں آیت پاک ”ان اللہ علی کل شیء قدير“ کا انکار اور آیت پاک ”خلقکم من نفس واحدة“ کی تائید میں بخاری و مسلم کی حدیث کا انکار کیا ہے اس کے بارے میں جناب کی ایک دوسری تحریر کی بنیاد پر راقم الحروف صاف صاف عرض کرتا ہے کہ آنجناب کو اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہیں تھا۔ ہمارے اس دعوے کی دلیل تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۸۷ بنی اسرائیل حاشیہ نمبر ۱۱ معراج کے بیان میں آپ ہی کی تحریر ہے۔

”لیکن جب ذکر یہ ہو کہ خدا نے فلاں کام کیا تو پھر امکان کا سوال وہی شخص اٹھا سکتا ہے جسے خدا کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہ ہو“

لہذا آپ ہی کے اس اصول و قاعدہ اور بیان کردہ اہل ضابطہ سے ثابت ہوا کہ خلقکم من نفس واحدة میں آپ نے صورت ثانیہ یعنی جاندار کا جاندار سے ہر طریقہ توالد و متاثر متعارف پیدا ہونا جیسا کہ حدیث شیخین میں حضرت حواء کے متعلق ہے وہ حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئیں اور جب اللہ نے ان کو پیدا کیا تو اس کے انکار کرنے کا صاف واضح مطلب یہی ہوا کہ جناب مودودی صاحب کو خدا کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہیں تھا۔ العیاذ باللہ ورنہ اس صورت ثانیہ کے آپ منکر نہ ہوتے۔

قارئین کرام! یہ جناب کی وہی مذہب باندہ و کافرانہ کیفیت ہے جس کے متعلق ماہنامہ الحسنات یا دیگر مودودی نمبر ۱۶۸ کے حوالہ سے راقم الحروف لکھ چکا ہے

”آپ کو تو حیدر رسالت و وحی احمدیٹ پاک سیرت پاک سب سے یقین اٹھتا چلا گیا تنگ اور ارباب سے ایمان و ایقان کی بنیادیں منہدم ہو گئیں خدا کی وجود کچھ میں نہ آتا تھا۔۔۔ الخ“

العیاذ باللہ تفہیم القرآن کی ان عبارات کی بنیاد پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسی بے ایمانی و بے یقینی کی حالت میں آپ دین سے رخصت ہو گئے؟ یا پھر یہ تحریرات ان ہی ڈیڑھ سال کا فرائض کیفیت ہی میں لکھی گئی ہیں اس کے علاوہ اور کوئی تیسری صورت سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

### مضمون نمبر (۱۱)

قرآن اور بائبل کا باہم مقابلہ اور احادیث و تفاسیر یقینی ذریعہ معلومات نہیں نعوذ باللہ

تفہیم القرآن ۴۱۹ النساء ۴

حاشیہ ۱۹۳۔ یہ آیت تصریح کرتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر چڑھائے جانے سے پہلے اٹھالے گئے تھے اور یہ کہ مسیحیوں اور یہودیوں دونوں کا یہ خیال کہ مسیح نے صلیب پر جان دی محض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ (۱) قرآن اور بائبل کے بیانات کا متقابل مطالعہ کرنے سے ہم سمجھتے ہیں کہ غالباً بیتا طرس کی عدالت میں تو چوٹی آپ ہی کی ہوئی تھی مگر جب وہ سزائے موت کا فیصلہ سنا چکا اور جب یہودیوں نے مسیح جیسے پاک نفس انسان کے مقابلہ میں ایک ڈاکو کی جان کو زیادہ قیمتی ٹھہرا کر اپنی حق دشمنی و باطل پسندی پر آخری ٹمر بھی لگا دی تب اللہ تعالیٰ نے کسی وقت آنجناب کو اٹھالیا۔ بعد میں یہودیوں نے جس شخص کو صلیب پر چڑھایا وہ آپ کی ذات مقدس نہ تھی بلکہ کوئی اور شخص تھا جس کو مذہب معلوم کس وجہ سے ان لوگوں نے صلیبی ابن مریم سمجھ لیا۔ تاہم ان کا جرم اس سے کم نہیں ہوتا کیونکہ جس کو انہوں نے کانٹوں کا تاج پہنایا جس کے منہ پر تھوک اور جسے ذلت کے ساتھ صلیب پر چڑھایا اس کو وہ عیسیٰ بن مریم ہی سمجھ رہے تھے۔ (۲) اب یہ معلوم

کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ معاملہ کس طرح ان کے لئے مشتبہ ہو گیا۔ چونکہ اس باب میں کوئی یقینی ذریعہ معلومات نہیں ہے (۳) اس لئے مجرد قیاس و گمان اور افواہوں کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس شبیہ کی نوعیت کیا تھی جس کی بنا پر یہودی یہ سمجھے کہ انہوں نے عیسیٰ بن مریم کو صلیب دی ہے ورنہ علیحدہ عیسیٰ بن مریم ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔

۱۔ ”قرآن اور بائبل کے بیانات کا متقابل مطالعہ کرنے سے ہم یہ سمجھتے ہیں..... الخ“

محترم قارئین کرام! عالم اسلام کی ایک مایہ ناز شخصیت مفکر اسلام مجددی و مشفق جناب مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”مطالعہ قرآن اور اس کے اصول و مبادی“ ص ۱۲۹ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

”کہ ان صحیفوں اور قرآن کا موازنہ ہی سرے سے غلط ہے اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔ کیونکہ مقابلہ اور موازنہ ایک درجہ کی چیزوں میں ہوتا ہے۔“

اب آپ خود ہی غور فرمائیں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس تحقیقی فیصلہ کے بعد جناب مودودی کے لئے قرآن اور بائبل کے بیانات کا باہم متقابل مطالعہ کرنا اور اس سے قرآنی حقیقت کو سمجھنا یہ قرآن اور بائبل کو ایک درجہ کی چیز قرار دینا ہے یا نہیں؟۔ پھر بائبل کے بیان سے اپنے قیاس کی بنیاد پر قرآن پاک کی کسی چیز کو سمجھنے کی کوشش کس قدر غلط اور ناواقفیت پر مبنی ہے۔

۲۔ ”اب یہ معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ معاملہ کس طرح ان کے لئے مشتبہ ہوا چونکہ اس باب میں کوئی یقینی ذریعہ معلومات نہیں ہے اس لئے مجرد قیاس و گمان اور افواہوں کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس شبیہ کی نوعیت کیا تھی..... الخ“

یہاں آپ نے حدیث و تفسیر کی کتابوں میں لکھی ہوئی شبہ کی نوعیت کو قیاس و گمان اور افواہوں کی بنیاد سے تعبیر کی ہے اور بائبل کے بیان کے مطابق پیلاطیس کی عدالت کے واقعہ کو اپنے قیاس کی بنیاد پر صحیح مانا اور یہودیوں کی اپنی انکل سے نکلی ہوئی مختلف باتوں کی تصدیق کی ہے۔ شبہ کی نوعیت کے متعلق ترجمہ شیخ الہند کے فوائد عثمانی ص ۱۳۲ میں ہے۔

”قصہ یہ ہوا کہ جب یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کا عزم کیا تو پہلے ایک آدمی ان کے گھر میں داخل ہوا حق تعالیٰ نے ان کو تو آسمان پر اٹھایا اور اس شخص کی صورت حضرت مسیح علیہ السلام کی صورت میں مشابہ کر دی جب باقی لوگ گھر میں گھسے تو اس کو سمجھ کر قتل کر دیا پھر خیال آیا تو کہنے لگے کہ اس کا چہرہ تو مسیح کے چہرہ کے مشابہ ہے اور باقی بدن ہمارے ساتھی کا معلوم ہوتا ہے کسی نے کہا کہ یہ متوکل مسیح ہے تو ہمارا آدمی کہاں گیا؟ اور ہمارا آدمی ہے تو مسیح کہاں ہے؟ اب صرف انکل سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا ظلم کسی کو بھی نہیں۔ حق یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ ہرگز متوکل نہیں ہوئے بلکہ آسمان پر اللہ نے اٹھا لیا اور یہود و مشرکین میں ڈال دیا۔“

لیکن محدث جلیل حضرت استاذ ذی الکریم مفتی محمد رفیع مفتی سعید احمد صاحب پانپوری زید مجدہ محدث دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب العون میں ابن کثیر کے حوالہ سے سند صحیح حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک دوسری روایت نقل فرمائی ہے۔

”جس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک مکان میں بارہ حواریین تشریف فرما تھے حضرت مسیح کے رنج کا وقت قریب آیا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اسی حجرہ میں قیام فرماتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ میری جگہ تم میں سے کوئی ہے؟ جو متوکل ہونا پسند کرے؟ اگر ایسا ہو جائے تو وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا ایک کم سن نوجوان نے اس سعادت و خوش قسمتی کو حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے بیٹھ جانے کا حکم فرمایا پھر آپ نے تین مرتبہ ای طرح اعلان فرمایا لیکن ہر دفعہ وہی خوش قسمت نوجوان نے اس سعادت عظمیٰ کو حاصل کرنے کی کوشش کی تو آپ نے تیسری دفعہ اس کو منظور فرمایا۔ بس اسی وقت وہ نوجوان اللہ کی قدرت سے حضرت عیسیٰ کے مشابہ ہو گیا اور آپ کو حجرہ کے روشندان سے اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھالیا۔ اس کے بعد یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہت رکھنے والے نوجوان کو قتل کر کے صولی پر چڑھایا۔“ (العون ص ۱۱۰)

بہر حال نوعیت اشتباہ کی روایات صحیحہ مختلف ہیں جن روایات کو مودودی صاحب یقینی ذریعہ معلومات میں نہیں مانتے ہیں چونکہ وہ کہتے ہیں کہ احادیث سے حد سے حد اگر کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو وہ گمان صحت ہے نہ کہ



علم یقین (ترجمان ج ۳۶ عدد ۳ ص ۲۶۷)

تو جو چیز مفید یقین نہ ہو اس کی طرف توجہ کرنا یا معرض بحث میں لانا غالباً جناب سید مودودی نے بے سود سمجھا لیکن اس کو رد کرنا تو کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے خلاف اس سے قوی دلیل موجود نہ ہو،

قارئین کرام! بائبل کے بیانات کو یقینی ذریعہ معلومات میں سے اور احادیث و تفسیر کو غیر یقینی ذریعہ معلومات میں سے ماننے کا صاف مطلب کیا ہے؟ اب کس طرح کوئی کہہ دے کہ جناب سید مودودی صاحب بھی کھلم کھلا اعلانیہ طور پر تو نہیں بلکہ اپنی تحریرات و عبارات تفہیم القرآن کے چھپے ہوئے صفحات میں یہودیوں کے اور مخترف بائبل کے وکیل و ترجمان نظر آرہے ہیں۔ اسی لئے تنقیحات ص ۱۳۶ میں آپ نے تحریر کیا ہے کہ:

”قرآن و سنت رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و سنت کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔ ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہئیں کہ جو قرآن و سنت کے مغز کو پانچے ہوں۔“ (تنقیحات ص ۱۳۶)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن و سنت رسول کی تعلیم پرانے ذخیروں سے نہ دی جائے تو پھر کس سے دی جائے؟ نئی حدیثیں کہاں سے اور کیسے پیدا کی جائیں گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نئے ذخیروں میں سے جس طرح بائبل کے بیانات کی بنیاد پر جناب سید مودودی صاحب نے تعلیم دی ہے اس طرح تعلیم دی جائے۔ چونکہ بائبل کے مطالعہ کرنے کے بعد ہی آپ نے قرآن و حدیث کے مغز کو پایا ہے۔ لہذا تعلیم دینے والے سچی کو آپ کی طرح بائبل کا تقابلی مطالعہ کرنا چاہئے اور تفسیر و سنت کے پرانے ذخیروں کو نذر آتش کرنا چاہئے؟ قالی اللہ المشتکی واللہ المستعان علی ماتصفون۔

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب کے طریقہ اور استدلال کی حقیقت جاننے کے لئے الفوز الکبیر کی اس عبارت پر نظر ڈال لینا کافی ہوگا کہ دراصل نصاریٰ کی انجیل میں آپ انجیل کی عبارتوں سے استدلال کرتے ہیں۔

و کانوا يتمسكون في هذا الباب ببعض نصوص الانجيل... الخ۔

یعنی نصاریٰ انجیل کی عبارتوں سے مختلف طریقوں پر استدلال کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے ”رفع الی السماء“ کے بعد ہی نصاریٰ اصل انجیل سے محروم ہو گئے تاہم اس کی حفاظت نہ کر سکے اور حضرت کے بجائے پولوس طرسوسی کی تعلیمات کی پیروی کر لی اور رفتہ رفتہ ایک انجیل کی جگہ بہت ساری انجیلوں نے لے لی اور پہلی صدی عیسوی سے چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک انیس سے زائد انجیل کی بھرمار ہو گئی تھی کیونکہ ”انجیل“ کی گمشدگی کے بعد ”انجیل“ کا مدار کشف والہام پر ہو گیا تھا لہذا ”ہر کہ آمد مارت نو ساخت“ انجیل کی اس بوجہتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر ارباب نصرانیت کو تشویش ہوئی تو ۳۲۵ء میں ”نکیسیا کونسل“ نے بقول علامہ مناظر احسن گیلانی ساری انجیلوں کو اکٹھا کر کے ”جموئی کر جائے“ کی رو جائے کے درود دعا کے ذریعہ چار کا انتخاب کیا اور باقی نظر انداز کر دی گئیں تاہم ان کا حال بھی انجیل کے قدیم ذخیرہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہا اور تہم القرآن کا سچا تبصرہ ”انہما کتب تارینہ مضطرب المصادر منہا ما هو کذب ومنہا ما هو متناقص“ حرف بحرف صادق آتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے اکتہار الحق ج اول ص ۱۳۵ پر۔

اس صورت حال میں اسے آسانی کتاب کہنا اور قرآن کریم کے مقابلہ میں عیسائیوں کی طرح جناب مودودی صاحب کو اختیار کرنا کیا انسانییت و نادانی کے سوا کچھ اور ہو سکتا ہے؟ (مستفاد الفوز العظیم ج اول ص ۱۳۳) واللہ اعلم کہ حضرات محدثین کی اتباع میں استدلال نہ کر کے نصاریٰ کی طرح استدلال کرنے میں جناب مودودی صاحب کا کون سا مخفی راز ہے؟

مضمون نمبر (۱۲)

ترندی شریف کی حدیث بھی آپ کے نزدیک معتبر ذریعہ میں نہیں

تفہیم القرآن ۵۱۶ المائدہ ۵  
حاشیہ ۱۲۹۔ ”قرآن اس باب میں خاموش ہے کہ یہ خوان فی الواقع ۲۱ آیتا گیا

یا نہیں۔ دوسرے کسی معتبر ذریعہ سے بھی اس سوال کا جواب نہیں ملتا ممکن ہے کہ یہ نازل ہوا ہو اور ممکن ہے کہ حواریوں نے بعد کی خفیاں دھکیلیں کہ اپنی درخواست واپس لے لی ہو۔

حاشیہ ۱۳۰۔ عیسائیوں نے اللہ کے ساتھ صرف مسیح اور روح القدس ہی کو خدا بنانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مسیح کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کو بھی ایک مستقل معبود بنا ڈالا۔ حضرت مریم علیہا السلام کی الوہیت باقدوسیت کے متعلق کوئی اشارہ تک بائبل میں موجود نہیں ہے مسیح کے بعد ابتدائی تین سو برس تک عیسائیوں نے اس خیال سے بالکل نا آشنا تھی۔

قارئین کرام! دیکھئے تفہیم ج اول ص ۵۱۶ کے اس حاشیہ ۱۲۹ میں آپ حدیث پاک کو معتبر ذریعہ نہیں مانتے ہیں۔ کیونکہ اگر آپ حدیث پاک کو معتبر ذریعہ مانتے تو نزول ماندہ (یعنی خوان فی الواقع اتارا گیا یا نہیں) کے باب میں ترمذی شریف کی حدیث بخاری بن یاسرؒ کو ذکر کرتے۔ جس کو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس آیت پاک کے فوائد میں تحریر فرمایا ہے:

”اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ماندہ آسمان سے نازل ہوا اس میں روٹی اور گوشت تھا اور اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ ان لوگوں نے (یعنی بعض نے) خیانت کی اور اگلے دن کے لئے اٹھا کر رکھا پس بند اور خنزیر کی صورت میں مسخ ہوئے عنود باللہ من غشہ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس میں سے کھاتے بھی تھے جیسا کہ ناکل میں ان کی یہ غرض بھی مذکور ہے البتہ رکھ کر کھانا ممنوع تھا“

لیکن مودودی صاحب نے ”خوان فی الواقع اترا یا نہیں؟“ اس سوال کے جواب میں حدیث پاک کی اس تفصیل مذکور کو معتبر ذریعہ میں داخل نہیں مانا اور یہ کہتے ہوئے حدیث پاک کی تفصیل کو رد کر دیا کہ ”کسی معتبر ذریعہ سے بھی اس سوال کا جواب نہیں ملتا“ ہاں آپ کے نزدیک معتبر ذریعہ میں بائبل ضرور داخل ہے اسی لئے حاشیہ ص ۱۳۰ ہی کی اگلی سطروں میں حضرت مریم کی الوہیت باقدوسیت کے متعلق آپ کو بائبل کے اشارہ کی تلاش و جستجو ہے ورنہ بائبل کے اشارہ کو تلاش کرنے کا کیا مطلب؟ یعنی حاشیہ ۱۲۹ میں ہے کہ احادیث شریفہ معتبر ذریعہ میں نہیں اور متصل حاشیہ ۱۳۰ میں ثبوت ہے کہ اس کے مقابل بائبل کو معتبر ذریعہ میں داخل مانتے ہیں فالجی اللہ المستحسبی۔

## مضمون نمبر (۱۳)

### آپ اہل قرآن کا لباس زیب تن فرما کر منکرین حدیث کی صف میں

تفہیم القرآن ۲ ۳۹ الاعراف ۷

حاشیہ ۵۸۔ ”مگر قرآن اس امر کی کوئی تصریح نہیں کرتا کہ یہ اونٹنی کیسی تھی اور کس طرح وجود میں آئی۔ کسی حدیث صحیح میں بھی اس کے جزے کے طور پر پیدا ہونے کی کیفیت بیان نہیں کی گئی ہے۔ اس لئے ان روایات کو تسلیم کرنا کچھ ضروری نہیں جو مفسرین نے اس کی کیفیت پیدا ہونے کے متعلق نقل کی ہیں۔ لیکن یہ بات کہ وہ کئی کئی طور پر معجزے کی حیثیت رکھتی تھی قرآن سے ثابت ہے۔“

۱۔ مگر قرآن اس امر کی کوئی تصریح نہیں کرتا کہ یہ اونٹنی کیسی تھی؟ اور کس طرح وجود میں آئی؟

لہذا جب قرآن میں اس کی کیفیت و کمیت کی تصریح نہیں تو جناب سید مودودی صاحب حدیث پاک کی بنیاد پر اونٹنی کی معجزانہ کیفیت پیدا ہونے کو کس طرح تسلیم کریں گے؟ کیا یہ جملہ صاف نہیں بتا رہا ہے کہ اس جگہ مودودی صاحب اہل قرآن کے علاوہ معتزلہ کے لباس میں بھی زیب تن ہیں اور منکرین حدیث کی تائید و کالت بھی کر رہے ہیں۔

یہاں آپ محمد بن اسحاق کی روایت کو حدیث صحیح نہیں قرار دیتے (جب کہ انہیں محمد بن اسحاق کے بیان کو ایک مسئلہ کی حیثیت سے تفہیم ج ۳ ص ۶۱۵ حاشیہ ۲۵ سورہ الاحقاف میں ذکر کیا ہے فی اللجب) نیز تفہیم ج ۶ ص ۶۳ تا ۶۹ کی مکمل تحریرات کی بنیاد ہی محمد بن اسحاق کی روایات پر ہے۔

۲۔ ”کسی حدیث صحیح میں بھی اس کے معجزے کے طور پر پیدا ہونے کی کیفیت نہیں بیان کی گئی ہیں اسی لئے ان روایات کو تسلیم کرنا کچھ ضروری نہیں جو مفسرین نے اس کی کیفیت پیدا ہونے کے متعلق نقل کی ہیں۔“

قارئین کرام! بیان القرآن میں اس حدیث صحیح کو محمد بن اسحاق کی روایت سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس آیت پاک کی تفسیر میں نقل کی ہے آپ بن القوسین تحریر فرماتے ہیں:

”انہوں نے ایک خاص معجزہ کی درخواست کی کہ اس پتھر میں ایک اونٹنی پیدا ہو تو ہم ایمان لا دیں۔ چنانچہ آپ کی دعا سے ایسا ہی ہوا کہ وہ پتھر چٹا ہوا اس کے اندر سے ایک بڑی اونٹنی نکلی۔ روا بخبر بن ابی نعیم“

مولانا مودودیؒ یہاں پر اونٹنی کو حدیث کی بنیاد پر معجزہ تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ یہ ایک باریک بنیادی فرق ہے یعنی کہ قرآن کی بنیاد پر؟ کہ حدیث پاک کی بنیاد پر؟ آپ اونٹنی کے معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں؟ کس بنیاد پر تسلیم کرتے ہیں؟ تو اس باب کے اخیر میں آپ نے تحریر کیا ہے کہ

”لیکن یہ بات کہ وہ کسی نہ کسی طور پر معجزہ کی حیثیت رکھتی تھی قرآن سے ثابت ہے“

یعنی اونٹنی کے معجزہ ہونے کی کیفیت کو پورے طور سے نہیں بلکہ کسی نہ کسی طور پر بہم طریقہ سے آپ قرآن کی بنیاد پر تسلیم کرتے ہیں لیکن حدیث کی بنیاد پر نہیں۔ یہ ہے وہ باریک سوال و فرق جس کی بناء پر کھل کر اب کوئی نہیں بظاہر کہہ سکتا کہ آپ معجزہ کو مطلقاً نہیں مانتے ہیں۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ جمہور اہل سنت کی طرح حائف مراعات کے ساتھ آپ حدیث کی بنیاد پر حضرت صالحؑ کی دعا کی وجہ سے اونٹنی کی اس کیفیت پیدا ہونے کو معجزہ ہونا کیوں نہیں تسلیم کرتے ہیں؟

اسی لئے کہ یہاں آپ اہل قرآن کا لباس زیب تن فرما کر منکر بن حدیث کی صف میں کھڑے ہیں۔



## مضمون نمبر (۱۴)

آپ کے نزدیک جنگ بدر کے سلسلہ کی تمام احادیث شریفہ کیوں ناقابل اعتماد ہیں؟

تفہیم القرآن ۲ ۱۲۶ الانفال ۸

حاشیہ۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ (۱) جنگ بدر کے بیان میں تاریخ و سیرت کے مصنفین نے ان روایات پر اعتماد کر لیا ہے جو حدیث اور معاذی کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں لیکن ان روایات کا بڑا حصہ قرآن کے خلاف ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے (۲) محض ایمان ہی کی بنا پر ہم جنگ بدر کے متعلق قرآن کے بیان کو سب سے زیادہ معتبر سمجھتے پر مجبور نہیں ہیں بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی آج اس جنگ کے متعلق اگر کوئی معتبر ترین بیان موجود ہے تو وہ یہی سورۃ انفال ہے کیونکہ یہ لڑائی کے بعد ہی حصلاً نازل ہوئی تھی اور خود شرکائے جنگ اور مخالف و موافق سب نے اس کو سنا اور پڑھا تھا۔ معاذ اللہ اس میں کوئی ایک بات بھی خلاف واقعہ ہوتی تو ہزاروں زبانیں اس کی تردید کر دیتیں۔

۱۔ ”جنگ بدر کے بیان میں تاریخ و سیرت کے مصنفین نے ان روایات پر اعتماد کر لیا ہے جو حدیث اور معاذی کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں لیکن ان روایات کا بڑا حصہ قرآن کے خلاف ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے۔“

العیاذ باللہ اس جملہ سے ثابت ہوا کہ حضرات محدثین نے قرآن کے خلاف روایات نقل کی ہیں ثم العیاذ باللہ اسی لئے محدثین کی روایات پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے یہاں آپ نے تاریخ و سیرت کے مصنفین پر بھی تنقیدی عتاب فرمایا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ محض یہ ہے کہ انہوں نے حدیث و معاذی کی کتابوں میں وارد شدہ احادیث پاک پر کیوں اعتماد کیا؟

اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جناب مولانا مودودی صاحب حدیث



کے مقابلے میں تاریخ پر اور محدثین کے مقابلے میں مورخین پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ اور تواریخ کو نصوص پر ترجیح دیتے ہیں حالانکہ خود تاریخ و میرت کے مصنفین۔ (ابھی حضرات محدثین کی روایات پر اعتماد کیا ہے جیسا کہ آپ کی تحریر میں بھی ہے۔

اب غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ وہ کون کون سی روایات ہیں جن کے بڑے حصے کو جناب مولانا مودودی صاحب قرآن کے خلاف اور ناقابل اعتماد سمجھتے ہیں؟

بیان القرآن میں سورہ انفال کی شروع تفسیر میں ان کو حضرت مولانا اثر شاہ صاحب تھانوی نے ذکر فرمایا ہے۔ بیان القرآن کی اس تفسیر سے مولانا مودودی کے حدیث پر اعتراض کا جواب مل جاتا ہے وہاں آپ نے اس سلسلہ کے اہم مسائل بھی بیان فرمائے ہیں۔ میں طوالت کی وجہ سے ان کو نقل کرنے سے معذور ہوں اور آپ کو براہ راست اس کے مطالعہ کی زحمت برداشت کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ البتہ اس جگہ ترجمہ شیخ الہند سے فوائد عثمانی کو ضرور نقل کروں گا کیونکہ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے اس تفسیری فوائد سے اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ جناب سید مولانا مودودی صاحب نے جنگ بدر کے بیان کے سلسلہ میں حدیث و مغازی کی کتابوں میں وارد شدہ تمام احادیث کو ناقابل اعتماد بتلا کر ان روایات کے بڑے حصے کو قرآن کے خلاف کیوں بتلایا ہے؟ ملاحظہ کیجئے فوائد عثمانیہ میں ہے:

”ہجرت کے بعد پہلے سال ایوانہ بوطہ عشرہ وغیرہ چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا جن کی تفصیل کتب احادیث و میر میں ہے اسی سلسلہ میں وقوع پذیر ہوئے۔ اس میں آپ کو معلوم ہوا کہ ایک بھاری تیاری ہم ابوسفیان کی سرکردگی میں شام کو روانہ ہوئی ہے ابوسفیان کا یہ تیاری قافلہ جس کے ساتھ تقریباً ساٹھ قریش ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار وینار کابل تھا جب شام سے مکہ کو واپس ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی صحیح مسلم کی ایک روایت کے موافق آپ نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے طبری کے بیان کے موافق آپ نے صحابہ سے مشورہ لیا کہ آیا اس جماعت سے تعرض کیا جائے طبری کے بیان کے موافق بہت سے لوگوں نے اس میں حصہ لیا۔ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی نسبت غمناک یہ بھی

فرمایا کہ تم لوگو! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نصرت و حمایت کا معاہدہ صرف اس سبب سے کیا ہے کہ کوئی قوم مدینہ پر چڑھائی کرے یا آپ پر حملہ آور ہو۔ ابتداء اقدام کر کے جانا خواہ کسی صورت میں ہوا ان کے حامیہ میں شامل نہ تھا محض کا یہ رنگ و کچھ کر ابو بکر و عمر اور یحییٰ انصار سعد بن حارہ و بنی النضیر نے حوصلہ افزائی کی تھی کہیں آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن میں سے کچھ بڑے آدمیوں کی جماعت نے کہ قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے جنگہ کی بڑے سلسلہ لشکر سے ملے پھڑ ہونے کی توقع نہ تھی اس لئے جمیعت اور سامان و غیرہ کا اہتمام نہیں کیا گیا فی الوقت جو لوگ اکٹھے ہو گئے سرسری سامان کے ساتھ روانہ ہوئے اسی لئے بخاری کی روایت میں حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ جو لوگ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف تیاری میں ہونے کے ارادے سے نکلے تھے۔ اتفاقاً خدا نے جنگ کی صورت پیدا کر دی ابوسفیان کو آپ کے ارادہ کا پتہ چل گیا اس نے فوراً مکہ آ دی بھیجا وہاں سے تقریباً ایک ہزار کا لشکر جس میں قریش کے بڑے بڑے سردار تھے پورے سات سو سامان کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام حراء میں تھے جب معلوم ہوا کہ قریش کا لشکر بڑے بڑے لشکر کی کمانڈ میں مشرکین کا لشکر بنا کر نکلا آ رہا ہے۔ اس غیر متوقع صورت کے پیش آنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اطلاع کی کہ اس وقت دو جماعتیں تمہارے سامنے ہیں تیاری قافلہ اور فوجی لشکر خدا کا وعدہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک پر تم کو مسلح کرے گا تم تلاؤ کہ کس جماعت کی طرف بڑھنا چاہتے ہو چونکہ اس لشکر کے بارے میں تیاری کر کے نہ آئے تھے اس لئے اپنی تعداد و سامان و غیرہ کی قلت دیکھتے ہوئے بعض لوگوں نے سداے ہوئی کہ تیاری قافلہ پر حملہ کرنا زیادہ مفید اور آسان ہے۔ مگر حضور ﷺ اس رائے سے خوش نہ تھے حضرت ابوبکر و عمر و مقداد بن الاسود نے ولولہ انگیز جوابات دئے اور اخیر میں حضرت سعد بن حارہ نے تقریر کے بعد یہی فیصلہ ہوا کہ فوجی ہم کے مقابلہ میں جو ہر شجاعت دکھائے جائیں۔ چنانچہ مقام بدر میں دونوں فوجیں برسر حق تعالیٰ نے سامان کو جو عظیم غنائت فرمائی کافروں کے ہاتھ بڑے سردار ملے گئے اور مدینہ تہ تیہ ہوئے اس طرح لشکر کا زور ٹوٹا۔

اس سورہ میں عموماً اسی واقعہ کے اجزاء اور تعلقات کا بیان موجود ہے۔  
 (مودودی صاحب کی طرح ازنا نقل) جن لوگوں کا خیال ہے کہ اس سفر  
 میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلہ میں نکلے تھے جو  
 ”مدینہ“ پر از خود اقدام کرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ تجارتی قافلہ پر حملہ کی نیت آپ  
 نے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی وہ فی الجہد اپنے ایک خود ساختہ  
 اصول پر تمام ذخیرہ حدیث و سیر و اشارات قرآن کو قرآن کرنا چاہتے ہیں۔  
 منطق ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ کفار و عاریین کی دستبرد سے مسلمانوں کی  
 جان و مال کوئی چیز نہ بچی اور نہ آئندہ بچنے کی توقع تھی ان کو جانی و بدنی  
 نقصان پہونچتا تو جائز سمجھا جائے لیکن تجارتی و مالی نقصان پہونچانا خلاف  
 تہذیب و انسانیت ہو یعنی ان کی جانیں تو ظلم و شرارت اور کفر و طغیان کی  
 بدولت محفوظ نہیں رہیں۔ مگر اموال بدستور محفوظ ہیں گویا زندگی کے حق سے  
 محروم ہو جائیں تو ہو جائیں ہر سامان زندگی سے محروم نہ ہوں ”ان ہذا الا  
 شیء غیبات“ باقی یہ دعویٰ کہ جو لوگ حملہ آور نہ ہوئے ہوں ان پر  
 مسلمانوں کو حملہ کرنا از خود جائز نہیں کیونکہ ”وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ  
 يُقَاتِلُونَكُمْ“ کے خلاف ہوگا۔ قطع نظر اس سے کہ یہ مسئلہ موجودہ واقعہ سے بے  
 تعلق ہے کیونکہ کفار مکہ پہلے ہر قسم کے مظالم اور جلے مسلمانوں پر کر چکے تھے  
 اور آئندہ کے لئے باقاعدہ دھمکیاں دے رہے تھے بلکہ اس بارے میں بھی  
 ان کی سازشیں اور مراسلتیں جاری تھیں فی نفسہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ یہ آیت  
 ابتداء ہجرت میں اتری تھی جس کے بعد دوسری آیات جن میں قال کا حکم  
 ہے نازل ہوئیں۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ صرف اتنا کہنے سے کہ حملہ  
 آوروں کی ممانعت کرو یہ لازم نہیں آتا کہ کسی حالت میں حملہ کرنے کی  
 اجازت نہیں اس مسئلہ کی تفصیل میرے عزیز مولوی محمد نجی سلمہ نے جو تحریر  
 فوائد میں میرے معین ہیں اپنے رسالہ ”المجادد الکبیر“ میں لکھی ہے اور احقر  
 نے کچھ خلاصہ رسالہ ”الشہاب“ میں درج کیا ہے۔ اور موقع بموقع فوائد میں  
 بھی لکھا جائے گا انشاء اللہ“

قارئین کرام! ہمیں امید ہے کہ فوائد عثمانی کی ان تفصیلات و خط کشیدہ عبارات  
 سے آپ پر واضح ہو گیا ہوگا کہ جناب مودودی صاحب سیر و مغازی کی ان احادیث پر

کیوں اعتماد نہیں کرتے؟ ان کو یہ روایات قرآن کے خلاف کیوں نظر آتی ہیں انہوں نے  
 کس خود ساختہ اصول پر تمام ذخیرہ احادیث و سیر و اشارات قرآن کو قربان کئے ہیں؟ کہ  
 مولانا مودودی صاحب کفار و عاریین کو جانی و بدنی نقصان پہونچانا تو جائز سمجھتے ہیں لیکن  
 تجارتی و مالی نقصان پہونچانا خلاف تہذیب و انسانیت تصور کرتے ہیں۔  
 ناظرین کرام! کیا یہی ہے وہ کوشش! جس کے متعلق دینا چاہتے ہیں ص ۱۱ پر لکھا

کیا ہے کہ

”خواہی میں میری انتہائی کوشش یہ رہی ہے کہ کوئی ایسی بحث نہ پھیر دی جائے  
 جو ناظر کی توجہ قرآن شریف سے ہٹا کر کسی دوسری چیز کی طرف پھیر دے۔“

اس عبارت میں لفظ ”کسی دوسری چیز“ کا مصداق کیا چیز ہوگی؟ آپ کی ان تحریرات  
 مذکورہ کی روشنی میں یہی احادیث شریفہ ہی دوسری چیز کا مصداق قرار پاتی ہیں۔ ظاہر ہی  
 بات ہے کہ جنگ بدر کے بیان کے سلسلہ میں یا دوسرے مواقع میں بار بار جناب سید  
 مودودی صاحب احادیث پاک کی تفصیلات کو بیان کرتے تو ان کی کوشش کے خلاف  
 ناظر کی توجہ قرآن کے بجائے حدیث کی طرف بھی ہو جاتی اور آپ قطعاً یہ نہیں چاہتے کہ  
 ناظر کی توجہ حدیث پاک کی طرف بھی ہو جائے ورنہ وہ تفہیم میں جگہ جگہ یہ جملے نہیں لکھتے  
 کہ ”قرآن کا صریح بیان ان روایات کو قبول کرنے میں مانع ہے“ ”وہ روایات جو  
 حدیث و مغازی کی کتابوں میں وارد ہوئی ہیں ان روایات کا بڑا حصہ قرآن کے خلاف  
 ہے اور قابل اعتماد نہیں ہے وغیرہ وغیرہ (نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من ہذا الخرافات)“

۲۔ ”محض ایمان ہی کی بنا پر ہم جنگ بدر کے متعلق قرآن کے بیان کو سب

سے زیادہ معتبر سمجھنے پر مجبور نہیں ہے۔ بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی آج اس  
 جنگ کے متعلق اگر کوئی معتبر ترین بیان موجود ہے تو وہ یہی سورہ انفال ہے۔“

میرے معزز قارئین کرام! ابھی تک تو بات تھی جنگ بدر کے بیان کے سلسلہ  
 میں احادیث شریفہ کے ناقابل اعتماد ہونے کی۔ مگر اب تو جناب سید مودودی صاحب  
 نے اپنی تحریر کی نوعیت کسی دوسرے ہی رخ پر پھیر دیا۔ جس سے سخت تعجب ہوتا ہے کہ  
 آپ نے قرآن کے بیان کو سب سے زیادہ معتبر کس حیثیت سے سمجھا؟ اپنی ایمانی

حیثیت سے؟ یا تاریخی حیثیت سے؟ اس کی بناء کیا ہے؟ فرماتے ہیں کہ  
 ”محض ایمان ہی کی بناء پر نہیں بلکہ تاریخی حیثیت سے قرآن کے سب سے  
 زیادہ بیان کو مستر سمجھنے پر مجبور ہوں“

کیونکہ احادیث کو تو پہلے ہی ناقابل اعتماد ٹھہرا چکے ہیں۔ کیا یہ تاریخ کو نصوص پر ترجیح دینا  
 نہیں ہے؟ علاوہ انہیں تاریخی حیثیت پر اس قدر اعتماد؟ اور احادیث پاک پر مکمل بے  
 اعتمادی کا کیا مطلب ہے؟ جب کہ احادیث پاک کے لئے حضرات محدثین نے اہل  
 رجال کے اصول و قواعد کے تحت جتنی چھان بین کی ہے اس کا عشر عشر بھی مورخین نے  
 تاریخ کے بارے میں چھان بین نہیں کی۔ مجھے جناب مولانا مودودی صاحب کے علم پر  
 حدود رجہ افسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اسلامی اصول کو نظر انداز کر کے حضرات محدثین  
 و حضرات صحابہ کے بارے میں وہی طریقہ کار اختیار کیا جس کو مستشرقین نے اپنی سوچی  
 سمجھی تدبیر سے اسلام اور اسلاف اسلام حضرات محدثین کے خلاف اختیار کیا تھا کہ  
 صرف تاریخ کی بے سند اور غلط۔ لفظ روایات کو موثر و تحقیق اور بنیاد بنا کر قرآن و سنت  
 کی نصوص قطعیہ اور مستند روایات سے آنکھیں بند کر لی جائیں اور صرف تاریخی روایات کی  
 بناء پر حضرات محدثین اور ان کی اسناد کے متعلق غلط قسم کی ذہن سازی کی جائے۔

واضح رہے کہ تاریخی روایات سے ان کو جرح و الزام کا نشانہ بنانا دین اسلام  
 شریعت، قانون، اخلاق، ضابطہ عقل و دیانت سبھی کے خلاف ہے۔

فن تاریخ کا قطعاً یہ درجہ نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرام کی ذات اور حضرات  
 فقہاء و محدثین کی شخصیات کو قرآن و احادیث سے بالکل صرف نظر کر کے صرف اور صرف  
 تاریخی روایات ہی کے آئینہ میں دیکھا جائے اور اس پر عقیدہ کی بنیاد رکھی جائے جس  
 طرح فن طب کی کتابوں سے اشیاء کے حلال و حرام یا پاک و ناپاک ہونے کے مسائل  
 و احکام ثابت نہیں کئے جاسکتے اگرچہ طب کی یہ کتابیں اکابر علماء کی تصنیف ہوں۔ اس  
 لئے بہر حال یہ مسئلہ انتہائی غور طلب ہے کہ تاریخ کی بنیاد پر مستند احادیث و روایات کے  
 متعلق جناب مولانا مودودی صاحب کی جو تحریرات ہیں اس کے پس منظر کیا چیز ہے؟

کیونکہ آپ کی ان تحریرات سے یہودی لابی کے مقاصد پورے ہوتے نظر آ رہے ہیں  
 خوب سمجھ لیجئے کہ تاریخی روایات کا مجموعہ کس قدر قابل اعتماد ہو سکتا ہے؟ کب تاریخ کا وہ  
 حصہ جن سے احادیث شریفہ اور محدثین کرام کی بیان کردہ اسناد کا تعلق ہے خواہ اس کے  
 لکھنے والے کتنے بڑے ثقہ اور معتمد علماء ہوں ان کے اعتبار و اعتماد کا وہ درجہ ہرگز باقی نہیں  
 رہتا جو احادیث شریفہ اور ان کی اسناد کا ہے یہ جناب مودودی صاحب ہی جیسے لوگ  
 ہوں گے جو بخاری و مسلم کی مستند احادیث شریفہ کے مقابلہ میں اور آیات قرآنیہ کے  
 بابت تاریخی روایت کو ترجیح دیں اور اسلام کی ہر چیز کی ہر حقیقت کو تاریخ کی بنیاد پر سمجھنے  
 پر مجبور ہوں۔ جمہور محدثین و مسلمین کے خلاف آپ کا یہ طریقہ ہے (ماخوذ مقام صحابہ  
 مؤلفہ مفتی محمد شفیع صاحب)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں:

### حدیث قابل وثوق ہے تاریخ نہیں؟

بعض خود مہتممین پر افسوس ہے کہ وہ محدثین پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں  
 نے واقعات میں اپنی رائے کو شامل کیا ہے لیکن جو شخص محدثین کے حالات  
 سے واقف ہے وہ خوب جانتا ہے کہ محدثین علیہم الرحمہ نے کس تدبیر سے کام  
 لیا ہے البتہ یہ اعتراض مطابق واقعہ کے مورخین پر ضرور ہو سکتا ہے۔

صحابو! محدثین کا تدبیر اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ ایک باب کی حدیث  
 سے ایک بات کو ثابت کرتے ہیں تو اس کے بعد ہی دوسرا باب اس کا معارض  
 صوری بیان کرتے ہیں اور اس میں بھی حدیث پیش کرتے ہیں یہی معلوم ہوا  
 کہ ان حضرات کا مقصد محض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا جمع کرنا  
 ہے نہ کہ اپنی رائے کو ثابت کرنا یا اس پر زور دینا کیونکہ جب ایک حدیث  
 کے ساتھ دوسری حدیث جو پہلی سے صورتاً معارض ہے موجود ہے اور ظاہر  
 ہے کہ اس محدث کی رائے کسی ایک جانب ہوگی تو بصورت ایز او معارض کوئی  
 خاص رائے کیونکر مقصود ثابت ہو سکتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اپنی  
 اغراض کی تائید مقصود نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد تمام احادیث کا لوگوں کے  
 سامنے پیش کر دینا ہے کہ وہ یکہیں اور خوب سمجھ لیں۔



ہاں تاریخ میں اس قسم کے واقعات پائے جاتے ہیں کہ ایک مؤرخ نے اپنے خیال کے مؤید واقعات کو لیا اور دوسرے نے اپنے خیالات کے مؤیدات کو پس جب حدیث و تاریخ میں یہ تضاد ہے تو حدیث قابل وثوق ہوئی اور اس کے بالمقابل تاریخ قابل وثوق نہیں ہوئی۔ تو جو واقعات تاریخ میں حدیث کے خلاف ہوں گے اور حدیث ان کو باطل کرتی ہوگی وہ تو محض بیچ ہیں ہرگز قابل قبول نہیں (اشرف الجواب حصہ چہارم ص ۹۱-۹۲)

حضرت مخدوم و مکرم مولانا عتیق الرحمن صاحب سنبھلی  
(صاحبزادہ حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب) اپنی  
کتاب (واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر ص ۲۱-۲۲-۲۳)  
میں تحریر فرماتے ہیں:

تاریخی روایتوں کا حال اور اس کی مثال

میں نہ تاریخ کا طالب علم رہا نہ کسی اور حیثیت سے تاریخ دانی کا دعویٰ بالکل ممکن ہے کہ میں نے اس مطالعہ میں جو کچھ محسوس کیا اور جو نتائج نکالے وہ اہل فن کی نگاہ میں قابل اتفاق نہ ہوں مگر میرا احساس بالکل اسی نوعیت کا احساس ہے جیسے کسی بدیہی چیز کا احساس ہوتا ہے اور اس نوعیت کے احساسات کو آدمی نہ رو کر سکتا ہے نہ خواہ مخواہ شک کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے میرا احساس یہ ہے کہ ہماری تاریخ کا ایسا نازک حصہ جس قدر احتیاط اور جس قدر احساس ذمہ داری کے ساتھ قلم بند کئے جانے کی ضرورت تھی اسی قدر بے احتیاطی اور غیر ذمہ داری یہاں کا فرما نظر آتی ہے ایک مثال ملاحظہ ہو:

طبری جلد ۶ ص ۲۳۲ پر ایک روایت بتاتی ہے کہ حضرت حسینؑ کربلا میں اترے تو وہ جمعرات کا دن اور محرم ۱۱ھ کی دوسری تاریخ تھی۔ پھر ص ۲۳۷ پر ایک روایت آتی ہے کہ جمعرات کے دن اور محرم کی ۹ تاریخ تھی کہ مخالف لشکر کے سالار عمر بن سعدؓ عبید اللہ بن زیاد کے ایک فوری حکم کے ماتحت عصر کے بعد اپنے کیمپ سے اٹھ کر حضرت حسینؑ پر چڑھائی کرنے کے لئے پہنچے

مگر پھر مفاہمت ہو گئی اور آئندہ صبح تک کے لئے کارروائی روک دی گئی ظاہر ہے کہ اس کے بعد آئندہ صبح جو آئے گی تو وہ جمعہ کی صبح ہوگی جب ۱۰ محرم کو کبھی جمعرات بتائی گئی پھر ۹ محرم کو بھی جمعرات ہی بتائی گئی تو ۱۰ محرم کو سوائے جمعہ کے اور کوئی دن نہیں ہو سکتا مگر آگے ص ۲۴۰ پر دوسری صبح کو عمر بن سعد کی کارروائی (یعنی اپنے لشکر کو حرکت میں لانے) کا بیان آتا ہے تو ہمیں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ:

قال فلما صلى عمر بن سعد لغداة يوم السبت وقد بلغنا ايضا انه كان يوم الجمعة وكان ذلك اليوم يوم عاشوراء خرج قمى من معه اور وہ دن عاشوراء (۱۰ محرم) کا تھا ابن سعد اپنے لوگوں کو لے کر نکلا

فرمائیے کہ ص ۲۳۲ اور ص ۲۳۷ والی روایتوں کے پس منظر میں جن میں ۲ تاریخ کو جمعرات کا دن اور پھر ۹ تاریخ کو جمعرات کا دن بتایا گیا ہے کوئی تک اس طور پر ص ۲۴۰ کی اس روایت کو لینے کی ہے جس میں ۱۰ تاریخ کو ہفتہ کا دن بتایا گیا ہے ہمیں نہیں معلوم کہ "وقد بلغنا ايضا" (اور ہمیں یہ بھی روایت ملی ہے کہ یہ جمعہ کا دن تھا) یہ الفاظ طبری کے ہیں یا راوی کے اگر راوی کے ہیں اور طبری نے کچھ کہا ہی نہیں تب تو کہنا ہی کیا اور اگر راوی کے نہیں طبری کے ہیں تب بھی ایک مؤرخ کی ذمہ داری کے لحاظ سے اس انداز کلام کو کوئی ذمہ دارانہ انداز نہیں کہا جاسکتا جس سے ۱۰ محرم کو جمعہ کا دن ایک مشکوک دن بن جاتا ہے حالانکہ گزشتہ بیانات کی رو سے وہ قطعی جمعہ کا دن ہے۔ کہنے کی بات یہ تھی کہ "یہ دن ہفتہ کا نہیں جمعہ کا ہونا چاہئے" اور اگر ہفتہ ہی ثابت ہے تو پھر اگلے دونوں بیانات غلط ہیں۔

### طبری کا اپنا اعتراف

یہ مثال سامنے لا کر ہم طبری کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کہہ رہے ہیں کہ اگر ان کی زندگی میں کبھی جاتی تو شاید وہ کوئی صفائی دے سکتے۔ ان کا خود

اینا اعتراف ہے کہ ان کے قاری کو ایسی روایات مل سکتی ہیں جو کسی طرح صحیح نہ ہو سکتی ہوں جو کسی طرح سمجھ میں نہ آ سکتی ہوں۔ کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ:-

میں نے اس کتاب میں جو کچھ ذکر کیا ہے اس میں میرا اعتماد اپنی اطلاعات اور روایوں کے بیانات پر رہا ہے نہ کہ عقل و فکر کے نتائج پر۔ کسی قاری کو اگر میری جمع کردہ خبروں اور روایتوں میں کوئی چیز بائیں وجہ ناقابل فہم اور ناقابل قبول نظر آئے کہ نہ کوئی اس کی تک تصدیق ہے نہ کوئی معنی دیتے ہیں تو اسے جاننا چاہئے کہ ہم نے یہ سب اپنی طرف سے نہیں لکھا ہے بلکہ انگوں سے جو بات ہمیں جس طرح پہنچی ہے ہم نے اسی طرح نقل کر دی ہے (جلد اول ص ۵)

### پھر کون سی بات بعید ہے؟

مؤرخ کا دامن جب اتنا وسیع ہو کہ اتنی موٹی اور دور سے نظر آنے والی عجوبہ کی کے ساتھ بھی جیسی کہ مذکورہ بالا مثال میں پائی جاتی ہے ایک روایت کو اس کے یہاں بے چوں چرا جگہ مل سکتی ہے تو پھر راویوں کی کون سی غلطی سبالتہ آرائی یا غلط بیانی رہ جاتی ہے جس کی توقع ہمیں اپنے ان مؤرخین کی کتابوں میں نہیں کرنی چاہئے خاص کر کربلا کے جیسے واقعات میں کہ جن سے جذبات متعلق ہوتے ہیں تعصبات متعلق ہوتے ہیں اور مثبت و منفی (Positive & Nigative) مفادات بھی متعلق ہو جاتے ہیں۔ (اس پر مولانا کا حاشیہ ہے میں نے کتاب کی طوالت کی وجہ سے اسے نہیں لکھا)۔

”اسی کتاب کے ص ۲۱۳ پر فرماتے ہیں“

حیرت اپنے مؤرخین پر ہے یہ باہم متضاد اور ناممکن الوقوع قسم کی حکایتیں قطار در قطار انہوں نے اپنی کتابوں میں جمع کر لی ہیں“ او۔ پھر کچھ آگے چل کر ص ۲۱۵ پر فرماتے ہیں کہ ”ان متضاد اور عجوبہ روایتوں کے جنگل میں تقریباً دس ماہ پہلے داخل ہو کر یہ دائم الحروف جس حیرت میں مبتلا ہوا تھا آج تک اس حیرت کا وہی عالم بلکہ اس سے بھی کچھ سوا ہے اب تک یہ معرصل نہیں ہو پایا کہ ہمارے مؤرخین نے کیسے اس جنگل کو اپنی کتابوں میں سجایا ہے؟“ اسی کتاب کے ص ۱۷۳ اور ص ۱۷۴ میں فرماتے ہیں کہ ”ہماری تاریخ کی جو کتابیں ہیں وہ صرف روایات اور بیانات کا مجموعہ ہیں۔ ان روایات

میں بہت سے پہلو ایسے آ جاتے ہیں جن پر کچھ گفتگو یا توضیح و توجیہ کی ضرورت ہوتی ہے یہ چیز (توضیح و توجیہ ۱۲ اساجد) ان کتابوں میں کہیں مشکل ہی سے اور وہ بھی بس نام ملتی ہے۔

### مضمون نمبر (۱۵)

آپ نے پھر دوبارہ جنگ بدر کے سلسلہ کی روایات کی ضمانت دید کیوں کی؟

تفہیم القرآن ۲ ۱۳۱ الانفال ۸

حاشیہ ۳۔ ”یعنی جس طرح اس وقت یہ لوگ خطرے کا سامنا کرنے سے گھبرارے تھے حالانکہ حق کا مطالبہ اس وقت یہی تھا کہ خطرے کے منہ میں چلے جائیں۔ اسی طرح آج انہیں مال غنیمت ہاتھ سے چھوڑنا ناگوار اور ہا ہے حالانکہ حق کا مطالبہ یہی ہے کہ وہ اسے چھوڑیں اور حکم کا انتظار کریں۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اللہ کی اطاعت کرو گے اور اپنے نفس کی خواہش کے بجائے رسول کا کہنا مانو گے تو ویسا ہی اچھا نتیجہ دیکھو گے جیسا ابھی جنگ بدر کے موقع پر دیکھ چکے ہو کہ تمہیں لشکر قریش کے مقابلہ پر جانا سخت ناگوار تھا اور اسے تم ہلاکت کا پیغام سمجھ رہے تھے لیکن جب تم نے حکم خدا اور رسول کی تعمیل کی تو یہی خطرناک کام تمہارے لیے زندگی کا پیغام ثابت ہوا۔ قرآن کا یہ ارشاد ضمانت روایات کی بھی تردید کر رہا ہے جو جنگ بدر کے سلسلے

میں عموماً کتب سیرت و مخازی میں نقل کی جاتی ہیں“۔

خط کشیدہ جملہ کے متعلق ہم نے فوائد عثمانی کے ذریعہ سے ماقبل میں تنقید کی ہے اور وہاں وجہ بھی بیان کر دی ہے کہ جناب مودودی صاحب نے یہ کیوں کہا کہ ”قرآن کا یہ ارشاد ضمانت روایات کی بھی تردید کر رہا ہے جو جنگ بدر کے سلسلے میں عموماً کتب سیرت و مخازی میں نقل کی جاتی ہیں“۔

یعنی جناب مولانا سید مودودی صاحب کی منطق یہ ہے کہ کفار محاربین کی جانیں تو ظلم و شرارت کی وجہ سے اور کفر و طغیان کے باوجود محفوظ نہ رہیں البتہ ان کے اسوالم و جائیداد بدستور محفوظ رہیں۔ چونکہ جنگ بدر کے سلسلہ کی احادیث ان کی اس منطق کی

تائید نہیں کرتی ہیں اس لئے آپ صراحۃً وضمناً دونوں طرح سے ان احادیث شریفہ کی تردید کرتے ہیں اور ان کو ناقابلِ اعتماد بتلاتے ہیں فیا عجبا ویا حسرتا۔

### مضمون نمبر (۱۶)

حدیث پاک کو چھوڑ کر لغت سے آزادترجمانی کرنا قرآن  
فہمی کا کون سا اصول ہے؟

تفہیم القرآن ۲ ۲۴۰ التوبہ ۹  
حاشیہ ۱۰۹۔ (۱) ”متن میں لفظ السامحون استعمال ہوا ہے جس کی تفسیر بعض مفسرین نے الصامحون (روزہ رکھنے والے) سے کی ہے۔ لیکن سیاحت کے معنی روزہ مجازی معنی ہیں۔ اصل لغت میں اس کے معنی نہیں ہیں۔ (۲) اور جس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس لفظ کے یہ معنی ارشاد فرمائے ہیں اس کی نسبت حضور کی طرف درست نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس لفظ کو اصل لغوی معنی ہی میں لینا زیادہ صحیح سمجھتے ہیں۔ پھر جس طرح قرآن میں بکثرت مواقع پر مطلقاً اتفاق کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی خرچ کرنے کے ہیں اور مراد اس سے راہ خدا میں خرچ کرنا ہے اسی طرح یہاں بھی سیاحت سے مراد محض گھومنا پھرنا نہیں ہے بلکہ ایسے مقاصد کے لئے زمین میں نقل و حرکت کرنا ہے جو پاک اور بلند ہوں اور جن میں اللہ کی رضا مطلوب ہو مثلاً اقامت دین کے لئے جہاد کفر زدہ علاقوں سے ہجرت دعوت دین اصلاح خلق طلب علم صالح مشاہدہ آثار الہی اور تلاش رزق حلال۔ اس صفت کو یہاں مؤمنین کی صفات میں خاص طور پر اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ ایمان کا دعویٰ کرنے کے باوجود جہاد کی پکار پر گھروں سے نہیں نکلے تھے ان کو یہ بتانا مقصود ہے کہ حقیقی مؤمن ایمان کا دعویٰ کر کے اپنی جگہ جین سے بیٹھا نہیں رہ جاتا بلکہ وہ خدا کے دین کو قبول کرنے کے بعد اس کا بول بالا کرنے کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے نقصان پورے کرنے کیلئے دنیا میں دوڑ دھوپ اور سعی و جہد کرتا پھرتا ہے۔“

### تنبیہ

۱۔ ”متن میں لفظ السامحون استعمال ہوا ہے جس کی تفسیر بعض مفسرین نے الصامحون (روزہ رکھنے والے) سے کی ہے لیکن سیاحت کے معنی روزہ مجازی معنی ہیں اصل لغت میں اس کے معنی نہیں ہیں“

قارئین کرام! حضرات مفسرین نے حدیث کی بنیاد پر السامحون کی تفسیر الصامحون سے کی ہے تو کون سی غلطی کی ہے؟ کیا اس لئے کہ جناب مودودی صاحب نے حدیث پاک کو چھوڑ کر لغت سے السامحون کی آزادترجمانی کی ہے؟ پھر آپ نے السامحون کے لغوی معنی بھی یہاں نہیں بیان کئے۔ اور حدیث شریف کو چھوڑ کر لغت سے آزادترجمانی کرنا کون سا قرآن فہمی کا اصول ہے؟ حدیث پاک کو چھوڑنے کی وجہ آپ نے اگلی سطروں میں نہیں بیان کی ہے بلکہ صرف دعویٰ کر دیا کہ ”جس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس لفظ کے یہ معنی ارشاد فرمائے ہیں اس کی نسبت حضور کی طرف درست نہیں“

کیوں درست نہیں؟ اس حدیث کی خرابیاں تو بیان کر دیتے حسب سابق سند و متن کے اعتبار سے یا کم از کم اپنی عقل و فہم کے اعتبار سے اس حدیث پر بھی کلام کرتے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس حدیث کی وجہ سے جناب سید مودودی صاحب کا خود ساختہ معنی ہی مجروح ہو رہا ہو؟ اس لئے حدیث شریف کے معنی ہی کو آپ نے خیر باد کہہ دیا۔ العیاذ باللہ۔ ۳۔ ”اس لئے ہم اس لفظ کو اصل لغوی معنی ہی میں لینا زیادہ صحیح سمجھتے ہیں۔“

تو کیا اکثر مفسرین سے ہٹ کر کٹ کر حدیث پاک کے بجائے لغت کی بنیاد پر آزادترجمانی کرنا کوئی معقول و منقول بات ہے؟

### در اصل بات کیا ہے؟

اصل میں لفظ السامحون کے ترجمہ میں کئی اقوال ہیں لیکن جناب مودودی صاحب نے پہلے تو صرف اپنی شانِ انفرادی کو باقی رکھنے کے لئے ایک علیحدہ ہی مفہوم بیان کیا ہے اور ساتھ ہی بعد میں مفسرین کے اقوال و مرادات کو بھی ذکر کر دیا ہے مگر اس طریقہ پر کہ جیسے یہ ان کی



ذاتی تحقیق ہو۔ اور یہ علمی خیانت ہے اس کو انتحال کہتے ہیں جیسا کہ فوائد عثمانی میں ہے  
 "بعض نے سانحوں سے مراد روزہ دار لئے ہیں کیونکہ روزہ دار کھانے پینے  
 وغیرہ لذائذ و مرغوبات سے بے تعلق ہو کر روحانی مدارج اور ملکوتی مقامات کی  
 سرکرتا ہے بعض کے نزدیک اس لفظ کا مصداق مہاجرین ہیں جو اپنے گھر بار  
 سے بے تعلق ہو کر "دارالاسلام" میں سکونت پذیر ہوتے ہیں بعض نے  
 مجاہدین کا ارادہ کیا ہے کہ مجاہد اپنی جان تک سے بے تعلق ہو کر خدا کے راستہ  
 میں قربان ہونے کے لئے نکلتا ہے بعض کی رائے میں یہ لفظ طلبہ علوم کے  
 لئے ہے۔ جو وطن، کنبہ، راحت و آسائش وغیرہ سب کو خیر باد کہہ کر طلب علم  
 کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ بہر حال مترجم محقق نے جو ترجمہ (بے تعلق  
 رکھنے والے) کیا ہے اس میں ان سب اقوال کی گنجائش ہے مگر اکثر سلف کے  
 نزدیک پہلی تفسیر (روزہ رکھنے والے) معتاد ہے"

معزز قارئین کرام! اس مقام کے علاوہ یہ لفظ قرآن پاک کی سورہ تحریم آیت  
 ۵ میں منسخت موجود ہے اس لئے ہم نے تفہیم ج ۶ ص ۲۹ میں دیکھا تو آپ نے  
 منسخت کا ترجمہ روزہ دار کیا ہے اس وقت ہمارے تعجب کی انتہا نہ رہی کہ سانحہ خون اور  
 منسخت کا مادہ و مصدر سیاحت ہی تو ہے صرف تذکیر و تانیث کا فرق ہے پارہ ۱۰ سورہ  
 توبہ کے شروع میں آیت پاک "فسبحوا فی الارض اربعۃ اشہر" ہے وہاں آپ  
 نے ترجمانی کی ہے کہ پس تم لوگ ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو۔ جب لغوی معنی ہی  
 سے آزاد ترجمانی کرنی تھی تو ہر جگہ وہی معنی لینے جو تفہیم ج ۲ ص ۲۴۰ حاشیہ ۱۰۹ میں لینا  
 زیادہ صحیح سمجھا ہے۔ لیکن چونکہ اس جگہ حدیث پاک کا انکار کرنا مقصود تھا اور سلف سے  
 ہٹ کر کٹ کر اپنی منفردانہ تحقیقی شان بھی دکھلانی تھی اس لئے صرف یہاں اس مثال  
 میں "زمین میں گردش کرنے والے" دیگر مفسرین کے علاوہ ذکر کردہ سات مقاصد بھی  
 مراد لئے گئے کیا یہ "ایک آنکھ میں کا جل اور ایک آنکھ میں سرمہ" کا مصداق نہیں؟ اور کیا  
 اس میں انتحال نہیں کہ دوسروں کی تحقیق اس طرح پیش کی گئی ہے کہ جیسے خود ان ہی کی  
 تحقیق ہو؟

اور پھر صالحون سے حدیث کی بنیاد پر حضرات مفسرین نے سانحہ خون کا  
 ترجمہ کر دیا تو آپ نے بلا دلیل اس حدیث ہی کا انکار کر دیا کہ اس کی نسبت حضور کی  
 طرف درست نہیں ہے۔ ایسا کیوں کیا گیا؟

### مضمون نمبر (۱۷)

مفسرین کی نقل کردہ احادیث شریفہ سند اقویٰ ہونے  
 کے باوجود ناقابل ترجیح ہیں

تفہیم القرآن ۳ ۲۰۰ ۲۲

(۱) "اگرچہ بعض مفسرین نے اس دھڑلے کا وقت وہ بتایا ہے جب کہ مردے  
 زندہ ہو کر اپنے رب کے حضور پیش ہوں گے" اور اس کی تائید میں متحدہ  
 احادیث بھی نقل کی ہیں لیکن قرآن کا صریح بیان روایت کو قبول کرنے میں  
 مانع ہے۔ قرآن اس کا وقت وہ بتا رہا ہے جب کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ  
 پلاتے پلاتے چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوں گی اور پیٹ والیوں کے پیٹ  
 گر جائیں گے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ آخرت کی زندگی میں نہ کوئی عورت اپنے  
 بچے کو دودھ پلا رہی ہوگی اور نہ کسی حاملہ کے وضع حمل یا استقامت کا کوئی موقع  
 ہوگا کیونکہ قرآن کی واضح تصریحات کی رو سے وہاں سب رشتے منقطع  
 ہو چکے ہوں گے اور ہر شخص اپنی انفرادی حیثیت سے خدا کے سامنے حساب  
 دینے کے لئے کھڑا ہوگا۔ (۲) لہذا قابل ترجیح وہی روایت ۲ ہے جو ہم نے  
 پہلے نقل کی ہے۔ اگرچہ اس کی سند ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت اس کے  
 ضعیف کو دور کر دیتی ہے۔ اور یہ دوسری روایات گو سند اقویٰ تر ہیں لیکن قرآن  
 کے ظاہر بیان سے عدم مطابقت ان کو ضعیف کر دیتی ہے۔"

خلاصہ یہ ہوا کہ مفسرین کی ذکر کردہ احادیث شریفہ ناقابل اعتماد اور ناقابل  
 ترجیح و ناقابل استدلال ہیں اور جناب مولانا مودودی صاحب کی ذکر کردہ احادیث  
 انتہائی ضعیف ہونے کے باوجود ہر طرح سے مکمل اعتماد و استدلال کے لائق ہیں سبحان اللہ

۱ کیونکہ قرآن وحدیث کی مطابقت کو حضرات مفسرین نے تو کبھی بھی نہیں سمجھا ہاں اگر کسی نے قرآن وحدیث کی مطابقت کو بہت زیادہ صحیح سمجھا ہے تو وہ جناب مودودی صاحب کی ذات والا کرامی صفات ہے۔ سبحان اللہ!

جیسا کہ آپ کی ان تحریرات سے یہی نتیجہ و مفہوم برآمد ہو رہا ہے اور یہی آپ کا عین مقصد بھی ہے کہ سب میں کچھ ڈال کر اپنی پاکیزگی و علمی تحقیق کی برتری کا اظہار کریں۔ کہ امت سب سے ٹوٹ کر صرف اور صرف آپ ہی کے دینی فہم پر اعتماد کرنے لگے۔ اسی لئے بیان کرتے ہیں کہ

”محدثین و مفسرین کی ذکر کردہ احادیث سداً قوی تر ہونے کے باوجود قرآن کے صریح خلاف ہیں اور آپ کی انتخاب کردہ احادیث شریفہ ضعیف ہونے کے باوجود قرآن کے عین مطابق ہیں“

”فاللہ الممشکی اور انما اشکوا بھي وحزنی الی اللہ۔“

قارئین کرام! آپ یہیں سے یہ بات بھی خوب ذہن نشین کر لیجئے اور اصولی طور پر اس بات کو گرہ باندھ لیجئے کہ جناب سید مودودی صاحب اول تو احادیث شریفہ پر اعتماد ہی نہیں کرتے ہیں اور اگر کہیں احادیث شریفہ کو ذکر کریں گے جیسا کہ یہاں ہے تو اس سے اپنے ذہنی پیداوار کے متعلق استدلال کرنا مقصود ہوگا جیسا کہ تفہیم ص ۳۰۰ کی یہ تحریرات بھی شاہد عدل ہیں۔ اور بیان القرآن میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے محدثین کی ذکر کردہ احادیث شریفہ (جو مودودی صاحب کے اعتراف کے مطابق سداً قوی تر ہیں) ذکر کیں ہیں اور فوائد عثمانی میں بھی اس آیت میں ہونے والے اشکال کو حل فرمایا گیا ہے تفصیل کے لئے وہاں ملاحظہ کر لیا جائے۔ ہم نے طوالت کے خوف سے ان دونوں کو نقل نہیں کیا بلکہ مقصود کو ذکر کرنے پر اکتفاء کیا کہ محدثین کی ذکر کردہ احادیث پر جناب مودودی صاحب کو اعتماد نہیں وہ ناقابل ترجیح ہیں۔



## مضمون نمبر (۱۸)

کوئی شخص اگر احادیث پاک کی تفصیلات کو نہ مانے تو اس کی تکفیر کی جائے یا نہیں؟

تفہیم القرآن ۲ ۵۸۶-۵۸۷ بنی اسرائیل ۱۷

”نیز مجتہد روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ دوسرے روز جب آپ نے اس واقعہ کو لوگوں سے ذکر کیا تو کفار کہنے لگے اس کا بہت مذاق اڑایا اور مسلمانوں میں سے بھی بغض کے ایمان منترزل ہو گئے۔“

حدیث کی یہ زائد تفصیلات قرآن کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس کے بیان پر اضافہ ہیں اور ظاہر ہے کہ اضافے کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم اگر کوئی شخص ان تفصیلات کے کسی حصے کو نہ مانے جو حدیث میں آئی ہیں تو اس کی تکفیر نہیں کی جاسکتی البتہ جس واقعے کی تصریح قرآن کریم میں ہے اس کا انکار موجب کفر ہے۔

اب اگر ایک رات میں ہوائی جہاز کے بغیر کہ سے بیت المقدس جانا اور آنا اللہ کی قدرت سے ممکن تھا تو آخر ان دوسری تفصیلات ہی کو ناممکن کہہ کر کیوں رد کر دیا جائے جو حدیث میں بیان ہوئی ہیں؟ ممکن اور ناممکن کی بحث تو صرف اس صورت میں پیدا ہوتی ہے جب کہ کسی مخلوق کے اختیار خود کوئی کام کرنے کا معاملہ زیر بحث ہو۔ لیکن جب ذکر یہ ہو کہ خدا نے فلاں کام کیا تو پھر امکان کا سوال وہی شخص اٹھا سکتا ہے جسے خدا کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہ ہو۔ اس کے علاوہ جو دوسری تفصیلات حدیث میں آئی ہیں ان پر منکرین حدیث کی طرف سے متعدد اعتراضات کئے جاتے ہیں مگر ان میں سے صرف دو ہی اعتراضات ایسے ہیں جو کچھ وزن رکھتے ہیں۔

ایک یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا کسی خاص مقام پر مقیم ہونا لازم آتا ہے ورنہ اس کے حضور بندے کی پیشی کے لئے کیا ضرورت تھی کہ اسے سڑک کے ایک مقام خاص تک لے جایا جاتا؟

دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو روزِ خ اور جنت کا مشاہدہ اور بخش لوگوں

کے بتلائے عذاب ہونے کا معائنہ کیسے کرادیا گیا جب کہ ابھی بندوں کے مقدمات کا فیصلہ ہی نہیں ہوا ہے؟ یہ کیا کہ سزاوارہ کا فیصلہ تو ہونا ہے قیامت کے بعد اور کچھ لوگوں کو سزا دے ڈالی گئی ابھی سے؟“  
۱۔ ”واقعہ سراج کو سن کر مسلمانوں میں سے بھی بعض کے ایمان متزلزل ہو گئے“

### تنبیہ

کب متزلزل ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں؟ یا چودہ سو سال بعد اب؟ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں ایمان متزلزل ہو گئے تھے تو وہ مسلمان صحابی تھے؟ اور اگر چودہ سو سال کے بعد ایمان متزلزل ہوئے ہیں جیسا کہ سے قبل ماہنامہ الحسنات کے یادگار مودودی نمبر سے راقم الحروف نے ان ہی کی تحریر یاد پر ثابت کر چکا ہے کہ جناب مودودی صاحب ہی کا ایمان متزلزل ہو چکا تھا اور گو ہر چیز میں شک پڑ چکا تھا تو یہاں صاف صاف لکھ دینا چاہئے۔ کہ اس واقعہ ج کو سن کر میرا ایمان متزلزل ہو گیا“ تعوذ باللہ۔

لیکن آپ نے ایسی بہم اور جھجک دو دھاری عبارت لکھی ہے جس سے یہ سمجھ لیا گیا کہ کس وقت میں بعض مسلمان کے ایمان متزلزل ہوئے تھے یا ہوئے ہیں؟ سب سابق اس عبارت کا مصداق بھی خود جناب مودودی صاحب ہی کی ذات ہے۔

۲۔ ”تاہم اگر کوئی شخص ان تفصیلات کے کسی حصہ کو نہ مانے جو حدیث میں آئی ہیں تو اس کی تکفیر نہیں کی جاسکتی“

عالم اسلام کے مشہور و مستند ترین عالم دین جناب محترم مخدومی و محترمی حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی زید مجدہ و مدظلہ کتاب ”انتہار الحق ج ۲ باب پنجم ص ۳۶۱“

یہ ۲ میں فرماتے ہیں:

”لیکن یہ واضح رہے کہ جو شخص احادیث کو اصولی طور پر ہی حجت تسلیم نہ کرتا ہو وہ تمام مسلمان مکاتب فکر کے نزدیک کافر ہے اس کی مثال تقریباً ایسی ہے جیسے کہ نصاریٰ کے یہاں اگر کوئی شخص بائبل کی کسی آیت کو الحاقی قرار دے

تو وہ ان کے نزدیک عیسائیت سے خارج نہیں ہوتا چنانچہ بہت سے نصرانی علماء نے بائبل کی بہت سی عبارتوں کو الحاقی تسلیم کیا ہے لیکن جو شخص بائبل کو اصولی طور پر تسلیم نہ کرے اسے وہ عیسائیت سے خارج قرار دیتے ہیں (۲۲۱)۔“

قارئین کرام! آپ جناب مولانا مودودی کی وہ تمام تحریرات و عبارات (جو احادیث شریفہ اور اس کے اسناد و روایات سے متعلق ہیں) کو پڑھ جائیے تمام عبارات میں یہی پائیں گے کہ آپ احادیث شریفہ کو اصولی طور پر حجت تسلیم کرنے میں بے اعتماد ہیں کیونکہ احادیث شریفہ کی جو اصل بنیاد ہے یعنی (۱) اسناد و (۲) متون و (۳) مضمون حدیث ہی پر آپ کو اعتماد نہیں ہے اور اگر احادیث شریفہ سے آپ کہیں استدلال بھی کرتے ہیں تو اس سے محض اپنی خاص ذہنی و فکری رائے کی تقویت مقصود ہوتی ہے۔ یعنی اگر احادیث شریفہ حجت ہیں تو صرف آپ کی ذہنی تائید کے لئے اس لئے بہر حال تمام مسلمان مکاتب فکر کے لئے یہ ایک مستقل قابل توجہ مسئلہ ہے کہ کیا واقعی جناب سید مولانا مودودی صاحب احادیث کو اصولی طور پر حجت تسلیم کرتے ہیں؟

ہم جس آخری و حتمی رائے پر پہنچے ہیں کہ کہیں تو جناب مودودی صاحب کو احادیث شریفہ کی سندوں پر اعتراض ہے کہیں آپ کو متون احادیث ہی کا انکار ہے کہیں مضامین احادیث آپ کی عقل و فہم کے رتب سے باہر ہیں اور کہیں احادیث پاک کی تفصیلات کو (ملاحظہ کیجئے تفہیم جلد ۳ ص ۲۳۳، ۲۳۴ سورہ حج تفہیم جلد ۳ ص ۱۳، ۱۴، ۱۵ حاشیہ ۹۱ تفہیم جلد ۴ ص ۳۲۷، حاشیہ ۳۶) اور بعض جگہ ان تفصیلات کے کسی حصہ کو آپ نہیں مانتے ہیں اور پھر خود ہی حکم بھی تحریر کرتے ہیں جیسا کہ اس زیر بحث تفہیم ج ۲ ص ۵۸۶-۵۸۷ سورہ بنی اسرائیل کے ذیل میں ہے۔

”تاہم اگر کوئی شخص ان تفصیلات کے کسی حصہ کو نہ مانے جو حدیث میں آئی ہیں تو اس کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔“

سوال یہ ہے کہ اگر حدیث کی تفصیلات کا وہ حصہ عقیدہ سے متعلق ہو اور جناب سید مودودی صاحب اور ان جیسے حضرات اس کو نہ مانیں تو ایسے شخص کے متعلق تکفیری حکم نہیں ہوگا تو پھر کیا ہوگا؟ اس کو خارجی، رافضی، شیعہ، معتزلی، یہودی، نصرانی، نفس پرست، اتباع شیطان



کس چیز سے تعبیر کریں گے؟ جو بھی حکم لگانا ہو اور باب جماعت اسلامی خود تجویز کر لیں یا بغیر کسی حکم شرعی ہی کے ایسے شخص کو چھوڑ دیا جائے گا؟ چونکہ مودودی صاحب کا مسئلہ ہے؟

### مضمون نمبر (۱۹)

ایک تفسیر کے متعلق آپ کا غلط فیصلہ اور علامہ ابن جریر طبری اور علامہ ابن کثیر دمشقی کی رائے سے خواہی بخواہی آپ کے استدلال کی حقیقت

تفہیم القرآن ۲ ۴۰۵ ۱۲۰

(۱) "اس سلسلہ میں ایک حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اگر یوسف علیہ السلام نے وہ بات نہ کہی ہوتی جو انہوں نے کہی تو وہ قید میں کئی سال نہ پڑے رہتے" لیکن علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ "یہ حدیث جتنے طریقوں سے روایت کی گئی ہے وہ سب ضعیف ہیں بعض طریقوں سے یہ مرفوعاً روایت کی گئی ہے اور ان میں سفیان بن کعب اور ابراہیم بن یزید راوی ہیں جو دونوں ناقابل اعتماد ہیں۔ اور بعض طریقوں سے یہ مرسل روایت ہوئی ہے (۲) اور ایسے معاملات میں مرسلات کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا" علاوہ بریں درایت کے اعتبار سے بھی یہ بات باور کرنے کے قابل نہیں ہے کہ ایک مظلوم شخص کا اپنی رہائی کے لئے دنیوی تدبیر کرنا خدا سے غفلت اور توکل کے فقدان کی دلیل قرار دیا گیا ہوگا۔"

قارئین کرام! تفہیم ج ۲ ص ۴۰۴ کے اس حاشیہ ۳۵ ہی میں اس سے قبل آپ نے بعض مفسرین کی ایک تفسیر نقل کی ہے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ "شیطان نے حضرت یوسف کو اپنے رب (یعنی اللہ تعالیٰ) کی یاد سے غافل کر دیا اور انہوں نے ایک بندے سے چاہا کہ وہ اپنے رب (یعنی شاہ مصر) سے ان کا تذکرہ کرے ان کی رہائی کی کوشش کرے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ مزادی کہ وہ کئی سال تک جیل میں پڑے رہے درحقیقت تفسیر بالکل غلط ہے۔"

غالباً آپ نے شرم و حیا لحاظ و ادب کی وجہ سے ان مفسرین (ابن جریر و دہلوی) کا نام لینا پسند نہیں فرمایا اور ٹکٹ یہ ہے کہ اخیر میں بلا دلیل یہ فیصلہ اپنی تحریر کرویا "درحقیقت یہ تفسیر بالکل غلط ہے" حالانکہ بات ایسی نہیں جیسا کہ آپ نے فیصلہ کیا ہے تفسیر یہ ہے ملاحظہ کیجئے ترجمہ شیخ الہند میں فوائد عثمانی کی اس آیت پر حاشیہ ۴ کو اس سے آپ کو اس تفسیر کی عمدگی بھی معلوم ہو جائے گی اور حضرات مفسرین کے نام کا (ابن جریر و دہلوی) بھی پتہ چلے گا کہ ان مفسرین کے مقابلہ میں مولانا مودودی کی کوئی بھی دینی و علمی حیثیت نہیں۔ حضرت مولانا علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں:

"بھلانے کی نسبت شیطان کی طرف اس لئے کی گئی کہ وہ القاء و سادس وغیرہ کا ذریعہ ہے۔ جو سب بنتا ہے نسیان کا حضرت موسیٰ کے رفیق سفر نے کہا تھا "وما انساہ الا الشیطان ان اذکرہ" لیکن ہر شر میں اللہ تعالیٰ کوئی خیر کا پہلو رکھ دیتا ہے یہاں بھی گواہ نسیان کا نتیجہ تطویل قید کی صورت میں ظاہر ہوا تاہم حضرت شاہ صاحب کی نکتہ آخری کے موافق اس میں یہ تنبیہ ہوئی کہ ایک پیغمبر کا دل ظاہری اسباب پر نہیں ٹھہرنا چاہئے بلکہ ابن جریر اور دہلوی وغیرہ نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ وہ "فانساہ الشیطان ذکر ربہ" کی ضمیر یوسف کی طرف راجع کرتے ہیں۔ گویا "اذکر نبی عند ربک" کہنا ایک طرح کی غفلت تھی جو یوسف علیہ السلام کو عارض ہوئی انہوں نے قیدی کو کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا۔ حالانکہ چاہئے تھا کہ سب ظاہری سہارے چھوڑ کر وہ خود اپنے رب سے فریاد کرتے بے شک کشف شدائد کے وقت مخلوق سے ظاہری استعانت اور اسباب کی مباشرت مطلقاً حرام نہیں ہے لیکن ابراہیم کی حسات مقربین کی سیات بمن جاتی ہے جو بات عامۃ الناس بے کھٹک کر کہتے ہیں انبیاء و ہم السلام کے منصب عالی کے اعتبار سے وہ بھی بات ایک قسم کی تفسیر بمن جاتی ہے امتحان و ابتلاء کے موقع پر انبیاء کی شان رفیع اسی کو مقتضی ہے کہ رخصت پر نظر نہ کریں۔ انتہائی عزیمت کی راہ چلیں چونکہ حضرت یوسف کا "اذکر نبی عند ربک" کہنا عزیمت کے خلاف تھا اس لئے عتاب آمیز تنبیہ ہوئی کہ کئی سال تک مزید قید اٹھانی پڑی اور اس لئے "انساہ" کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی واللہ اعلم بالصواب زیادہ تفصیل روح المعانی میں ہے۔"

## قارئین کرام! واقعہ درحقیقت کیا ہے؟

کیوں اس تفسیر کو مولانا مودودی نے غلط بتلایا؟ اس لئے کہ اس تفسیر سے حدیث پاک کی تائید ہوتی تھی اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ احادیث شریفہ قرآن کے عین مطابق ہیں لیکن مولانا مودودی صاحب قطعاً یہ نہیں چاہتے ہیں کہ تفسیر سے حدیث پاک کی تائید ہو اور حدیث پاک کی یہ تصویر سامنے آجائے کہ وہ قرآن کے عین مطابق ہے اسی لئے آپ نے فیصلہ کر دیا کہ ”درحقیقت یہ تفسیر غلط ہے“

اور اسی لئے یہ حدیث شریف ہی آپ کو مستحکم فی نظر آئی اور علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے طرہ حدیث پر نقد و جرح کر ڈالا۔ تاکہ آپ کی گرفت نہ ہو سکے اور ساری بات علامہ ابن کثیر کی ذمہ داری پر رہے کہ وہی اصل ”ناقد حدیث“ ہیں اور جناب مولانا مودودی صاحب تو صرف ”ناقل محض“ ہیں۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر نے احادیث پاک پر صرف اور صرف جرح کیا ہے؟ یا تعدیل بھی کی ہے؟ یعنی احادیث شریفہ سے اعتماد کو ختم ہی کیا ہے؟ یا احادیث شریفہ کی توثیق و تعدیل کر کے اعتماد بھی کیا کر آیا ہے؟ جناب مودودی صاحب ہر جگہ علامہ ابن کثیر کے جرح کو ذکر کرتے ہیں اور انہوں نے جو احادیث شریفہ کی تعدیل و توثیق کی ہے اس کو نہیں ذکر کرتے۔ اس کا کیا مطلب؟ فتاویٰ محمودیہ کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ علامہ ابن کثیر اور ابن جریر کے متعلق جماعت اسلامی کی طرف سے جو سخت تنقید کی گئی ہے کہ انکا یہ حدیث کا فتنہ ان کی جمع کردہ احادیث کا لازمی نتیجہ ہے یہ ان پر بہتان ہے افتراء ہے اور خلاف واقعہ ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں نے احادیث شریفہ پر اعتماد بھی فرمایا ہے اور جماعت اسلامی اپنی گندی و بے اعتمادی حدیث کو خواہی نحو اسی ان کی طرف منسوب کرتی ہے۔ کیونکہ علامہ ابن کثیر نے احادیث شریفہ پر صرف جرح ہی نہیں کیا ہے بلکہ تعدیل بھی فرمائی ہے۔

پھر اگر ان کی تصویر ایسی ہی گندی اور بے اعتمادی حدیث کی ہے تو پھر ان کی رائے سے استدلال و استشہاد کرنا یہاں پر جناب مودودی صاحب کے لئے کس طرح صحیح ہوگا؟ اس لئے میرے نزدیک آپ کا طریقہ تنقید ایک دیہاتی مقولہ ”کھیت کھائے گدھا اور مارا جائے گنا“ کا مصداق ہے کہ بے اعتمادی حدیث ہو مودودی صاحب کو اور بدنام کریں ابن کثیر و ابن جریر کو؟ اسی وجہ سے آپ نے اس پر سلی جرح و نقد کے بعد اپنی عقل و درایت سے بھی ان الفاظ میں فیصلہ فرمایا کہ

”علامہ ابن کثیر درایت کے اعتبار سے بھی یہ بات یاد رکھنے کے قابل نہیں کہ اس“

کیا جناب سید مودودی صاحب کی عقل و درایت بھی جیت شرعیہ ہے؟ آپ کو تو دلائل شرعیہ سے اس تفسیر کی غلطی کی وضاحت کرنی چاہئے تھی کیونکہ ابن کثیر کے حوالہ سے حدیث پر بے اعتمادی ایسا ہی ہے کہ جیسا کہ بعض ہوشیار لوگ دوسرے کے کندہ۔“ پر بدوق رکھ کر چلاتے ہیں۔

قارئین کرام! اب آپ علامہ ابن کثیر اور علامہ ابن جریر کی صحیح تصویر ملاحظہ فرمائیں جس کو مخدومی و محترمی جناب مولانا نظام الدین زید مجدہ و مدظلہ نے اپنی کتاب ”تفسیروں میں اسرائیلی روایات“ میں کھینچی ہے آپ فرماتے ہیں:

”تیسری صدی کے آخر میں محمد ابن جریر طبری متوفی ۳۲۰ھ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قدیم طرز تحریر سے ہٹ کر فن تفسیر میں ایک نئی راہ نکالی۔ انہوں نے ۳۰ جلدوں میں ایک مبسوط اور ضخیم تفسیر لکھی جس میں طرز قدیم کے خلاف صرف صحابہ اور تابعین کے اقوال نقل کر دیئے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان پر اضافہ کیا ابن جریر ہی پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے تفسیر میں اقوال کی توجیہ کی بعض کو بعض پر ترجیح دی اعراب و قراءت پر بحث کی الفاظ و معانی کی تفسیر میں کام عرب سے استشہاد کیا اس لحاظ سے فن تفسیر میں باقاعدہ پہلی کتاب یہی علامہ ابن جریر طبری کی تفسیر ”جامع البیان فی تفسیر القرآن“ ہے۔ پھر آپ ۳۳۰ھ فرماتے ہیں کہ ”محققین اور بعض متاخرین علماء کی جن تفسیروں کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی اور جو آج بھی دستیاب ہے اور متداول ہیں اور

اسلامی لائبریریوں میں پائی جاتی ہیں ان کی ایک مختصر فہرست پیش ہے "پھر آپ نے اس پر پندرہ معتد و مستند ترین کتب تفسیر و معضرات مفسرین کے نام تحریر فرمائے ہیں جن میں نمبر ایک پر ابن جریر طبری کا نام ذکر فرمایا ہے۔ اور اسی سلسلہ کتب تفسیر معتبرہ میں گیارہویں نمبر پر حافظ عماد الدین ابو القاسم اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی متوفی ۷۷۶ھ کی "تفسیر القرآن العظیم" کو ذکر فرمایا جو صرف ابن کثیر کے نام سے مشہور ہے پھر آپ نے اس پر ۴۵ نمبر تحریر فرمایا ہے کہ "مذکورہ بالا مفسرین میں حافظ ابن کثیر نے سب سے زیادہ اسراخلیات کی تردید پر توجہ کی ہے کیونکہ وہ محدث بھی ہیں علم اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل سے بھی واقف ہیں ان کی ہر تردید علمی استدلال لئے ہوئے ہے"

قارئین کرام! اب آپ اس حقیقت واقعہ کے آئینہ میں علامہ ابن جریر اور علامہ ابن کثیر کی صحیح تصویر کو ملاحظہ فرمائیں تو صاف معلوم ہوگا کہ جماعت اسلامی نے ان دونوں معتد مفسرین کرام کی تصویر بگاڑ کر پیش کی ہے اور اپنی بے اعتمادی حدیث کو ان دونوں کی جانب غلط طور سے "سوب کر کے اپنی گندگی و غلاظت کو چھپا کر ان عظیم شخصیات کو مجروح کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ قیامت میں تو اس کا حساب ہوگا ہی مگر دنیا میں جماعت اسلامی سے کون باز پرس کرے؟ ہاں اس کے متعلق سیدی و مرشدی مغنی محمود حسن صاحب گنگوہی نے اپنے فتاویٰ محمودیہ ج ۱ اول میں مولانا مودودی کی مخالفت احادیث کی جہات و اسباب پر گرفت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے جزام اللہ خیرا۔

خلاصہ یہ کہ جناب مودودی صاحب کے اس حاشیہ میں تین غلطیاں ہیں ایک محض اپنے دعویٰ کی بنیاد پر اس تفسیر کو بلا دلیل شرعی غلط قرار دیا دوسرے اس حدیث شریفہ پر علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے خواہی خواہی تفہیم جیسی عوامی کتاب میں جرح و تعدیل کر کے علامہ الناس کے قلوب میں احادیث شریفہ سے بے اعتمادی پیدا کرائی تیسری غلطی یہ کہ اس تفسیر کو غلط قرار دینے کے نتیجے میں قرآن کریم کی آیات وَمَا آتَيْنَاهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ (پ ۱۶) إِنَّ الدِّينَ اتَّقُوا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنْ

الشَّيْطَانِ قَدْ كُذِّرُوا فَلَا ظَنَّهُمْ مِّنْ يَّصُونُونَ (پ ۹ اعراف) اور اس جیسی دیگر آیات شریفہ کا انکار لازم آتا ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ متقین کو بھی شیطانی اثر پہنچتا ہے۔ مگر وہ اپنے صحیح طریقہ کار کے لئے چوکنا رہتے ہیں پھر وہ حدیث بھی سامنے رکھتے جس میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ شیطان ہے تو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ آپ کے ساتھ بھی؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن میرا شیطان مسلمان ہو گیا ہے یا مجھ کو وہ غلط بات کا مشورہ نہیں دیتا ہے یا میں اس کی غلط بات سے محفوظ ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ فتنہ ساز ذکر ربی کی جو تفسیر ابن جریر اور بغوی وغیرہ نے نقل کیا ہے اس کے بارے میں جناب مودودی صاحب کا فیصلہ کرنا کہ "درحقیقت یہ تفسیر بالکل غلط ہے" بالکل بے بنیاد و لا حاصل ہے اور ناواقفیت و جہالت پر مبنی ہے۔

### مضمون نمبر (۲۰)

(۱) یہ منکرین حدیث کی حجت "مسترد لبرال در حدیث دیگران" کے قبیل سے ہے یا نہیں؟

(۲) احادیث شریفہ کے متعلق سید مودودی مرحوم عبارات تفہیم میں اپنے بیان کردہ چوتھی بات کہ قائل نظر آتے ہیں یا نہیں؟

تفہیم القرآن ۲ ۵۴۴ ۱۶ نحل

حاشیہ ۴۔ "یہ آیت جس طرح ان منکرین نبوت کی حجت کے لئے قائل تھے جو خدا کا ذکر "بشر کے ذریعہ سے آنے کو نہیں مانتے تھے اسی طرح آج یہ ان



منکرین حدیث کی حجت کے لئے بھی قاطع ہے جو نبی کی تشریح و توضیح کے بغیر صرف "ذکر" کو لے لیتا چاہے ہیں (۱) وہ خواہ اس بات کے قائل ہوں کہ نبی نے تشریح و توضیح کچھ بھی نہیں کی تھی صرف ذکر پیش کر دیا تھا (۲) یا اس کے قائل ہوں کہ ماننے کے لائق صرف ذکر ہے نہ کہ نبی کی تشریح (۳) یا اس کے قائل ہوں کہ اب ہمارے لئے صرف ذکر کافی ہے نبی کی تشریح کی کوئی ضرورت نہیں (۴) یا اس بات کے قائل ہوں کہ اب صرف ذکر ہی قابل اعتدال و حالت میں باقی رہ گیا ہے۔ نبی کی تشریح یا تو باقی ہی نہیں رہی یا باقی ہے بھی تو بھروسے کے لائق نہیں غرض ان چاروں باتوں میں سے جس بات کے بھی وہ قائل ہوں ان کا مسلک بہر حال قرآن کی اس آیت سے ٹکراتا ہے۔ اگر وہ پہلی بات کے قائل ہیں تو اس کے معنی یہ ہے کہ نبی نے اس منشا ہی کو فوت کر دیا جس کی خاطر ذکر کو فرشتوں کے ہاتھ بھیجے یا براہ راست لوگوں تک پہنچا دینے کے بجائے اسے واسطہ تبلیغ بنایا گیا تھا۔

اور اگر وہ دوسری یا تیسری بات کے قائل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میاں نے (معاذ اللہ) یہ فضول حرکت کی کہ اپنا "ذکر" ایک نبی کے ذریعہ سے بھیجا کیونکہ نبی کی آمد کا حاصل بھی وہی ہے جو نبی کے بغیر صرف ذکر کے مطلوبہ شکل میں نازل ہو جانے کا ہو سکتا تھا۔

اور اگر وہ چوتھی بات کے قائل ہیں تو دراصل یہ قرآن اور نبوت محمدیؐ کی دونوں کے نسخ کا اعلان ہے جس کے بعد اگر کوئی مسلک معقول باقی رہ جاتا ہے تو وہ صرف ان لوگوں کا مسلک ہے جو ایک نبی نبوت اور نبی وحی کے قائل ہیں۔ اس لئے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ خود قرآن مجید کے مقصد نزول کی تکمیل کے لئے نبی کی تشریح کو ناگزیر مظہر ارہا ہے اور نبی کی ضرورت ہی اس طرح ثابت کر رہا ہے کہ وہ ذکر کے منشا کی توضیح کرے اب اگر منکرین حدیث کا یہ قول صحیح ہے کہ نبی کی توضیح و تشریح دنیا میں باقی نہیں رہی ہے تو اس کے دو نتیجے نکلے ہوئے ہیں۔ پہلا نتیجہ یہ ہے کہ عموماً کتاب کی حیثیت سے نبوت محمدیؐ ختم ہو گئی اور ہمارا اعلیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اس طرح کارو گیا جیسا ہوا اور صالح اور شعیب علیہم السلام کے ساتھ ہے کہ ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں ان پر ایمان لاتے ہیں مگر ان کا کوئی اسوہ ہمارے پاس نہیں ہے جس کا ہم اتباع کریں۔ یہ چیز نبی نبوت کی ضرورت آپ سے آپ ثابت کر دیتی ہے

صرف ایک بے وقوف ہی اس کے بعد ختم نبوت پر اصرار کر سکتا ہے۔ دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ ایسا قرآن نبی کی تشریح و تفسیر کے بغیر خود اپنے پیچھے والے کے قول کے مطابق ہدایت کے لئے ناکافی ہے اس لئے قرآن کے ماننے والے خواہ کتنے ہی زور سے چیخ کر اسے بجائے خود کافی قرار دیں مدعی مسیح کی حمایت میں گواہان بحث کی بات ہرگز نہیں چل سکتی اور ایک نبی کتاب کے نزول کی ضرورت آپ سے آپ خود قرآن کی رو سے ثابت ہو جاتی ہے قاتلہم اللہ! اس طرح یہ لوگ حقیقت میں انکار حدیث کے ذریعہ سے دین کی جڑ کھود رہے ہیں۔

قارئین کرام! "سز دلبراں در حدیث دیگران" کے انداز میں یہاں آپ نے منکرین حدیث کی حجت نقل کی ہے جس کی جو تھی وجہ پوری طرح سے آپ ہی پر چسپاں ہوتی ہے اس لئے کہ احادیث شریفہ کے متعلق آپ ہی کی تمام تحریرات تفہیم و غیر تفہیم کی بنیاد پر ہم یہ قطعی فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ جناب سید مودودی صاحب بھی منکرین حدیث کی صف میں داخل ہیں اور اپنے مافی الضمیر کے مطابق ان کی باتوں کو نقل کر کے آپ نے بھی ماڈرن طریقے پر منکرین حدیث کی طرح دین کی جڑ کھودنے کی کوشش کی ہے۔ قارئین کرام غور فرمائیں کہ تفہیم میں آپ نے منکرین حدیث کی طحانہ لغویات نقل فرما کر ان کو تقویت پہنچائی ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ یہی طحانہ لغویات آپ کی تحریروں میں بھی ہیں قاتلہم اللہ کیونکہ منکرین حدیث کی طحانہ لغویات میں سے ایک عدم وثوق ذرا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال تمام اسب مسلک کے لئے حجت اور ضروری ہیں مگر چونکہ ہمارے زمانے تک احادیث شریفہ قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچیں اس لئے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایک جامعیت قرآن ہے یعنی قرآن ایک جامع کتاب ہے لہذا حدیث و سنت رسولؐ کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ سنت کا ماخذ دین ہونا قرآن کی جامعیت کے منافی ہے ایک روایت یا معنی ہے یعنی بہت سی احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعینہ الفاظ مروی نہیں ہیں بلکہ راویوں کے اپنے الفاظ ہیں اور صحابہ کرامؓ کے الفاظ سے احادیث شریفہ کی صحت کا یقین نہیں۔ ایک خلاف عقل ہے یعنی

بعض احادیث میں خلاف عقل باتیں ہیں اور خلاف عقل کوئی حکم بھی قابل قبول نہیں ہوتا۔

اب آپ غور فرمالیجے کہ جناب مولانا مسودودی صاحب نے بے اعتمادی حدیث کے لئے جو تحریرات ثبت فرمائی ہیں ان کی بنیاد یہی مذکورہ چار طحاہ لغویات ہیں نعوذ باللہ من شرور افساد من سیات اعمالنا۔ علماء کرام نے منکرین حدیث کی ان لغویات کا جواب اپنی اپنی کتابوں میں دے دئے ہیں۔

### مضمون نمبر (۲۱)

حدیث شریف کو مجروح کرنے کے بعد خود اس کی تفصیلات پر غور کرنا

تفہیم القرآن ۳ ۳۴ الکھف ۱۸

حاشیہ ۵۰۔ حضرت کو یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟ اس کی کوئی تصریح قرآن نے نہیں کی ہے۔ حدیث میں عوفی کی ایک روایت ہمیں ضرور ملتی ہے جس میں وہ ابن عباس کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا تھا جب فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ نے مصر میں اپنی قوم کو آباد کیا تھا لیکن ابن عباسؓ سے جو قوی تر روایات بخاری اور دوسری کتب حدیث میں منقول ہیں وہ اس بیان کی تائید نہیں کرتیں اور نہ کسی دوسرے ذریعے سے ہی یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرعون کی ہلاکت کے بعد حضرت موسیٰ کبھی مصر میں رہے تھے بلکہ قرآن اس کی تصریح کرتا ہے کہ مصر سے خروج کے بعد ان کا سارا زمانہ سینا اور تیہ میں گزرا۔ اس لئے یہ روایت تو قابل قبول نہیں ہے۔ البتہ جب ہم خود اس قصے کی تفصیلات پر غور کرتے ہیں "مخ"۔

۱۔ "لیکن ابن عباسؓ سے جو قوی تر روایات بخاری اور دوسری کتب حدیث میں "مخ"۔

قارئین کرام! خود فرمائیں کہ جب ابن عباس سے قوی تر روایات بخاری اور

دوسری کتب حدیث میں منقول ہیں اور وہ روایات عوفی کے بیان کی تائید نہیں کرتیں عوفی کی حدیث غلط نہیں ہوئی؟ تو پھر کیا ہوئی؟

یہی مقصود ہے جناب مولانا مسودودی صاحب کا کہ کسی نہ کسی طرح سے حدیث کی تقلید کر کے مجروح کریں اس صفحہ ۳۴ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کو یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟ اس کے متعلق حدیث پاک میں بیان کردہ باتوں کو نہ مان کر آپ نے اپنی سمجھ و درایت سے دو باتیں بنا کر قیاس کیا کہ اس واقعہ کا تعلق کس دور سے ہے؟ حدیث پاک اور روایت کو مجروح کر کے اپنی سمجھ و فہم سے کوئی قیاس کیا جائے تو اس کو کس چیز سے تعبیر کی جائے گی؟ آپ مزید آگے لگتے ہیں

"اگر ہمارا یہ قیاس درست ہو تو پھر یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ عائشہؓ حضرت موسیٰ کا یہ سفر سوڈان کی جانب تھا"

قارئین کرام! آپ نے غور کیا؟ کہ حدیث پاک کے مقابلہ میں پہلے تو آپ نے دو باتیں بنانے کی وجہ قائم کی۔ پھر اس پر قیاس کیا۔ پھر اس قیاس کے درست ہونے کی شرط پر ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی فرماتے ہوئے گمان کیا۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب کیوں؟ اس کا جواب آپ نے ہی خود بعد کی سطروں میں یوں دیا ہے چونکہ "بائبل اس واقعہ کے باب میں بالکل خاموش ہے البتہ تلمود میں اس کا ذکر موجود ہے"

اس جملہ میں ثبوت ہے اس بات کا کہ آپ کی تمام باتیں بائبل ہی کی بنیاد پر نہیں بلکہ تلمود کے ذکر و بیان کی بنیاد پر ہیں۔ اس کے ساتھ ہی قارئین کرام اس پر بھی غور فرمائیں کہ آپ نے بات کہاں سے شروع کی تھی؟ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کردہ عوفی کی حدیث سے اور بات ختم کہاں کی؟ بائبل کی کتاب تلمود پر۔ بتلایا جائے کہ حدیث پاک اور تلمود کا کیا جوڑ ہے کہ احادیث شریفہ کی باتوں کو بائبل و تلمود میں تلاش کیا جائے پھر آپ نے اپنے قیاس و گمان اور تلمود کے بیان کا تجزیہ کر کے قطعی فیصلہ بھی نہیں کیا تھا کہ اچانک بات ہی دوسری شروع کر دی اور سارا الزام مسلمانوں پر رکھ دیا کہ "تلمود کی اتنی روایت سے متاثر ہو کر مسلمانوں میں سے بعض لوگوں نے یہ

کہہ دیا کہ قرآن میں اس مقام پر موسیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نہیں بلکہ کوئی اور موسیٰ ہیں۔

قارئین کرام! یہ دونوں باتیں (حضرت موسیٰ کو یہ واقعہ کب اور کہاں پیش آیا؟ اور اس مقام پر موسیٰ سے کون مراد ہیں؟) الگ الگ موضوع بحث ہیں۔ ایک سوال کا جواب علمی و تحقیقی طور پر مکمل ہو جاتا تو دوسری بحث کو شروع کرتے یہ غلط بحث نہیں تو اور کیا ہے؟ علاوہ ازیں تلمود کا بیان و حوالہ یہاں آپ نے ہی دیا مگر مسلمانوں پر الزام رکھتے ہوئے تحریر کر دیا

”کسی مسلمان کے لئے تلمود کا بیان لائق التفات نہیں“

حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر بھی اپنے اس جملہ کے مصداق حسب سابق خود جناب سید مودودی صاحب ہی ہیں کیونکہ ہم نے ص ۳۵ پر دیکھا کہ آپ نے پہلے خود قیاس کیا پھر اس قیاس کی درستگی کی شرط پر گمان کیا پھر اپنے اس قیاس و گمان کے بارے میں فرمایا کہ

”بائبل اس واقعہ کے بارے میں بالکل خاموش ہے البتہ تلمود میں اس کا ذکر

موجود ہے“

تو تلمود کے بیان کو تو لائق التفات خود آنجناب مودودی صاحب نے ہی سمجھا جب ہی تو اس کا ذکر بھی کیا یہ الگ مسئلہ ہے کہ ذکر کریں خود۔ اور الزام رکھیں مسلمانوں پر تو آپ کا یہ طریقہ کار آیت قرآنی وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِنَا ثُمَّ يَبْرُئْ فَاَنْتَقِدُوا الْفَكْهَانَ وَانْتَابْنَا مُبِينًا (پ ۵ سورہ نساء آیت ۱۱۳) کے ذیل میں آئے گا۔

### مضمون نمبر (۲۲)

اپنے دیکھنے پر اور غیروں کی روایات پر اعتماد

مگر احادیث شریفہ پر نہیں

تفہیم القرآن ۳ ۶۶۶ پارہ ۲۰ القصص ۲۸

حاشیہ ۳۳۔ ”یہ مقام جہاں حضرت موسیٰ پہنچے تھے عربی روایات کے مطابق

طیج عقبہ کے غریب ساحل پر مٹھنا سے چند میل بجایاں شمال واقع تھا۔ آج کل اسے البدع کہتے ہیں اور وہاں ایک چھوٹا سا قصب آباد ہے۔ (۱) میں نے دسمبر ۱۹۵۹ء میں شونگ سے عقبہ جاتے ہوئے اس جگہ کو دیکھا ہے۔

(۲) مقامی باشندوں نے مجھے بتایا کہ ہم باپ دادا سے۔ یہی سنتے چلے آئے ہیں کہ مدین اسی جگہ واقع تھا۔ (۳) یوسفوس سے لے کر برٹن تک قدیم و جدید (۴) سیاحوں اور (۵) جغرافیہ نویسوں نے بھی بالعموم مدین کی جائے وقوع یہی بتائی ہے۔ اس کے قریب تھوڑے فاصلے پر وہ جگہ ہے جسے اب سفار شعیب یا مغارات شعیب کہا جاتا ہے۔ اس جگہ شہودی طرز کی کچھ عمارات موجود ہیں اور اس سے تقریباً میل ڈیڑھ میل کے فاصلے پر کچھ قدیم کھنڈر واقع ہیں جن میں دو اندھے کنوئیں ہم نے دیکھے۔ مقامی باشندوں نے ہمیں بتایا کہ یقین کے ساتھ تو ہم نہیں کہہ سکتے لیکن ہمارے ہاں روایات یہی ہیں کہ ان دونوں میں سے ایک کنواں وہ تھا جس پر حضرت موسیٰ علی السلام نے بکریوں کو پانی پلایا ہے۔ (۶) یہی بات ابو القادہ (متوفی ۳۲ھ) نے تقویم البلدان میں (۷) اور یاقوت نے معجم البلدان میں ابو زید انصاری (متوفی ۲۱۶ھ) کے حوالہ سے لکھی ہے کہ اس علاقے کے باشندے اسی مقام پر حضرت موسیٰ کے اس کنوئیں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت صدوں سے وہاں کے لوگوں میں متواتر چلی آ رہی ہے اور اس بنا پر اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں جس مقام کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی ہے مقابل کے صفحہ پر اس مقام کی کچھ تصاویر ملاحظہ ہوں۔

حاشیہ ۳۴۔ یعنی ہم عورتیں ہیں ان چرواہوں سے مزاحمت اور کشاکش کر کے اپنے جانوروں کو پانی پلانا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ والد ہمارے اس قدر سن رسیدہ ہیں کہ وہ خود یہ مشقت اٹھا نہیں سکتے۔ مگر میں کوئی دوسرا مرد بھی نہیں ہے۔ اس لیے ہم عورتیں ہی یہ کام کرنے نکلتی ہیں اور جب تک سب چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر نہیں جاتے ہم کو مجبوراً انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس سارے مضمون کو ان خواتین نے صرف ایک مختصر سے فقرے میں ادا کر دیا جس سے ان کی حیاداری کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک غیر مرد سے زیادہ بات بھی نہ کرنا چاہتی تھیں مگر یہ بھی پسند نہ کرتی تھیں کہ یہ ابھی ہمارے



خاندان کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کر لے اور اپنے ذہن میں یہ خیال کرے کہ کیسے لوگ ہیں جن کے سر دگر بنسے رہے اور اپنی نورتوں کو اس کام کے لیے بھیج دیا۔

۲۔ ان خواتین کے والد کے متعلق ہمارے ہاں کی روایات میں یہ بات مشہور ہوئی ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام تھے لیکن قرآن مجید میں اشارۃً و کنایۃً بھی کوئی بات ایسی نہیں کہی گئی ہے جس سے یہ سمجھا جاسکے کہ وہ حضرت شعیب ہی تھے۔ شعیب علیہ السلام قرآن میں ایک معروف شخصیت ہیں۔ اگر ان خواتین کے والد وہی ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ یہاں اس کی تصریح نہ کر دی جاتی۔

۳۔ بلاشبہ بعض احادیث میں ان کے نام کی تصریح ملتی ہے لیکن علامہ ابن جریر اور ابن کثیر دونوں اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے کسی کی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ اسی لیے ابن عباس، حسن بصری، ابو عبیدہ اور سعد بن جبیر جیسے اکابر مفسرین نے نئی اسرائیل کی روایات پر اعتماد کر کے ان بزرگ کے وہی نام بتائے ہیں جو تلمود وغیرہ میں آئے ہیں۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر نئی اسرائیل سے ام شعیب کی تصریح ہوتی تو یہ حضرات کوئی دوسرا نام نہ لے سکتے تھے۔

۴۔ بائبل میں ایک جگہ ان بزرگ کا نام رعواہل اور دوسری جگہ جردمان کہا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ مدین کے کاہن تھے۔ (خروج باب ۱۶:۲-۱۸، باب ۳:۱-۵:۱۸)

قارئین کرام! یہاں آپ نے نمبر وار بالترتیب تنوک سے عقبہ جاتے ہوئے (۱) خود دسمبر ۱۹۵۹ء میں اس جگہ کو دیکھنے پر (۲) مقامی باشندوں کے بتانے پر (۳) یوسفوس سے لے کر برٹن تک (۴) قدیم وجدید سیاحوں پر (۵) جغرافیہ نویسوں پر (۶) ابوالقدامہ کی تقویم البلدان (۷) یا قوت کی معجم البلدان پر ان سات روایات پر اعتماد کیا ہے۔ جیسا کہ خود ہی آگے کی مطر میں لکھا بھی ہے کہ:

”اس بنا پر اعتماد کے ساتھ کہا جاسکتا ہے“

مگر افسوس صد افسوس کہ کوئی بات اگر آپ اعتماد کے ساتھ نہیں کہہ سکتے ہیں تو حضرات محدثین کی روایات اور ان کی سندوں کی بنیاد پر جس کی مثال گزشتہ اوراق کی طرح اس

تفہیم صفحہ ۶۲۷ حاشیہ ۳۴۔ میں حضرت شعیب کے نام کی تصریح کے بارے میں آپ ملاحظہ فرمائیے۔

۲۔ ”ان خواتین کے متعلق ہمارے یہاں کی روایات میں یہ بات مشہور ہوئی ہے کہ وہ حضرت شعیب تھے لیکن قرآن مجید میں اشارۃً و کنایۃً بھی کوئی بات ایسی نہیں کہی گئی ہے جس سے یہ سمجھا جاسکے کہ وہ حضرت شعیب ہی تھے“

کیا جس بات کو قرآن پاک میں اشارۃً و کنایۃً نہیں بیان کیا گیا ہو اس کو احادیث و آثار صحابہ کے ذریعہ سے نہیں سمجھا جاسکتا ہے...؟

یہ تو اہل قرآن کہتے ہیں کہ ہر بات کا ثبوت قرآن ہی سے ہونا چاہیے وہ حدیث پاک کو حجت نہیں تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح جناب سید مودودی مرحوم کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ بھی اہل قرآن کی طرح حجت حدیث کو نہیں مانتے ہیں کیونکہ حضرت شعیب کے نام کے متعلق آپ کو حدیث پاک کی سند صحیح نہیں معلوم ہوئی ہے اور قرآن پاک ہی سے حضرت شعیب کے نام کو سمجھنا چاہتے ہیں۔

۳۔ بلاشبہ بعض احادیث میں ان کے نام کی تصریح ملتی ہے لیکن علامہ ابن جریر اور ابن کثیر دونوں اس پر متفق ہیں کہ ان میں سے کسی کی سند بھی صحیح نہیں ہے۔ قارئین کرام! حضرت تھانویؒ اس آیت پر قاعدہ کے تحت فرماتے ہیں:

”ف۔ جو مضامین از قسم روایت ترجمہ کے درمیان لکھے ہیں سب در منشور سے ہیں اور یہ بزرگ شعیب علیہ السلام تھے کذا فی الدررین ابن ماجہ و رفوعاً“

اب بتلایا جائے کہ جناب مودودی صاحب نے جو بائبل کے بیان پر اعتماد کر کے حضرت شعیب کا نام رعواہل اور جردمان بتلایا ہے اس کو مانا جائے؟ یا حضرت تھانویؒ نے جو احادیث پاک پر اعتماد کر کے فرمایا ہے کہ وہ بزرگ شعیب تھے اس کو مانا جائے...؟ ظاہر ہے کہ حدیث پاک کا شیدائی حدیث پاک کو مانے گا اور بائبل کا فدائی بائبل کی بات مانے گا۔

پھر بائبل کے بیان کے مطابق مودودی صاحب نے رعواہل اور جردمان نام بتلایا ہے نہ کہ اس کے بارے میں ابن کثیر اور ابن جریر دونوں متفق ہیں کہ آپ کا بائبل سے

بیان کردہ حضرت شعیبؑ کے نام کی تصریح کی سند بالکل صحیح اور درست ہے؟ یا بائبل کے اس بیان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صراحت موجود ہے؟

قارئین کرام! غور فرمائیے کہ جو بات جناب سید مودودی صاحب کو قرآن میں کہیں بھی اشارہ و کنایہ نہیں ملی تو آپ نے اس کی تفصیل بائبل میں صراحۃً تلاش کر لی۔ بڑے لطف کی بات یہ ہے کہ اس جگہ پر آپ نے علامہ ابن جریر اور ابن کثیر کی عدم اتفاق کی رائے کو ذکر فرما کر ان سے استدلال کیا ہے کہ ان احادیث میں سے کسی کی سند بھی صحیح نہیں ہے حالانکہ ابن کثیر اور جریر کے متعلق جماعت اسلامی کی طرف سے سخت تنقید کی گئی ہے کہ الامان الحفیظ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ انکار حدیث کا جو فتنہ آج ابھر رہا ہے وہ ان کی جمع کردہ احادیث کا لازمی نتیجہ ہے۔

حالانکہ خود مودودی صاحب کی ان تحریرات نے اس فتنہ انکار حدیث کو پرداں پڑھایا ہے۔ پھر ابن کثیر اور علامہ ابن جریر کی رائے سے استدلال کا کیا حق رہا؟.....  
ع الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اس لئے خلاصہ یہی لکھتا ہے کہ آپ احادیث شریفہ کی سندوں کی تو ماشاء اللہ خوب جانچ پڑتال کرتے ہیں مگر بائبل کے بیانات کی سندوں کی طرف توجہ دے کر اس پر جرح و قدح نہیں کرتے۔ آخر کیوں؟

مزید لطف کی بات یہ ہے کہ آنجناب والا نے حضرت شعیبؑ کے نام کی صراحت کے متعلق بائبل کی کتاب خروج کا حوالہ دینے سے قبل قارئین تفہیم کی ذہن سازی کے لئے اور اپنی ذات کو گرفت سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی یہ تحریر فرمایا ہے کہ  
”ابن عباسؓ حسن بصریؒ ابو عبیدہ اور سعید بن جبیر جیسے اکابر مفسرین نے بھی بنی اسرائیل کی روایات پر اعتماد کیا ہے“

اب جناب مودودی صاحب کی کوئی بھی گرفت نہیں کر سکتا ہے کہ جناب ان حضرات اکابر مفسرین کی اتباع میں اگر آپ نے بھی بنی اسرائیل کی روایات پر اعتماد کر لیا

ہے تو کون سا جرم عظیم ہو گیا؟

اس لئے یہ سوال عرض کرنا ضروری ہے کہ ان حضرات نے کس کتاب میں بنی اسرائیل کی روایات پر مودودی صاحب کی طرح اعتماد کیا ہے؟ آپ نے اس کا حوالہ دینے کی زحمت کیوں نہیں برداشت فرمائی؟ بغیر حوالہ کے یہاں پر ان حضرات مفسرین کی طرف اتنی بڑی بات منسوب کرنا یہ علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر اس میں تعجب ہوتا ہے کہ ان حضرات اکابر مفسرین کی اتباع میں جناب مودودی صاحب نے احادیث شریفہ اور ان کی سندوں پر اعتماد کیوں نہیں کیا؟ صرف باب اسرائیلیات ہی میں ان کی اتباع کیوں؟

یعنی ایک چیز میں ان کی اتباع؟ اور دوسری میں نہیں؟ یہ نفیس پرستی نہیں تو اور کیا ہے؟ پھر بنیادی سوال تو یہ ہے کہ کیا ابن جریر اور ابن کثیر کو آپ معتبر بھی مانتے ہیں؟ یا صرف اپنی بات کی تائید مقصود ہے خواہ جہاں سے بھی ہو جائے؟ اس سے بات بالکل واضح اور صاف ہو گئی کہ محض اپنے عمل کے جواز کی خاطر اور عوام الناس کو اپنی علمی تحقیق سے مرعوب کرنے کے لئے ان اکابر مفسرین کے نام آپ نے لئے ہیں۔ کیا اسی کا نام علمی تحقیق ہے؟ اگر یہی علمی تحقیق ہے تو لعنت ہے اس تحقیق پر بھی۔ کیا یہ ”کلموا الناس علی قدر عقولہم“ کے خلاف نہیں؟ کہ تفہیم میں عوام الناس کے لئے احادیث شریفہ کی سند و متن پر جرح و قدح کرنا ان کی عقل سے بالاتر کی چیز نہیں ہے؟ کیا اوسط درجہ کے قارئین تفہیم اس کو حل کر لیتے؟



## مضمون نمبر (۲۳)

خود جناب سید مودودی صاحب نے بھی بائبل کی روایات سے قرآن کی تشریح کی ہے تو کیا ان کو مستشرقین مغرب خوب نمک مرچ لگا کر نہیں پیش کریں گے؟

النور ۲۳

۳۰۹

تفہیم القرآن ۲

”اس موقع پر مدینے کے منافقین پر پگنڈا کا ایک طوفان عظیم لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر سے یہود و مشرکین نے بھی ان کی آواز میں آواز ملا کر افترا پر دازیاں شروع کر دیں۔ انہوں نے عجیب عجیب قصے گھڑ گھڑ کر پھیلا دیے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کس طرح اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو گئے اور کس طرح بیٹے کو ان کے عشق کا علم ہوا اور وہ طلاق دے کر بیوی سے دست بردار ہو گیا اور پھر کس طرح انہوں نے خود اپنی بہو سے بیاہ کر لیا۔ یہ قصے اس کثرت سے پھیلائے گئے کہ مسلمان تک ان کے اثرات سے نہ بچ سکے۔ چنانچہ محدثین اور مفسرین کے ایک گروہ نے حضرت زینب اور زید کے متعلق جو روایتیں نقل کی ہیں ان میں آج تک ان میں گھڑت قصوں کے اجزا پائے جاتے ہیں اور مستشرقین مغرب ان کو خوب نمک مرچ لگا کر اپنی کتابوں میں پیش کرتے ہیں۔“

تنبیہ

اس صفحہ میں تمام محدثین اور مفسرین کے لئے آپ نے حسب سابق ذہن سازی کی ہے کہ ان کی نقل کردہ تمام روایتوں میں آج بھی سن گھڑت قصوں کے اجزاء پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ ”بہت ہی گنگا میں ہاتھ دھونے“ کے مصداق ہے کہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک ہی لاشی سے سب کو ہانگیں ایک ہی حکم سب پر چسپاں کر دیں۔ کیا آپ کے ان جملوں سے حضرات محدثین کے متعلق بے اعتمادی نہیں ہوگی؟ غور طلب

بات یہ کہ آپ نے اس طرح کی عبارات کیوں تحریر کی ہیں؟ کیونکہ اس میں آپ کو لطف آنے کے علاوہ بظاہر گرفت کا کوئی جواز بھی نہیں نکلا۔

اس لئے

خوشتر آں باشد کہ سر دلبراں

گفتہ آید در حدیث دیگران

کے ذیل میں آپ ان بدترین الزامات کو نقل کیا کرتے ہیں تاکہ گرفت کئے جانے پر ”نقل کفر کفر نباشد“ کا جواب دے دیا جائے۔ مگر جناب مولانا مودودی صاحب مرحوم اس حقیقت کو فراموش کر گئے کہ آپ کے اس انداز تحریر سے ناظر کی توجہ قرآن پاک سے ہٹ کر کسی دوسری چیز (بائبل) ہی کی طرف پھر جاتی ہے جو حاشی میں آپ کی کوشش کے بالکل خلاف درخلاف ہے۔

پھر یہ بات قابل غور ہے کہ جناب مودودی صاحب نے بائبل سے قرآن پاک کی تشریح و تفصیل کی ہے جس کو مدلل طریقہ سے قارئین آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمانے والے ہیں تو کیا ان تشریحات کو مستشرقین مغرب خوب نمک مرچ لگا کر نہیں پیش کریں گے؟ محدثین کی نقل پر تنقید؟ اور اپنی خبر نہیں؟ کیوں؟ ”اتأمرؤن الناس بالبر وتسون انفسکم“

## مضمون نمبر (۲۴)

اپنی ذات کو محققین میں شمار کرانے کی کوشش

الفرقان ۲۵

۳۵۱

تفہیم القرآن ۳

حاشیہ ۵۲۔ ”اصحاب الرس کے متعلق تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ کون لوگ تھے۔ مفسرین نے مختلف روایات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی چیز قابل اطمینان نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو کچھ کہا جاسکتا ہے وہ یہی ہے کہ یہ ایک ایسی قوم تھی جس نے اپنے پیغمبر کو کنوئیں میں پھینک کر یا لٹکا کر مارا تھا۔ دس مہینے زبان میں پرانے کنوئیں یا اندھے کنوئیں کو کہتے ہیں۔“



تنبیہ

۱۔ "مفسرین نے مختلف روایات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی چیز بھی قابل اطمینان نہیں ہے"

کیونکہ آپ کو (روح المعانی نے جتنے اقوال نقل کئے ہیں) ان سے زیادہ کا تحقیق نہیں ہو سکا حالانکہ آپ کی انتہائی کوشش یہ رہتی ہے کہ اپنی تحریروں سے ابن حزم اور ابن قیم اور بعض دوسرے محققین کی صف میں خود اپنی ذات کو بھی محققین میں شمار کرائیں۔ ملاحظہ کیجئے تفہیم ج ۳ ص ۳۰۷ درمیان صفحہ میں آپ لکھتے ہیں کہ

"اسی بنا پر ابن حزم اور ابن قیم اور بعض دوسرے محققین محمد بن اسحاق کی روایت ہی کو صحیح قرار دیا ہے اور ہم اسی کو صحیح سمجھتے ہیں" (چونکہ آپ بھی ماشاء اللہ ان ہی محققین میں ہیں)

اب اس جگہ اصحاب الرس کے متعلق آپ کو تحقیق نہ ہو سکے کی کیا وجہ ہے؟ اور اس میں کیا راز ہے؟ اس لئے کہ روح المعانی میں اصحاب الرس کے متعلق بہت سے اقوال لکھے ہیں لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ ان اقوال پر آپ کو اطمینان ہی نہیں ہے آپ نے خود ہی فرمایا ہے کہ "مفسرین نے مختلف روایات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی چیز قابل اطمینان نہیں ہے"

اور ٹھ ہے کہ ان مفسرین کی تحقیقات سے زیادہ آپ تحقیق بھی نہیں کر سکے۔ ملاحظہ کیجئے ترجمہ شیخ الہند میں اصحاب الرس کے حاشیہ ۹ کو آپ تحریر فرماتے ہیں۔

"اصحاب الرس (کنویں والے) والے کون تھے؟ اس میں سخت اختلاف ہوا ہے روح المعانی میں بہت سے اقوال نقل کر کے لکھا ہے:

"وملخص الاقوال انهم قوم اهل كذب من اوسل اليهود"

(یعنی خلاصہ یہ ہوا کہ وہ کوئی قوم تھی جو اپنے پیغمبر کی تکذیب کی یاداش میں ہلاک ہوئی) حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: "ایک امت نے اپنے رسول کو کنوئیں میں بند کیا پھر ان پر عذاب آیا تب وہ رسول خلاص ہوا"

قارئین کرام! یہ ہے وہ حقیقت جس کی بنیاد پر جناب مودودی صاحب کو اصحاب الرس کے متعلق تحقیق نہ ہو سکا کہ یہ کون لوگ تھے؟

مضمون نمبر (۲۵)

بخاری و مسلم کی روایات کے متعلق پوری اُمت مسلمہ ایک طرف اور جناب سید مودودی صاحب ایک طرف

تفہیم القرآن ۳ ۷۱۳ العنکبوت ۲۹

حاشیہ ۹۱۔ یعنی انی ہونے کے باوجود تم پر قرآن جیسی کتاب کا نازل ہونا کیا یہ بجائے خود اتنا بڑا معجزہ نہیں ہے کہ تمہاری رسالت پر یقین لانے کے لیے یہ کافی ہو؟ کیا اس کے بعد بھی کسی اور معجزے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ دوسرے معجزے تو جنہوں نے دیکھے ان کے لیے وہ معجزے تھے مگر یہ معجزہ تو ہر وقت تمہارے سامنے ہے تمہیں آئے دن پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ تم ہر وقت اسے دیکھ سکتے ہو۔

قرآن مجید کے اس بیان واستدلال کے بعد ان لوگوں کی جسارت حیرت انگیز ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواندہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں قرآن صاف الفاظ میں حضور کے ناخواندہ ہونے کو آپ کی نبوت کے حق میں ایک طاقت ور ثبوت کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ (۱) جن روایات کا سہارا لے کر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضور لکھے پڑھے تھے۔ بالبعد میں آپ نے لکھا پڑھا سکے لہذا وہ اول تو پہلی ہی نظر میں رد کر دینے کے لائق ہیں کیونکہ قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ پھر وہ بجائے خود بھی اتنی کمزور ہیں کہ ان پر کسی استدلال کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے ایک بخاری کی یہ روایت ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ جب لکھا جا رہا تھا تو کفار مکہ کے فرامند نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا۔ اس پر حضور نے کاتب (یعنی حضرت علیؓ) کو حکم دیا کہ اچھا رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ حضرت علیؓ نے لفظ رسول اللہ کاٹنے سے انکار کر دیا۔ اس پر حضور نے ان کے ہاتھ سے لے کر وہ الفاظ خود کاٹ دیے اور محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔ لیکن یہ روایت براء بن عازب سے بخاری میں چار جگہ اور مسلم میں دو جگہ

وارد ہوئی ہے اور ہر ایک الفاظ مختلف ہیں:

(۱) بخاری کتاب الحج میں ایک روایت کے الفاظ ہیں: "قال لعلي امه فقال علي ما انا بالذي امناه فمجاه رسول الله بيده" حضور نے حضرت علی سے فرمایا یہ الفاظ کاٹ دو۔ انہوں نے عرض کیا میں تو نہیں کاٹ سکتا۔ آخر کار حضور نے اپنے ہاتھ سے انہیں کاٹ دیا۔

(۲) اسی کتاب میں دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: "ثم قال لعلي امه رسول الله قال لا والله لا امحوك ابدا فاخذ رسول الله الكتاب فكتب بهذا ما قاضى عليه محمد بن عبد الله" پھر علی سے کہا "رسول اللہ" کاٹ دو۔ انہوں نے کہا خدا کی قسم میں آپ کا نام بھی نہ کاٹوں گا۔ آخر حضور نے وہ تحریر لے کر لکھا یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبد اللہ نے طے کیا۔

(۳) تیسری روایت انہی براء بن عازب سے بخاری کتاب الحج میں ہے: "وكان لا يكذب فقال لعلي امه رسول الله فقال علي والله لا امناه ابدا قال قارنيه قال فاره اياه فمجاه النبي صلى الله عليه وسلم بيده" حضور نے خود نہ لکھ سکتے تھے۔ آپ نے حضرت علی سے کہا رسول اللہ کاٹ دو۔ انہوں نے عرض کیا خدا کی قسم میں یہ الفاظ ہرگز نہ کاٹوں گا۔ اس پر حضور نے فرمایا مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ انہوں نے آپ کو جگہ بتائی اور آپ نے اپنے ہاتھ سے وہ الفاظ کاٹ دیے۔

(۴) چوتھی روایت بخاری کتاب المغازی میں یہ ہے: "فاخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم الكتاب وليس بحسن يكذب فكتب بهذا ما قاضى محمد بن عبد الله"۔ پس حضور نے وہ تحریر لے لی دراصل حالیکہ آپ لکھنا نہ جانتے تھے اور آپ نے لکھا یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبد اللہ نے طے کیا۔

(۵) انہی براء بن عازب سے مسلم کتاب الجہاد میں ایک روایت ہے کہ حضرت علی کے انکار کرنے پر حضور نے اپنے ہاتھ سے "رسول اللہ" کے الفاظ مناد دیے۔ (۶) دوسری روایت اسی کتاب میں ان سے یہ منقول ہے کہ حضور نے حضرت علی سے فرمایا مجھے بتاؤ رسول اللہ کا لفظ کہاں لکھا ہے حضرت علی نے آپ کو جگہ بتائی اور آپ نے اسے مٹا کر ابن عبد اللہ لکھ دیا۔

روایات کا یہ اضطراب بتا رہا ہے کہ سچ کے راویوں نے حضرت براء بن

عازب رضی اللہ عنہ کے الفاظ جوں کے توں نقل نہیں کئے ہیں (۲) اس لیے ان میں سے کسی ایک کی نقل پر بھی ایسا مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا کہ یقینی طور پر یہ کہا جاسکے کہ حضور نے محمد بن عبد اللہ کے الفاظ اپنے دست مبارک ہی سے لکھے تھے۔

(۳) ہو سکتا ہے کہ صحیح صورت واقعہ یہ ہو کہ جب حضرت علی نے "رسول اللہ" کا لفظ مٹانے سے انکار کر دیا تو آپ نے اس کی جگہ ان سے پوچھ کر یہ لفظ اپنے ہاتھ سے مٹا دیا ہو اور پھر ان سے یا کسی دوسرے کاتب سے ابن عبد اللہ کے الفاظ لکھوا دیے ہوں۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر صلح نامہ دو کاتب لکھ رہے تھے۔ ایک حضرت علی دوسرے محمد بن مسلمہ (رحمہم اللہ) جلد ۵ ص ۲۱۷ اس لیے یہ امر بعید نہیں ہے کہ جو کام ایک کاتب نے کیا تھا وہ دوسرے کاتب سے لے لیا گیا ہو۔ (۴) تاہم اگر واقعہ یہی ہو کہ حضور نے اپنا نام اپنے ہی دست مبارک سے لکھا ہو تو ایسی مثالیں دنیا میں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ ان بڑھ لوگ صرف اپنا نام لکھنا سکھ لیتے ہیں باقی کوئی چیز نہ بڑھ سکتے ہیں نہ لکھ سکتے ہیں۔

(تفسیر القرآن ج ۳ ص ۷۱۴-۷۱۵-الحکیت-۲۹)

### تنبیہ

۱۔ جن روایات (بخاری و مسلم کا سہارا لے کر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ... الخ) قارئین کرام! غور فرمائیں کہ کس جسارت کے ساتھ بخاری و مسلم کی ان چھ روایات کے متعلق جرح و قدح کر کے ص ۱۴۷ کی تیئیسویں سطریں میں اپنی امانتانی رائے کا اظہار کیا کہ

"ہو سکتا ہے کہ صحیح صورت واقعہ یہ ہو کہ... الخ"

جن کتابوں کے بارے میں مسند الہند حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب "محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے:

"اما الصحیحان فقد اتفق المحدثون علی ان جميع ما فيها من المتصل المرفوع صحيح بالقطع وانهما متواتران الی مصنفیہما وان کل من یہون امرهما فہو مشہوع متبع غیر

سبیل المؤمنین" (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۷)

یعنی بخاری و مسلم کے متعلق محدثین کا اتفاق ہے کہ ان کی تمام متصل مرویات حدیثیں بالیقین صحیح ہیں اور ان کی سند ان کے مصنفوں تک متواتر ہیں اور جو شخص (مودودی صاحب کی طرح) ان کو کمزور اور ہلکا قرار دے وہ مبتدع اور مسلمانوں کے راستہ کو چھوڑ کر ان کے خلاف راستہ میں چلنے والا ہے۔

دیکھئے! کہ جناب مودودی صاحب نے تفہیم ج ۳ ص ۱۳ اور ص ۱۴ حاشیہ ۱۹ میں پوری سبب مسلمہ اور جملہ محدثین کے خلاف اپنا ایک علیحدہ و شاذ فیصلہ کر کے تحقیق کا کتنا اونچا کارنامہ انجام دیا ہے؟ پوری سبب مسلمہ ایک طرف اور آپ سبب مسلمہ سے خارج ہو کر دوسری جانب کیوں کھڑے ہیں؟ اگر روز حشر بھی ان کے ساتھ ان تحریرات کی بناء پر اللہ جل شانہ نے ایسا ہی معاملہ کیا جیسا کہ دنیا میں انہوں نے اپنی منفرد شان تحقیق کے اظہار کے لئے تجویز کیا ہے تو کیا ہوگا؟

مَنْ شَذَّ فِي النَّارِ يَحْيٰى النَّارِ بھی آپ کے نزدیک صحیح حدیث ہے یا نہیں؟ اس کی سند و متن میں بھی کوئی خرابی تو نہیں؟ اللہ تعالیٰ جناب مودودی صاحب مرحوم کو جہنم کی دہکتی آگ کا ایندھن بننے سے حفاظت فرمائے اب کیسے کوئی کہہ دے کہ آپ بے اجنادی حدیث کے حرم میں جہنم ہی رسید کئے جائیں گے؟ الامان الحفیظ۔

۲۔ بخاری و مسلم کی ان چھ روایات سے کسی ایک کی نقل پر بھی یقینی طور پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

(بلا تبصرہ ہی مطلب واضح ہے) ہاں البتہ مودودی صاحب کی نقل بائبل پر تو یقینی طور پر مکمل اعتماد کیا جانا چاہئے؟

بخاری و مسلم کی روایات پر عدم اعتماد کے بعد جناب مودودی صاحب کا پناہ ذاتی قیاس کہ ۳۔ "ہو سکتا ہے کہ صحیح صورت واقعہ یہ ہو"

اب غور طلب یہ ہے کہ جب حدیث بخاری و مسلم ہی قابل قبول اور قابل اعتماد نہیں تو پھر آپ کا قیاس کس طرح قابل قبول و قابل اعتماد ہوگا؟ بلکہ یہاں پر آپ نے احتمال کیا ہے یعنی آپ نے براء ابن عازب سے ص ۱۴ پر جو تیسری روایت ذکر کی ہے اس روایت میں صاف موجود ہے کہ "آپ نے علیؑ سے وہ جگہ دریافت فرمانے کے بعد اپنے ہاتھ سے وہ الفاظ کاٹ لئے"

تو جو بات روایت میں خود موجود ہے اس کو اپنا قیاس اور اپنی تحقیق بتلاتا یہ علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے۔ اب کوئی کس طرح کہہ دے کہ جناب سید مودودی مرحوم تحقیق نہیں بلکہ خائن ہیں۔

۳۔ "تاہم اگر واقعہ یہی ہو کہ..... الخ"

اس پورے جملہ و مکمل عبارت میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ انہی کے بجائے ان پڑھ سے تعبیر کیا ہے۔ اگر اس طرح کا ایک جملہ بنا کر سید مودودی صاحب کی شان میں لکھا جائے تو آپ کی بے ادبی و گستاخی نہیں ہوگی؟ دنیا کے ان پڑھ لوگوں کی مثالوں میں جناب آخر الزماں سید المرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل کرنے کے بعد بھی جناب سید مودودی صاحب کا ایمان و اسلام علی حالہ قائم رہا؟ آپ کی اس عبارت کے بعد راقم الحروف پوری ذمہ داری کے ساتھ لکھتا ہے کہ شروع میں جس طرح آپ کو قرآن و حدیث نبوت و رسالت پر شک پڑا تھا یہ شک تادم آخر آپ کو باقی رہا اور نہ اگر آپ کو رسالت پر شک نہ ہوتا تو تفہیم میں ایمان سوز عبارت کے ذریعہ دنیا کے ان پڑھوں کی مثالوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل نہ کیا جاتا۔ کیا اب بھی کوئی شک رہ گیا کہ مودودی صاحب نے بھی شان رسالت میں گستاخی نہیں کی ہے؟

بھلا! جس قرآن کی ابتدا ہی اَلَمْ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سے ہو۔ اس کی آزاد ترجمانی کرنے والے کی بنیاد ہی شک اور تذبذب پر ہے تو اس کی یہ کوشش رومی کی نوکری میں ڈال کر نذر آتش کی جائے گی یا نہیں؟ اس کے لئے روز حشر ہی کا انتظار کیجئے کہ تفہیم کی ان عبارات و تحریرات کے متعلق باری تعالیٰ شانہ کا کیا فیصلہ ہوتا ہے؟

مضمون نمبر (۲۶)

روایت پر جرح و قدح کی ایک اور مثال بلا تبصرہ

تفہیم القرآن ۳ ۷۱۵ الحکبوت ۲۹

"دوسری روایت جس کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواندہ ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے مجاہد سے ابن ابی شیبہ اور عمر بن شیبہ نے نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ



ہیں کہ رعایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ کتب و قرا  
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی وفات سے پہلے لکھنا پڑھا کچھ چکے تھے۔  
(۱) لیکن اول تو یہ سند بہت ضعیف روایت ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر فرماتے  
ہیں فضیلت الاصل۔ (۲) دوسرے اس کی کئی کئی روایات بھی وارد ہیں کہ  
اگر حضور نے فی الواقع بعد میں لکھنا پڑھا سیکھا ہوتا تو یہ بات مشہور ہو جاتی  
بہت سے صحابہ اس کو روایت کرتے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ حضور نے کس  
شخص یا کئی اشخاص سے یہ تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن سوائے ایک عون بن عبد  
اللہ کے جن سے مجاہد نے یہ بات سنی اور کوئی شخص اسے روایت نہیں کرتا۔ اور  
یہ عون بھی صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں جنہوں نے قطعاً یہ نہیں بتایا کہ انہیں کس  
صحابی یا کئی صحابیوں سے اس واقعہ کا علم حاصل ہوا۔ (۳) ظاہر ہے کہ ایسی  
کئی روایتوں کی بنیاد پر کوئی ایسی بات قابل تسلیم نہیں ہو سکتی جو مشہور  
و معروف واقعات کی تردید کرتی ہو۔

### تنبیہ

کیا اوسط درجہ کے قارئین تفہیم روایات کے اس جرح و قدح میں صحیح اور غلط  
کے درمیان تمیز پیدا کر کے مضمون کو حل کر سکتے ہیں؟ ورنہ بتلایا جائے کہ اس سے بے  
اعتمادی حدیث کے علاوہ اور کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔

### مضمون نمبر (۲۷)

#### سلسلہ روایات پر عدم اعتماد ﴿سورۃ ص﴾

تفہیم القرآن ۳

۳۱۶

ص ۳۸

نام: آغاز ہی کے حرف ص کو اس سورہ کا نام قرار دیا گیا ہے۔  
زمانہ نزول: جیسا کہ آگے چل کر بتایا جائے گا، بعض روایات کی رو سے یہ  
سورہ اس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ  
میں علانیہ دعوت کا آغاز کیا تھا اور قریش کے سرداروں میں اس پر کھلبلی مچ چکی  
تھی۔ اس لحاظ سے اس کا زمانہ نزول تقریباً نبوت کا چوتھا سال قرار پاتا ہے۔  
بعض دوسری روایات اسے حضرت عمر کے ایمان لانے کے بعد کا واقعہ بتاتی

ہیں اور معلوم ہے کہ وہ ہجرت حبشہ کے بعد ایمان لائے تھے۔ ایک اور سلسلہ  
روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب کے آخری مرض کے زمانے میں وہ  
معاہدہ پیش آیا تھا جس پر یہ سورہ نازل ہوئی۔ اسے اگر صحیح مانا جائے تو اس کا  
زمانہ نزول نبوت کا دسواں یا گیارہواں سال ہے۔

### تنبیہ

اور اگر ان سلسلہ روایات کو جناب مولانا مودودی صاحب صحیح نہ مانیں تو پھر  
زمانہ نزول کس سال ہوگا؟

### مضمون نمبر (۲۸)

بخاری و مسلم کی یہ حدیث ہر طرح سے صحیح ہونے کے  
باوجود آپ کی صریح عقل کے خلاف کیوں ہے؟

تفہیم القرآن ۳

۳۳۷

ص ۳۸

حاشیہ ۳۶۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ حضرت سلیمان نے ایک روز جسم کھائی کہ آج  
رات میں اپنی ستر بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ایک مجاہد فی  
سبیل اللہ پیدا ہوگا۔ مگر یہ بات کہتے ہوئے انہوں نے ان شاء اللہ نہ کہا۔  
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صرف ایک بیوی حاملہ ہوئیں اور ان سے بھی ایک ادھورا  
بچہ پیدا ہوا جسے دائی نے لاکر حضرت سلیمان کی کرسی پر ڈال دیا۔ یہ حدیث  
حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے (۱) اور اسے بخاری و مسلم  
اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے۔ خود بخاری میں  
مختلف مقامات پر یہ روایت جن طریقوں سے نقل کی گئی ہے ان میں سے کسی  
میں بیویوں کی تعداد ۶۰ بیان کی گئی ہے، کسی میں ۷۰، کسی میں ۹۰، کسی میں  
۹۹ اور کسی میں ۱۰۰ جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی  
سند قوی ہے اور اختصار روایت اس کی محنت میں کام نہیں کیا جاسکتا (۲) لیکن  
حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور بکاؤ بکاؤ کر کے دبا ہے کہ یہ  
بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل

ہوئی ہے۔ (۳) بلکہ آپ نے عائشہؓ کی مادہ گوشتوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر اسے بطور مثال بیان فرمایا ہوگا اور سامع کو یہ غلط فہمی لاحق ہوگئی کہ اس بات کو حضور خود بطور واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔ (۴) ایسی روایات کو محض صحبتِ سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اُترانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بناتا ہے۔ (۵) ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ سکتا ہے کہ جاڑے کی طویل ترین رات میں بھی عشا اور فجر کے درمیان دس گیارہ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں ہوتا۔ اگر بیویوں کی کم سے کم تعداد ۶۰ ہی مان لی جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اُس رات بغیر دم لیے فی گھنٹہ ۶ بیوی کے حساب سے مسلسل دس گھنٹے یا اٹھ گھنٹے مباشرت کرتے چلے گئے۔ کیا یہ ممکن بھی ہے؟ اور کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ حضورؐ نے یہ بات واقعے کے طور پر بیان کی ہوگی؟ پھر حدیث میں یہ بات کہیں نہیں بیان کی گئی ہے کہ قرآن مجید میں حضرت سلمانؓ کی کرہی بر جس جسد کے ڈالے جانے کا ذکر آیا ہے اس سے مراد کسی اور اور اچھے ہے۔ اس لیے یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ حضورؐ نے یہ واقعہ اس آیت کی تفسیر کے طور پر بیان فرمایا تھا۔

### تنبیہ

۱۔ "اس (حدیث کو) بخاری و مسلم اور دوسرے محدثین نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے....."

تفہیم میں علامۃ الناس کے لئے بخاری شریف کی روایات کا یہ اضطراب کیوں بیان کیا گیا ہے؟ اپنی شانِ تحقیق کے اظہار کے لئے؟ یا علامۃ الناس کو حدیثِ پاک سے بے اعتماد کرنے کے لئے؟

۲۔ "جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جاسکتا۔"

پھر جناب مولانا مودودی مرحوم نے باعتبار روایت اس کی صحت میں کیوں کلام کیا؟ اسی لئے کہ

۳۔ "حدیث کا مضمون (مولانا مودودی کی) صریح عقل کے خلاف ہے اور (صرف مولانا مودودی کو) پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ

دس نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے۔"

قارئین کرام! جب ہم نے اس حقیقت کا سراغ لگایا (کہ جناب مودودی صاحب صحتِ حدیث کے لئے اپنی عقل کے مطابق مضمونِ حدیث کا ہونا کیوں ضروری قرار دیتے ہیں؟ یعنی مضمونِ حدیث جناب مودودی صاحب کی عقل کے خلاف نہیں ہونا چاہئے ورنہ تو وہ لائقِ اعتماد نہیں رہ سکے گی۔) تو ہمیں معلوم ہوا کہ یہاں آپ نے باطنی فرقہ اور قرامطہ کی وکالت کرتے ہوئے ان ہی کے رنگ و لباس میں ہیں اس فرقہ کا کہنا یہ ہے کہ عقل جو فیصلہ کر دے وہ بس آخری ہے جب کہ مذہب اسلام یہ بتاتا ہے کہ عقل سے ماوراء تیسرا ذریعہ وحی الہی اور آسمانی تعلیم ہے اس کے بغیر انسان کو نہ کمالِ علم حاصل ہوگا اور نہ وہ ہدایت پائے گا چنانچہ ماضی میں جن لوگوں نے وحی الہی سے آزاد ہو کر صرف عقل کی پیروی کی ہے انہوں نے کتنے دھوکے کھائے ہیں اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے آج سے تقریباً آٹھ سو سال قبل ایک شخص گزرا ہے عبید اللہ بن حسن قردانی اس نے ایک فرقہ کی بنیاد رکھی تھی جس کو باطنی فرقہ اور قرامطہ کہتے ہیں اس نے اپنے ماننے والوں کو زندگی گزارنے کے سلسلہ میں جو ہدایات دی ہیں اس میں ایک جگہ وہ لکھتا ہے:

"میری سمجھ میں یہ ہے عقل کی بات نہیں آتی کہ لوگوں کے پاس اپنے گھر میں ایک بوی خوبصورت سلیقہ شعار لڑکی بہن کی شکل میں موجود ہے اور بھائی کے مزاج کو بھی سمجھتی ہے اس کی نفسیات سے بھی واقف ہے لیکن یہ بے عقل انسان اس بہن کا ہاتھ اجنبی شخص کو پکڑا دیتا ہے جس کے بارے میں یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ صحیح نباہ ہو سکے گا یا نہیں؟ وہ مزاج سے واقف ہے یا نہیں؟ اور خود اپنے لئے بعض اوقات ایک ایسی لڑکی لے آتے ہیں جو حسن و جمال کے اعتبار سے بھی سلیقہ شعار کی کے اعتبار سے بھی مزاج شناسی کے اعتبار سے بھی اس کے ہم پلہ نہیں میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بے عقلی کا جواز کہاں سے ہے کہ اپنے گھر کی دولت تو دوسرے کے ہاتھ میں دے دی اور اپنے پاس ایک ایسی چیز لے آئے جو اس کو پوری راحت و آرام دے دے میں اپنے پیروں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بے عقلی سے اجتناب

کریں اور اپنے گھر کی دولت کو اپنے گھر میں رکھیں۔  
دوسری جگہ لکھتا ہے:

”یہ کیا وجہ ہے کہ جب ایک بہن اپنے بھائی کے لئے کھانا پکا سکتی ہے اس کی بھوک کو دور کر سکتی ہے تو اس کی جتنی تسکین کا سامان کیوں نہ کر سکتی؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ یہ تو عقل کے خلاف ہے۔“ (اصلاحی خطبات حصہ اول ص ۲۷ و ۲۸)  
آج کے معاشرہ میں کسی بھی مذہب میں کیا اس کا جواز ملتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ہر ذی عقل اور حیا دار انسان جو ہر رکھتا ہو وہ اس نظریہ پر سخت ہی بیچے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ اس پر اور اس کے نظریے پر پیشی چاہے لاجول پر محض لغت بھیج لیں۔ مگر اس نے جو بات کہی ہے وہ عقل کے اعتبار سے بہت بہتر ہے اور آپ قیامت تک اس کے استدلال کا جواب خالص عقل کی بنیاد پر نہیں دے سکتے ہاں اگر وحی الہی اور آسمانی تعلیم کو ملا لیا جائے تو جواب دینا نہایت آسان ہے۔

معلوم ہوا کہ بغیر وحی الہی کے نہ کمال علم حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہدایت کا راستہ مل سکتا ہے (ماہنامہ مظاہر علوم ماہ مئی ۱۹۹۹ء ص ۱۹ و ۲۰)

تو کیا خیال ہے جناب مودودی صاحب کے متعلق؟ کہ وہ حضرات محدثین سے قطعاً بے نیاز ہو کر صرف اور صرف اپنی عقل کی بنیاد پر مضمون حدیث کو پرکھ سکتے ہیں؟ اور ان کا یہ طریقہ استدلال کیا صحیح ہوگا؟ جواب نفی میں ہے تو پھر ان کو فرقہ فخریہ سے نکل کر یہاں بھی جمہور مسلمین کی طرح مذہب الملئ سنت والجماعت کی صف میں داخل ہو کر مضمون حدیث کی سند و متن پر اعتبار کر کے تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ جہاں پر عقل کام کرنا چھوڑ دیتی ہے وہاں پر وحی الہی دست گیری کرتی ہے اب ظاہر ہے کہ جہاں سند و متن پر اعتماد کرنے کی بات ہو وہاں ہم عقل سے کام لیں گے تو صحیح جواب نہیں ملے گا۔ صراط مستقیم کی ہدایت نہیں ملے گی۔ علم میں کمال اور خوبی حاصل نہ ہوگی۔ بلکہ ”فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا“ کے مصداق ہوں گے۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ عَنْ اَنْ نَّضِلَّ اَوْ نَظِلَّ۔

اب مضمون حدیث کے متعلق جناب مودودی مرحوم کی عقل کیا کہتی ہے ملاحظہ کیجئے:

۳۔ ”بلکہ آپ نے غالباً یہودی کی یادہ گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے کسی موقع پر اسے بطور مثال بیان فرمایا ہوگا اور سامع کو غلط فہمی لاحق ہوگئی کہ اس بات کو حضور کی طور واقعہ بیان فرما رہے ہیں۔“

۵۔ ”انہی روایات کو محض سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے۔“

اور بائبل کے ذریعہ سے اپنے باطل افکار و نظریات کو زور و صحافت و زور خطابت پر پیش کرنا اور احادیث شریفہ سے عوام الناس کو خود کی طرح بے اعتماد بنانا اور قرآن کی تشریحات بائبل اور یہودی لٹریچر سے کرنا۔ یہ تو دین کو مضحکہ بنانا نہیں ہے؟ بلکہ آپ کی یہ ساری خرافات پر مشتمل باتیں عین دسین اسلام ہی ہوں گی.....؟

۶۔ ”ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ سکتا ہے۔“

ملاحظہ کیجئے کس طرح با اعتبار عقل و روایت روایات کو مجروح کرنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی اپنی عقل کی بنیاد پر کروا رکھی کر رہے ہیں۔ جس طرح انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق مضمون حدیث کو غلط ثابت کرنے کے لئے تقریبی و تحقیقی حساب لگایا ہے اگر بعینہ اسی طرح کوئی جناب مودودی صاحب کے بارے میں حساب نہ لگائے بلکہ سوال ہی کر لے کہ انہوں نے اپنی ایک ہی بیوی سے شب و روز کس طرح مباشرت کی ہوگی؟ تو کیسا معلوم ہوگا؟ (واضح ہو کہ اس جگہ حضرات علماء کرام نے اس مضمون حدیث میں تعدد ازواج کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے اس کو معجزہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جناب مودودی مرحوم نے معجزہ کی اس تعبیر سے قطع نظر کیوں فرمایا؟) اسلئے بادل ناخواستہ یہ سوال ہے کہ

آیا مودودی صاحب نے اپنی بیوی سے حدیث کی روشنی میں سنت کے مطابق ہمستری کی ہوگی؟ یا بائبل کے بیان کردہ یہودی روایات کے مطابق اپنی بیوی سے محبت کی ہوگی؟ حدیث پر آپ کے عدم اعتماد کی وجہ سے خود اندازہ کر کے ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ دوسری صورت ہی زیادہ قرین قیاس ہوگی۔ اور کیا یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ اس دوسری صورت کی محبت کے نتیجہ میں جو آپ کی اولاد کی نسل چلی ہے تو ان میں بھی جناب



مودودی کی طرح یہودیوں کے خیالات سے متاثر ہونے کی کیفیات ودیعت نہ ہوں گی؟  
اس لئے بہر حال یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ آپ حدیث پاک کی روشنی ہی میں اپنی بیوی  
کے ساتھ مباشرت کرتے چلے گئے ہوں گے یا وقفہ وقفہ سے بائبل کی روشنی کے مطابق  
مباشرت کرتے چلے گئے ہوں گے۔

قارئین کرام! معاف کیجئے اگر جناب مودودی صاحب نے حضرت سلیمان  
علیہ السلام کی کردار کشی نہ کی ہوتی تو ان سطور کی بڑکی کے لئے ہم کبھی بھی قلم برداشت نہ  
ہوتے۔ راقم الحروف کے نزدیک ہماری بحث و گفتگو کا محور صرف جناب مودودی صاحب  
کی اس تحریر میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ”ہر شخص خود حساب لگا کر دیکھ سکتا  
ہے“ کی عبارت ہے کہ قارئین کرام مودودی صاحب کے متعلق بھی حساب لگا کر دیکھ  
سکتے ہیں۔ اس لئے آنجناب کی ذاتی عمل و کردار کو بحث میں لانا یا ان کی تربیت ذاتی سے  
تیار ہونے والی ان کی اولاد کی عمل کردار سے تعرض کرنا مجھے منظور نہیں ورنہ اس پہلو سے  
بھی اعتراضوں کا طویل سلسلہ شروع کیا جاسکتا ہے۔ اور اگر ارباب جماعت اسلامی کو  
ہماری ان تمام تحریرات میں جارحیت محسوس ہو تو انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ جناب مودودی  
مرحوم کی ان تحریرات میں کتنا پوئیزن اور زہر ہے؟ جس کی وجہ سے ہم ان سطور کو (بجور  
ہوئے کہ) سپرد قمر طاس و قلم کیا جائے۔ والعذر عند کرام الناس مقبول۔

اللہ بہتر جانے کہ صحیحین (بخاری و مسلم) کے بارے میں مودودی صاحب کا  
اتنا سخت موقف اور بائبل کے متعلق اس قدر نرم رویہ اختیار کرنے میں کیا کیا راز ہائے  
مرستہ پوشیدہ ہیں؟ واللہ اعلم بالصواب کہ آپ کے اس طریقہ استدلال کے پس منظر  
میں کون سی بات چھپی ہوئی ہے؟

امام بخاریؒ کی جلالت شان و تبحر علمی کی پوری امت مسلمہ قائل ہے مگر جناب  
مودودی صاحب کی جسارت حیرت انگیز ہے کہ آپ نے ان کی روایت کردہ احادیث کو  
بھی نہیں بخشا۔ مزید یہ کہ آپ نے اسی حاشیہ ۳۶ ص ۳۳۸ میں امام رازیؒ کی تفسیر کی  
تردید کرتے ہوئے تحریر کیا ہے ”لیکن یہ تفسیر قرآن کے الفاظ کا ساتھ نہیں دیتی“ پھر چاہ

سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

”حقیقت یہ ہے کہ یہ مقام قرآن مجید کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے  
اور حسی طور پر اس کی کوئی تفسیر بیان کرنے کے لئے ہمیں کوئی یقینی بنیاد نہیں  
ملتی“

پھر تو یہ مقام بھی دیگر مشکل ترین مقامات قرآنی کے ساتھ حروف مقطعات کی  
طرح مبہم و مجمل ہی رہا؟ اور حضور ﷺ نے ان آیات و مقامات کی تشریح و تفسیر نہیں  
فرمائی؟ اور اگر فرمائی تو محدثین نے نقل نہیں کی؟ اور اگر نقل کی تو وہ قابل اعتماد نہیں؟  
لاحول ولا قوة الا بالله العلیٰ العظیم۔

یعنی حدیث بھی آپ کے نزدیک یقینی بنیاد میں نہیں ہے کہ جس سے اس مقام  
کی تفسیر آپ بیان کریں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر آپ کے نزدیک یقینی بنیاد کیا ہے جس  
سے آپ اس مشکل مقام کی تفسیر کریں؟ اگلی ہی سطر میں اس سوال کا جواب ہے۔ فرماتے  
ہیں کہ ”اگر تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں پڑھے جائیں تو ان..... یعنی سوہ ص ۱ کی  
آیت ۳۳-۳۵ کے باب میں احادیث شریفہ کو ٹھکرا کر تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں  
ان آیات کا مطلب آپ نے سمجھا ہے۔ اسی لئے جناب مودودی صاحب کو حضرت  
سلیمان علیہ السلام کی دعا ”زُبَّ اغْفِرْ لِي“ یعنی ان کا استغفار کرنا سمجھ میں آگیا مگر آیت  
پاک میں دعا ”وَهَبْ لِي مَلِكًا لَا يَنْفِيْعِي لَا خَلَدَ مِنْ بَعْدِي“ کہ مجھے وہ بادشاہی دے  
جو میرے بعد کسی کے لئے سزاوارت نہ ہو“ یہ آیت پاک ہی سمجھ میں نہیں آئی چنانچہ آپ نے  
تحقیق و تفہیم کے سلسلہ کو روک کر بنی اسرائیل کی تاریخ کی روشنی میں اس کو سمجھا اس کے  
بعد جب آپ کو اطمینان ہو گیا تو تفہیم میں درج کیا ہے جیسا کہ الحسنات کے یادگار  
مودودی نمبر میں آپ کا بیان موجود ہے کہ:

”اس کے علاوہ کسی خاص مقام پر پہنچ کر اگر میں کسی آیت یا قرآن کے کسی  
بیان کو سمجھ نہیں سکا ہوں تو لکھنے کا سلسلہ روک کر اس وقت تحقیق و مطالعہ کرتا رہا  
(یعنی احادیث کو ٹھکرا کر اسرائیلیات کی تاریخ کی روشنی میں تحقیق  
کرتا رہا جیسا کہ سورہ جس کے زیر بحث آیت ۳۳-۳۵ کی تحقیق کی

گئی ہے۔ ۱۲۔ (ساجد القاسمی) جب تک اطمینان نہیں ہو گیا کہ میں نے قرآن کا مدعا سمجھ لیا ہے۔ (الحکمت کا یادگار مودودی نمبر ۲۵۹)

دیکھ لیجئے کہ اس جگہ آپ نے قرآنی آیت کے بیان کو تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں سمجھا ہے یا نہیں؟ وہ بھی احادیث پاک بخاری و مسلم وغیرہ کو ٹھکرا کر کیا اب بھی یہی کہا جائے گا کہ جناب مودودی صاحب ”تاریخ“ کو ”قصص“ پر ترجیح نہیں دیتے ہیں؟ بھلا بتائیے کہ احادیث پاک کو ٹھکرا کر تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں تفسیر کرنا یہ قرآن فہمی کا کون سا اصول ہے؟ بقول مودودی صاحب کے امام رازی کی تفسیر تو قرآن کے الفاظ کا ساتھ نہیں دیتی ہے؟ تو کیا بنی اسرائیل کی تاریخ سے جو مودودی صاحب نے تفسیر کی ہے وہ قرآن کے الفاظ کا ساتھ دیتی ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے آیت پاک وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَا عَلٰی كُرْسِيِّهٖ اِبْرٰہِیْمَ کو تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں پڑھ کر اصول تفسیر کے خلاف کیا ہے اور احادیث پاک سے بے اعتمادی کا مکمل ثبوت پیش کیا ہے۔ اور یہودیوں کی سازش کو قرآن میں داخل کیا ہے۔ نعوذ باللہ نعوذ باللہ نعوذ باللہ۔  
ملاحظہ کیجئے القوز الکبیر میں لکھتے ہیں:

”النکة الثانية ان النقل عن بنی اسرائیل دسیئة دخلت فی دیننا و”لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تکذبوهم“ قاعدة مقررة فلزم امران الاول ان لا یرتکب النقل عن اهل الكتاب اذا وجد فی سنة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بیان تعریض القرآن مثلاً حینما وجد لقوله تعالیٰ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَا عَلٰی كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ“ محمل فی السنة النبویة وهو قصة ترك ”انشاء الله“ والمواخذة علیہ فای حاجة الی ذکر قصة صخر المارد۔

ترجمہ: دوسرا نکتہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی روایات ایک خفیہ سازش ہیں جو ہمارے دین میں داخل ہو گئی ہیں جب کہ ”ولا تصدقوا“ الخ ”ہمارا ایک مسلم اصول سے لہذا وہ چیزیں ضروری ہیں ایک تو یہ کہ جب ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت ہوں قرآن کی تفسیر (اشارہ) کا بیان موجود ہو تو

اہل کتاب سے ”نقل“ نہ کی جائے مثال کے طور پر جب ارشاد باری تعالیٰ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ... الخ کا محمل حدیث نبوی میں موجود ہے۔ یعنی ”انشاء اللہ“ کے ترک اور اس پر مواخذہ کا قصہ ”تو داستان صخر مارو“ کی کیا ضرورت ہے؟ (القوز العظیم ص ۱۳۳)

قارئین کرام! یہاں پر جناب مودودی مرحوم نے تو ”صخر مارو“ کا ذکر نہیں کیا لیکن اسرائیلیات سے دلچسپی ضروری اور تاریخ بنی اسرائیل کی روشنی میں اس آیت کو پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کی ہے حالانکہ آپ کو جب کسی آیت کی تفسیرات و اشارات کی تفسیر احادیث میں مل گئی تھی تو اہل کتاب کے اقوال و بیانات اور ان کی تاریخ کی طرف توجہ ہرگز ہرگز نہ کرنی چاہیے مگر جناب کو محدثین کے بیان کردہ اسناد و متون ہی پر اعتماد نہیں اور حدیث پاک معتبر ذریعہ میں بھی داخل نہیں اور نہ اس کی تفصیل کو ماننا ضروری ہے اس لئے قرآن کو احادیث کی روشنی میں سمجھیں تو کس طرح سمجھیں؟

مضمون نمبر (۲۹)

تفہیم القرآن میں جو اصول نقد احادیث شریفہ بیان

کئے ہیں وہ اوسط درجہ کے لوگوں کی دسترس سے باہر ہیں

البتہ ان سے منکرین حدیث کو ضرور فائدہ ہوگا

تفہیم القرآن ۵ ۳۳۳ المتمدن

اس مقام پر احادیث کی روایت بالسنی سے ایک بڑی پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے جسے حل کرنا ضروری ہے صحیح حدیث کی شرائط کے متعلق احادیث میں جو روایتیں ہمیں ملتی ہیں وہ اکثر و بیشتر بالسنی روایات ہیں۔ زیر بحث شرط کے متعلق ان میں سے کسی روایت کے الفاظ یہ ہیں من جاء منکم لم یردہ علیکم ومن جاءکم من اوردتموه علینا ”تم میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا اسے ہم واپس نہ کریں گے اور ہم میں سے جو تمہارے پاس جائے گا اسے تم واپس کرو گے“ کسی میں یہ الفاظ ہیں من اتی رسول اللہ

من اصحابہ بغیر اذن ولہ ردہ علیہ "رسول اللہ کے پاس ان کے اصحاب میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آئے گا اسے وہ واپس کر دیں گے" اور کسی میں ہے  
من اتى محمدا من قریب بغیر اذن ولہ ردہ علیہم ... الخ

تنبیہ

۱۔ "اس مقام پر احادیث کی روایت بالمعنی سے ایک بڑی پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے جسے حل کرنا ضروری ہے الی آخرہ"

واضح رہے کہ آپ نے جن طریقوں اور اصولوں سے احادیث کی پیچیدگی کو ازس ۳۳۳ تا ۳۳۷ میں کیا ہے وہ آپ ہی کے خود ساختہ اور اپنے وضع کردہ اصول ہیں۔ اور انتہائی مبہم ہونے کی وجہ سے غیر واضح بھی ہیں۔ ہمارے قارئین کرام ان صفحات میں ملاحظہ کریں گے کہ آپ نے کس طرح حضرات محدثین کرام کی سمجھ پر تعریض کی ہے؟ اور آپ کے کن خود ساختہ مبہم اصولوں کے مطابق علم حدیث میں روایات کو قبول کیا جائے گا؟ نیز آپ یہ بھی ملاحظہ فرمائیں گے کہ قانون شہادت کے قواعد پر آپ کا علم حدیث کے قانون کو قیاس کر کے اصول وضع کرنا یہ قیاس قیاس مع الفارق نہیں تو کیا ہے؟

ان باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ آپ کی یہ چھان بین اور اصول نقد احادیث شریفہ یعنی آزاد ترجمانی و حواشی ان حضرات کے لئے ہے جو بیچارے عربی زبان سے بھی واقف نہیں۔ اب ہم تفہیم کا آپ کی گزارش کے مطابق (کہ علماء کرام سے بھی میں گزارش کرتا ہوں کہ مجھے میری غلطیوں پر متنبہ فرمائیں) تفہیم کا جائزہ لیتے ہیں تو مجھے یہ آگاہی اور آجناب کی غلطیوں پر تنبیہ کرنا عوام کی دسترس سے بالکل ہی باہر معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے روایت بالمعنی کی بات چھیڑ دی مگر عامۃ الناس کو کیا خبر کہ روایت بالمعنی کس کو کہتے ہیں؟ کس کے لئے روایت بالمعنی جائز تھا؟ روایت بالمعنی کا صحیح مفہوم اور واضح مطلب کیا ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ جناب مولانا مسودودی صاحب کی اس عبارت نے ہی بڑی پیچیدگی پیدا کر دی ہے کیونکہ آپ نے روایت بالمعنی کے مفہوم و مطلب ہی کو واضح نہیں کیا۔ اور چل پڑے روایت بالمعنی کی پیچیدگی کو حل کرنے کی طرف اس لئے پہلے قارئین کو ہم روایت بالمعنی کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو لفظ ارشاد فرمائے تھے راوی بعینہ ان الفاظ کو نقل نہیں کرتا مگر ان کا مفہوم پوری طرح ادا کر دیتا ہے اور یہ ایسے ناقل کے لئے جائز تھا جو لغت عرب کا ماہر اور ان کے طرز کلام سے واقف ہو۔ چونکہ جناب مولانا مسودودی صاحب خود کو لغت عرب کا ماہر اور ان کے طرز کلام سے واقفیت میں سب سے زیادہ جانتے اور سمجھتے ہیں اس لئے غالباً اس کی حقیقت کو واضح نہیں فرمایا کہ کہیں عامۃ الناس ان کے علاوہ کسی دوسرے کو لغت عرب کا ماہر اور ان کے طرز کلام سے زیادہ واقف نہ سمجھنے لگیں۔ اس کے علاوہ اسی حاشیہ ۱۳ میں آپ نے دقیق بحثیں اور علمی باریکیاں اپنے قلم سے بیان کی ہیں اس سے منکرین حدیث ہی کو فائدہ ہوگا عوام کو نہیں۔ مزید یہ کہ آپ کی غباوت و غواہیت کی بنیاد پر جو یہاں زور تحقیق ہے اس کی شاباشی اور داد بھی دینی پڑتی ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ:

۲۔ "ان روایات کا طرز بیان خود یہ ظاہر کر رہا ہے کہ ان میں معاہدے کی اس شرط کو ان الفاظ میں نقل نہیں کیا گیا ہے جو اصل معاہدے میں لکھے گئے تھے"

قارئین کرام! غور کیجئے کہ روایات کا طرز بیان آج تک کسی پر ظاہر نہیں ہوا تھا؟ چونکہ آپ جیسا محقق اور نقاد اعظم کوئی پیدا ہی نہیں ہوا اسی لئے روایات کا یہ طرز بیان کسی پر ظاہر بھی نہیں ہوا؟

۳۔ "بلکہ راویوں نے ان کا مفہوم خود اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔"

یعنی چونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ صحابہ و تابعین وغیرہ کے اپنے الفاظ ہیں اسی لئے روایات پر اعتماد کس طرح کیا جائے؟ جب کہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین پر بھی آپ کو اعتماد نہیں ہے پھر یہ حال صرف ابھی ایک روایت کا ہے بلکہ آگے ترقی کر کے تحریر کرتے ہیں کہ:



۴۔ "لیکن چونکہ بکثرت روایات اسی نوعیت کی ہیں اس لئے عام طور پر مفسرین و محدثین نے اس سے یہی سمجھا کہ معاہدہ عام تھا۔ الخ"

لہذا وللاکثر حکم الكل کے تحت تمام روایات و احادیث عدم اعتماد کی رو میں آئیں۔

منکرین حدیث کا یہ دعویٰ ہی غلط ہے کہ اکثر احادیث روایات بالمعنی ہیں اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کے مجموعہ کا نام احادیث شریفہ ہیں۔ جہاں پر آپ کے اقوال ہی نہیں ہیں بلکہ افعال بھی ہیں تو ان پر روایت بالمعنی کا اطلاق کیسے صحیح ہوگا؟ ہاں جو احادیث قولیہ ہیں وہ سب کی سب احادیث قدسیہ اور احادیث کلہ کی طرح من و عن آپ کے ارشاد فرمائے ہوئے بعید نکلات ہیں اور روایت بالمعنی تو اقل نقل ہیں۔ اور ان کے رواۃ حضرات صحابہ ہیں جو واقعہً مزاج شناس نبوت و حسن شناس رسالت ہونے کے علاوہ عربی زبان کے الفاظ و معانی و مقایم سے بھی خوب اچھی طرح واقف تھے اور ان کے اوپر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتماد بھی فرمایا ہے اس لئے مودودی صاحب کا منکرین حدیث کی وکالت و تائید و مشابہت میں یہ دعویٰ ہی سرے سے غلط ہے کہ بکثرت روایات روایت بالمعنی ہیں۔ یہ ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اس لئے آپ کے اس مجملہ سے بھی پتہ لگ گیا کہ احادیث شریفہ کی صحت کا آپ کو یقین نہیں۔ اور بہر صورت آپ منکرین حدیث سے ملے ہوئے ہیں ان ہی کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

۵۔ "تو ان حضرات نے اس کی یہ تاویل کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مؤمن عورتوں کی حد تک معاہدہ توڑ دینے کا فیصلہ فرمادیا مگر یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے جس کو آسانی کے ساتھ قبول کر لیا جائے"

ظاہر کی بات ہے کہ حضرات محدثین و مفسرین اور راویوں کی تاویل کو جناب مودودی صاحب آسانی سے کس طرح قبول کریں گے؟ یہ تو آپ کی شان تحقیق ہی کے خلاف ہے۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ

۶۔ "لیکن ہمیں (مولانا مودودی مرحوم کو) کسی روایت میں اس کا شائبہ تک نہیں ملتا کہ انہوں نے (قریش نے) قرآن کے اس فیصلہ پر ڈوڑ باری بھی

چون و چرا کی ہو۔"

لہذا جب آپ جیسے بصیرت و فہم رکھنے والے محقق اعظم کو کسی بھی روایت میں اس کا شائبہ ہی بھی نہیں ملا تو یہ ہے اس قائل کہ آسانی کے ساتھ قبول کر لیا جائے؟ پھر محدثین و مفسرین کے غور و فکر پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کے قائم کردہ سوال سے روایت کی پیچیدگی دور ہو جاتی یعنی جناب مودودی صاحب کا سوال ہی پیچیدگی دور کرنے کا واحد حل ہے۔

۷۔ "یہ ایسا سوال تھا جس پر غور کیا جاتا تو معاہدے کی اصل الفاظ کی جستجو کر کے اس پیچیدگی کا حل تلاش کیا جاتا"

صاف مطلب یہ ہے کہ محدثین و مفسرین نے غور ہی نہیں کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

۸۔ "مگر بہت سے لوگوں نے اس پر توجہ نہ کی"

یعنی جس طرح ماشاء اللہ جناب مولانا مودودی صاحب نے توجہ کی ہے۔

۹۔ "اور بعض حضرات (مثلاً قاضی ابوبکر بن عمری) نے توجہ کی بھی تو انہوں

نے قریش کے اعتراض نہ کرنے کی یہ توجیہ تک کرنے میں تامل نہ کیا کہ اللہ

تعالیٰ نے بطور معجزہ اس معاملہ میں قریش کی زبان بند کر دی تھی تب ہے کہ

اس توجیہ پر ان حضرات کا ذہن کیسے مطمئن ہوا۔"

بطور معجزہ قاضی ابوبکر بن عمری کی توجیہ پر جناب مودودی صاحب کو تعجب اس لئے ہے کہ آپ پر اعتزال (معتزلہ) کا عنصر غالب ہے اور اگر آپ معتزلہ کی ہمنوائی نہ کرتے تو آپ کو تعجب کیوں ہوتا؟ پھر آپ کو تعجب بھی نہ ہوتا اگر اس پر غور کر لیتے کہ قاضی ابوبکر بن عمری میں مولانا مودودی کی طرح اعتزال کا عنصر بالکل بھی نہیں ہے۔ اگر وہ حضرات معتزلہ ہوتے تو کبھی بھی اس توجیہ پر مطمئن نہیں ہوتے۔

۱۰۔ "معاہدے کے یہ الفاظ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والعالمی میں قوی سند کے ساتھ نقل ہوئے ہیں"

آپ کے اس جملہ سے بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بخاری میں جو روایت قوی سند کے ساتھ نقل ہوئی ہے مولانا مودودی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ احساس و تاثر

بالکل خلاف واقعہ ہے کیونکہ ابھی آپ نے تفہیم ج ۳ ص ۱۳۳-۱۳۴- حاشیہ ۱۹۱ اور ج ۴ ص ۳۳۷- حاشیہ ۳۶ میں ملاحظہ کیا جس میں آپ نے اسی صحیح بخاری شریف کی سندوں کے متعلق یہ جملے لکھے ہیں کہ:

”بخاری و مسلم کی روایات تو پہلی ہی نظر میں رد کردینے کے لائق ہیں“  
 ”بخاری و مسلم کی روایات قرآن کے خلاف ہیں اس لئے رد کردینے کے لائق ہیں“

”بخاری و مسلم کی ان چھ روایات میں سے کسی ایک کی نقل پر بھی یقینی طور پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا“

”جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باعتبار روایات اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جاسکتا لیکن حدیث کا مضمون صریح عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے..... الخ“

”ایسی روایات کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے عقل سے اتروانے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بناتا ہے“

قارئین کرام! اس لئے عرض ہے کہ یہاں تفہیم ج ۵ ص ۴۳۵ میں آپ نے جو بخاری شریف کی روایت اور اس کی سند کو تسلیم کرنے کا تاثر دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا مودودی جہاں کہیں بھی احادیث کو پیش کریں گے تو اس سے ان کو اپنے ذہنی پیدوار کے متعلق استدلال مقصود ہوتا ہے۔

چنانچہ زیر بحث معاہدہ کے اس الفاظ کی جستجو میں مولانا مودودی نے تحریر کی ہے کہ ”وہ لفظ رَحَل تھا جو عربی زبان میں مرد کے لئے بولا جاتا ہے“ اس لئے آپ نے اپنے ذہنی پیدوار کے مطابق لفظ رَحَل کی جستجو میں امام زہری کی روایت بھی لے لی۔ اور بخاری شریف کی قوی سند کے ساتھ نقل ہوئی روایت کو بھی بیان کر کے استدلال فرمایا جب کہ اسی صحیح بخاری شریف کی احادیث کو آپ اس سے قبل رد بھی کر چکے ہیں۔ اور کوئی صاحب علم میری اس بات سے مطمئن نہ ہوں تو وہ ازراہ کرم مجھے یہ بتلانے کی زحمت گوارہ فرمائیں کہ پھر جناب مولانا مودودی کی ان عبارات و تحریرات میں تعارض

و تضاد کیوں ہے؟ کہ آپ بعض جگہ بخاری کی روایت کی قوی سند کو تسلیم کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو دوسری جانب تفہیم ہی میں بخاری کی روایت کی قوی سند کو صریح قرآن کے خلاف بھی بتلاتے ہیں تو کہیں اپنی عقل کے بھی خلاف ارشاد فرماتے ہیں۔ ایسا کیوں؟ اس کے بعد اسی حاشیہ ۱۴ کے ص ۴۳۶ میں ہے کہ:

”اس آیت میں قانون شہادت کا بھی ایک اصولی ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے..... الخ“

اس میں آپ کو قانون شہادت کی تین باتوں سے تین قواعد معلوم ہوئے ہیں ان قواعد کو تحریر کرنے کے بعد حاشیہ ۱۴ کے اخیر میں لکھتے ہیں کہ

”انہی قواعد کے مطابق علم حدیث میں بھی ان روایات کو قبول کیا جائے گا جن کے راویوں کا ظاہر حال ان کے راست باز ہونے کی شہادت دے رہا ہو۔ الا یہ کہ کچھ دوسرے قرآن ایسے موجود ہوں جو کسی روایت کے قول میں مانع ہوں“

قانون شہادت کے اوپر قانون علم حدیث کو قیاس کرنے کی بنیاد کیا ہے؟ یہ قیاس قیاس مع الفارق نہیں تو کیا ہے؟ علاوہ ازیں جناب مودودی مرحوم نے حسب سابق اس جگہ بھی قرآن کی تفصیل کی وضاحت کیوں نہیں کی؟ جن قرآن کی موجودگی میں آپ کے نزدیک کسی روایت کو قبول کرنا ممنوع ہوتا ہے۔

(مضمون نمبر ۳۰)

مفسرین کبار پر تعجب کہ انہوں نے احادیث پر غور ہی نہیں کیا

تفہیم القرآن ۴ ۵۶۵ الدخان ۴۴

”پس جہاں تک دھوکے کا تعلق ہے اس کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ وہ قسط کے زمانے کی چیز نہیں ہے بلکہ علامات قیامت میں سے ہے اور یہی بات احادیث سے بھی معلوم ہوتی ہے تو جسے کہ مفسرین کبار میں سے جنہوں نے حضرت ابن مسعود کی تائید کی انہوں نے بوری مات کی تائید کر دی اور جنہوں نے ان کی تردید کی انہوں نے بوری مات کی تردید کر دی حالانکہ آیات اور احادیث پر غور کرنے سے یہ صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کا کون سا حصہ صحیح ہے اور کون سا غلط ہے۔“

تنبیہ

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ مفسرین کبار نے مولانا مودودی صاحب کی طرح احادیث شریفہ پر غور ہی نہیں کیا کہ کون سا حصہ صحیح ہے؟ اور کون سا غلط؟ اور بلاشبہ یا تو انہوں نے پوری بات کی تائید ہی کر دی۔ یا پھر پوری بات کی تردید ہی کر ڈالی۔ لہذا ان کی تائید و تردید دونوں ہی غلط ٹھہریں۔ اور احادیث پاک پر صرف اور صرف جناب مودودی صاحب ہی کا غور کرنا صحیح ثابت ہوا۔

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ یہ ہے روح قرآن تک پہنچنے اور قرآن پاک کے حقیقی مدعا سے روشناس کرانے کی کوشش؟ اور یہ ہے وہ چیز (جو بقول سید مودودی صاحب کے) سابق مترجمین و مفسرین کی قابل قدر مساعی کے باوجود ہنوز تشنہ تھی۔ جس کے متعلق آپ کو یہ احساس تھا کہ اس تشنگی کو بجھانے کے لئے کچھ نہ کچھ خدمت وہ کر سکتے ہیں چنانچہ آپ نے اسکی خدمت تفہیم کذریعے کی ہے کہ مفسرین کبار کے غور و فکر کی تردید کے بعد صرف اپنے ہی غور و فکر کی تائید کی اور احادیث شریفہ جو دین و شریعت کی اساس ہیں ان کو جڑ ہی سے کھود کر باہر پھینکنے کی کوشش کی ہے (نعوذ باللہ من شرور انفسنا)

مضمون نمبر (۳۱)

اپنی عقل و درایت سے حدیث کی یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے

تفہیم القرآن ۶ ۱۸۱ الہدھ ۷۶

مگر ابن مزیٰ نے ابن عباس سے جو روایت نقل کی ہے اس میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ آیت وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ..... حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس قصے کا اس میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ پورا قصہ علی بن احمد الواجدی نے اپنی تفسیر البیضا میں بیان کیا ہے اور غالباً اسی سے زحتری رازی و ابن ابی عمیر وغیرہم نے اسے نقل کیا ہے۔

ہے۔

(۱) یہ روایت اول تو سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے۔ (۲) پھر روایت کے لحاظ سے دیکھئے تو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ایک مسکین ایک عظیم اور ایک قیدی اگر آکر کھانا مانگتا ہے تو گھر کے پانچوں افراد کا پورا کھانا اس کو دے دینے کی کیا معقول وجہ ہو سکتی ہے؟ ایک آدمی کا کھانا اس کو دے کر گھر کے پانچ افراد چار آدمیوں کے کھانے پر اکتفا کر سکتے تھے پھر یہ بھی باور کرنا مشکل ہے کہ دو بچے جو ابھی ابھی بیماری سے اٹھے تھے اور کمزوری کی حالت میں تھے انہیں بھی تین دن بھوکا رکھنے کو حضرت علی اور حضرت فاطمہ جیسی کامل فہیم دین رکھنے والی ہستیوں نے نیکی کا کام سمجھا ہوگا۔ اس کے علاوہ قیدیوں کے معاملہ میں یہ طریقہ اسلامی حکومت کے دور میں کبھی نہیں رہا کہ انہیں بیک مانگنے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔

تنبیہ

۱۔ "ابن مہران ابن مردویہ علی بن احمد الواجدی زحتری رازی اور نسیا پوری نے جو روایت نقل کی ہے وہ اول تو سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے۔"

۲۔ "پھر روایت کے لحاظ سے دیکھئے تو اس روایت کی بات عجیب معلوم ہوتی ہے۔۔۔۔۔ الخ"

جناب سید مولانا مودودی کو اپنی عقل و درایت سے روایت و حدیث کی یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے اور غیر معقول بھی نظر آتی ہے کیونکہ آپ کی ان عبارت سے معلوم ہوا کہ روایت و حدیث کی صحت کے لئے جہاں صحبت سند ضروری ہے بالکل اسی طرح سے وہ حدیث شریف جناب مودودی کی عقل و فہم کے مطابق بھی ہونی ضروری ہے۔ یعنی سند روایت اور آپ کی عقل و فہم یا ہم لازم ملزوم ہیں حالانکہ ماقبل و ماسبق میں آپ کی بعینہ عبارات و تجزیات ہی سے راقم الحروف ثابت کر چکا ہے کہ آپ کو نہ تو روایت کی سند و متن پر اعتبار ہے اور نہ ہی کسی مضمون احادیث پر بلکہ آپ کے نزدیک اصل چیز مدار صحت کی جو کچھ بھی ہے وہ صرف آپ کی اپنی عقل و درایت ہے اور بس! چنانچہ زیر بحث تفہیم ج ۶ ص ۱۸۲ کے اوپر میں لکھتے ہیں کہ:



۳۔ "تاہم ان تمام نقلی اور عقلی کمزوریوں کو نظر انداز کر کے اگر اس قصے کو بالکل صحیح ہی مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان....."

اب قابل غور بات یہ ہے کہ جناب مولانا مودودی صاحب کو یہ روایت عقلی و نقلی کمزوریوں سے بھرپور کیوں نظر آئی؟ تو اس کی ایک بنیادی وجہ محض یہ ہے کہ جن مفسرین کو خیال پیدا ہوا کہ یہ سورہ مدنی ہے ان مفسرین کی اس رائے کی بنیاد حضرت ابن عباس کی روایت ہے جس کے راوی حضرت عطاء ہیں تو جناب مودودی صاحب اس روایت کو مجروح کرنے کے ساتھ ساتھ بعض ان حضرات مفسرین کی رائے کی بھی تعلیل و تردید کرنا چاہتے ہیں۔ یعنی ایک تیر سے دو شکار۔

### مضمون نمبر (۳۳)

صحیح حدیث میں شک کی بنیاد آپ کا قیاس ہے

تفہیم القرآن ۶ ۳۸۶ الماعون ۱۰۷  
ابن ابی حاتم نے نقل کیا ہے کہ ماعون کا اعلیٰ مرتبہ زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ ترین مرتبہ یہ ہے کہ کسی کو چھلنی ڈول یا سوئی عاریہ دی جائے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہا کرتے تھے (اور بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ کے عہد مبارک میں یہ کہا کرتے تھے) کہ ماعون سے مراد ہڈیاں کلباڑی ڈول تراڑ اور ایسی ہی دوسری چیزیں مستعار دینا ہے (ابن جریر ابن ابی شیبہ ابو داؤد و نسائی بزاز ابن المنذر ابن ابی حاتم طبرانی فی الاوسط ابن مردودہ نسائی فی السنن سعد بن عیاض ماعون کی تصریح کے بغیر قریب قریب یہی قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے نقل کرتے ہیں جس کے معنی یہ ہے کہ انہوں نے متعدد صحابہ سے یہ بات سنی تھی (ابن جریر ابن ابی شیبہ و بیہقی ابن عساکر اور ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ حضورؐ فرماتے تھے کہ اس آیت کی یہ تفسیر بیان فرمائی کہ اس سے مراد ہڈیاں ڈول تراڑ اور ایسی ہی

دوسری چیزیں ہیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو غالباً دوسرے لوگوں کے علم میں نہ آئی ہوگی اور نہ ممکن نہ تھا کہ پھر کوئی شخص اس آیت کی کوئی اور تفسیر کرتا۔

### تنبیہ

"اگر روایت صحیح ہے تو غالباً دوسرے لوگوں کے علم میں نہ آئی ہوگی اور نہ ممکن نہ تھا کہ پھر کوئی شخص اس آیت کی اور تفسیر کرتا۔"

قارئین کرام! اس جملہ سے بھی جناب مولانا سید مودودی صاحب نے حدیث پاک کے بارے میں بے اعتمادی اور شک پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یعنی ابن عساکر ابو نعیم نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس آیت کی تفسیر میں کلباڑی اور ڈول اور ایسی ہی دوسری چیزیں مراد لی ہیں۔ تو اس تفسیر کی صحت میں جناب مودودی صاحب کو شک ہے اور شک کی بنیاد آپ نے اپنے قیاس سے یہ بیان کی ہے کہ

"غالباً یہ روایت دوسرے لوگوں کے علم میں نہ آئی ہوگی۔"

یعنی اگر یہ روایت دوسرے لوگوں کے علم میں بھی آجاتی تو اس آیت کی ایک ہی تفسیر نہ ہوتی؟ اس کی دوسری دوسری تفسیر کیوں ہے؟ جس کا خلاصہ یہ نکلا کہ چونکہ اس آیت کی مختلف تفسیریں ہو گئیں اس بنیاد پر اس حدیث کی صحت میں جناب مودودی صاحب کو شک ہو گیا۔ تو ہم قارئین کرام کی توجہ مبذول کرا کر دریافت کرتے ہیں کہ کیا ایک آیت کی تفسیریں مختلف نہیں ہوتی ہیں؟ ہم تو تفہیم میں دیکھتے ہیں کہ آپ ایک آیت پاک کی مختلف تفسیروں کے قائل ہیں چنانچہ تفہیم ج ۶ ص ۱۸۲ میں ہے کہ:

"شان نزول کے بارے میں بہت سی روایات کا حال یہی ہے کہ کسی آیت کے متعلق جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں موقع پر نازل ہوئی تھی تو دراصل اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ جب یہ واقعہ پیش آیا اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ آیت اس واقعہ پر ٹھیک چسپاں ہوئی ہے۔ امام سیوطی نے حافظ ابن تیمیہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ دو راوی جب یہ کہتے ہیں کہ آیت فلاں معاملہ میں نازل ہوئی ہے تو یہی اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہی معاملہ اس کے نزول کا سبب ہوتا ہے اور یہی اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ معاملہ

اس آیت کے حکم میں داخل ہے اگرچہ وہ اس کے نزول کا سبب نہ ہو آگے چل کر وہ امام بدرالدین زکریا کا قول ان کی کتاب البرہان فی علوم القرآن سے نقل کرتے ہیں کہ:

”صحابہ اور تابعین کی یہ عادت معروف ہے کہ ان میں سے کوئی شخص جب یہ کہتا ہے کہ یہ آیت فلاں معاملہ میں نازل ہوئی تھی تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس آیت کا حکم اس معاملے پر چپا ہوتا ہے نہ یہ کہ وہی اس واقعہ کے نزول کا سبب ہے پس دراصل اس کی تومیت آیت کے حکم سے استدلال کی ہوئی ہے نہ کہ بیان واقعہ کی (الاتقان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۳۱ طبع ۱۹۶۹ء)

الفوز الکبیر اصول تفسیر قرآن کی نہایت مستند کتاب ہے اس کتاب میں مودودی صاحب کی اس ذہنی کش مکش کا ازالہ کیا گیا ہے یعنی ایک آیت کی تشریح میں کئی اقوال کیوں؟

”ومما ينبغي ان يعلم ههنا ان الصحابة والتابعين وبما يفسرون اللفظ بلازم معناه وقد يتعقب المتأخرون التفسير القديم من جهة تنوع اللغة وتفحص مواضع الاستعمال والغرض من هذه الرسالة سرد تفسيرات السلف بعينها وتنقيحها ونقلها موضع غير هذا الموضع ولكل مقام مقال ولكل نكتة مقام“ (الفوز الکبیر الفصل الاول فی شرح غریب القرآن)

”عبارات کا مطلب یہ کہ حضرات صحابہ و تابعین بھی آیات والفاظ قرآنی کی تفسیر میں لغوی اصلی معنی کے بجائے اس کے لازمی مفہوم کو ذکر کر دیتے ہیں جس کو متأخرین (مودودی صاحب جیسے) مواقع استعمال اور لغوی تحقیقات کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جب ان کی کسوٹی پر وہ تفسیر پوری اور کھری نہیں اترتی ہے تو حقد میں کا تعاقب اور رد کیا جاتا ہے انہیں تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے غرض یہ ہے کہ قدیم مفسرین کے اختلافی اقوال کو مقصد کے اعتبار سے بھی جناب مودودی صاحب کا ایک دوسرے کا معارض سمجھنا محض کم فہمی اور سطحی مطالعہ کا نتیجہ ہوتا ہے ان اقوال مختلفہ کو اگر تحقیقی نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تو محض الفاظ و عبارات اور تعبیر کا اختلاف ہے۔ خاص طور پر جو بات اس عبارت میں کہی گئی ہے وہ یہ کہ اسلاف کی تمام تفسیروں کو بعینہ نقل کی جائیں لیکن اس کی اصلاح و تنقید کے لئے اس کے علاوہ دوسرا مقام ہے۔ ”ولكل مقام مقال ولكل

نكتة مقام“ ہر موقع کے لئے الگ کلام اور ہر نکتہ کے لئے ایک مقام ہوتا ہے۔ (مستفاد از الفوز العظیم ص ۳۳۳)

لیکن جناب سید مودودی صاحب کا کیا کہنا کہ قرآن پاک کی تفسیر و تشریح کے بہانے سے احادیث ہی پر جرح و قدح و کلام کر کے محدثین و مفسرین پر تنقید کرنا تفہیم القرآن میں ضروری سمجھا۔ حالانکہ تنقید کے لئے آپ کو الگ سے کوئی کتاب لکھنی چاہئے۔ جس کا موضوع ہی تنقید و تردید ہوتا۔ لہذا دوسرے لوگوں کے علم میں نہ آنے کو بنیاد بنا کر ان روایات و احادیث کے بارے میں شک پیدا کر کے بے اعتمادی کا مظاہرہ کرنا کس طرح درست ہوگا؟

### اہم انتباہ

قارئین کرام! یہاں تک تو راقم الحروف نے جناب مولانا سید مودودی صاحب کی بے اعتمادی حدیث کو ان ہی کی عبارات و تحریرات سے بیان کیا ہے اب انہوں نے تفہیم القرآن میں بائبل کو مستند مانتے ہوئے آیات قرآنیہ کی جو (۱) تشریحات (۲) تفسیرات (۳) توضیحات (۴) تائیدات (۵) تفصیلات بیان کی ہیں اور کس کس طرح سے بائبل پر اعتماد کیا ہے؟ اور کتب محرفہ کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد کے ساتھ جناب سید مودودی مرحوم کے عقائد کیا ہیں؟ اور اعتراف تحریف بائبل کے باوجود پھر بائبل پر استناد اور اعتماد کیوں فرمایا ہے؟ اور تفہیم القرآن میں بائبل کے حوالے کن کن آیات میں ہیں؟ تفہیم القرآن میں بائبل اور قرآن کی بیحد تصویر کیوں ہے؟ اور آپ نے بائبل ملاحظہ کرنے کی بار بار ترغیب و دعوت کیوں دی ہے اور بائبل کے کن کن بیانات کی بنیاد پر آپ کے قیاسات و تہمیتات و مطومات ہیں؟ مفصل اس کے تمام حقائق کو بھی قید صفحات و حواشی کے مضبوط حوالوں کے ساتھ بیان کرتا ہے تاکہ قارئین کرام جناب مولانا مودودی کی ”بے اعتمادی حدیث“ کے مقابلہ میں ”بائبل پر حد درجہ“ اعتماد کو بھی ملاحظہ فرمائیں اور عمل عبارات ملاحظہ کرنے کے بعد غور فرمائیں کہ اس کا نام تفہیم القرآن رکھنا زیادہ صحیح ہوگا کہ تفہیم بائبل؟ اور تفہیم مودودی؟

قرآن کے بیان سے بائبل کی جانچ کی جائیگی  
(اور جناب مودودی صاحب مرحوم نے بائبل کے بیانات سے  
قرآن کی جانچ کی ہے۔)

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ  
۱- ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقُصُّ عَلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي  
هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ (پ ۲۰، التمل آیت: ۷۶)۔

جناب مودودی صاحب کا طریقہ کار کے غلط  
ہونے کی دلیل:

۲- ﴿فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ  
يَقْرَأُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ  
الْمُتَرَدِّينَ﴾ (پ ۱۱ یونس آیت: ۹۴)۔

اس آیت کے نزول کے وقت آپ ﷺ نے فرمایا: "لَا أَشْكُ وَلَا أَسْئَلُ"  
(اعرجہ عبدالرزاق وابن جریر عن قتادہ مرفوعاً عن عامر سلاکذا فی الذوالمنثور)۔  
اس آیت کی وضاحت کے باوجود جناب مودودی مرحوم کا تفہیم القرآن میں  
موجودہ محرف بائبل سے استناد کر کے تفسیر کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ

میں آپ کا یہی طریقہ کار ہو تا کہ آپ بھی فرماتے: "لَا أَشْكُ وَلَا أَسْئَلُ"۔

ظالموں کی طرف میلان کا برا انجام ہے

۳- ﴿وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّنْ دُونِ  
اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءٍ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾ (پ ۱۲ ہود آیت ۱۱۳)

بائبل کی تفسیر کرتے وقت یہودی قرآن پاک سے  
استدلال و استناد نہیں کرتے تو قرآن پاک کی  
تفسیر میں مودودی صاحب نے بائبل سے  
استدلال و استناد کیوں کیا؟

۴- قال رسول الله -ﷺ- ألا ينهاكم ما جاءكم من العلم عن  
مسئلتهم لا والله إنا ما رأينا منهم عجلة يسئلونكم عن الذي  
أنزل إليكم. صحيح بخاری (۱۰۹۴)۔

عالین و مبطلین اور جاہلین کی تردید کرنا علماء حق  
کا فرض منصبی ہے

۵- قال رسول الله -ﷺ- يُحْمَلُ هَذَا الْعِلْمُ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ  
عَدُوْلُهُ يُنْفِقُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِبِينَ وَاتِّحَالَ الْمِطْلِينَ وَتَأْوِيلَ  
الْبَاحِلِينَ. مشکاة (۳۶/۱)۔



## چوتھا باب

کتب محرفہ کے بارے میں  
مسلمانوں کے عقائد کیا ہیں؟

﴿اظہار الحق جلد اول﴾ ۵۷۳ باب اول

ان کتابوں کے بارے میں مسلمانوں کے عقائد:

اب چاروں فصلوں کے بیان سے فراغت کے بعد ہمارا یہ کہنا ہے کہ اصل تورات اور اصلی انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے دنیا سے مفقود ہو چکی تھیں، آج کل اس نام سے جو دو کتابیں موجود ہیں ان کی حیثیت محض ایک تاریخی کتاب کی ہے جن میں سچے اور جھوٹے دونوں قسم کے واقعات جمع کر دیے گئے ہیں یہ بات ہم ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اصل تورات و انجیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں موجود تھیں پھر بعد میں ان کے اندر تحریف کی گئی، حاشا دکھادے ہے پولس کے خطوط وغیرہ تو اگر ہم مان بھی لیں کہ یہ خطوط واقعہ اسی کے ہیں تب بھی ہمارے نزدیک وہ قابل قبول نہیں ہیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ ان جھوٹے لوگوں میں سے ایک شخص ہے جو پہلے طبقہ میں نمایاں تھے خواہ عیسائیوں کے نزدیک کتنا ہی مقدس کیوں نہ ہو ہم اس کی بات ایک کوڑی میں خریدنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

رہے وہ حواری جو عیسیٰ علیہ السلام کے عروج آسمانی کے بعد باقی تھے ان کے حق میں ہم نیک گمان رکھتے ہیں ان کی نسبت ہم نبی ہونے کا خیال نہیں رکھتے ان کے اقوال کی حیثیت ہمارے نزدیک مجتہدین صالحین کے اقوال کی سی ہے جس میں غلطی کا احتمال ہے۔

اوسر دوسری صدی تک سند کا متصل نہ ہونا اور متنی کی اصل مبرانی انجیل کا ناپید ہونا اور اس کا صرف وہ ترجمہ باقی رہنا جس کے مؤلف کا نام بھی آج تک یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو سکا پھر اس میں تحریف واقع ہونا یہ اسباب ایسے ہیں جن کی بنا پر ان کے اقوال سے بھی امن اٹھ گیا۔

یہاں پر ایک تیسرا سبب اور بھی ہے وہ یہ کہ لوگ اکثر اوقات مسیح کے اقوال سے ان کی مراد سمجھ نہیں پاتے تھے جیسا کہ عنقریب تفصیل سے آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ رہے لوقا اور مرقس سو یہ حواری نہیں ہیں اور نہ کسی دلیل سے ان کا صاحب الہام ہونا معلوم ہوتا ہے ہمارے نزدیک تورات وہ کتاب ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی گئی اور انجیل وہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ  
اور بلاشبہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی  
(یعنی توریت)

اور سورہ مائدہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہے:  
وَإِنَّا لَهُ الْإِنجِيلَ  
اور ہم نے انہیں انجیل عطا کی  
اور سورہ مریم میں خود حضرت مسیح کا قول نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا:  
وَإِنَّا لَكِنَّا الْكِتَابَ  
اور اللہ نے مجھے کتاب دی (یعنی انجیل)

اور سورہ بقرہ وآل عمران میں ہے:  
وَمَا أَوْتِيَ مُوسَى وَعِيسَى  
اور وہ (کتا ہیں) جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی  
گئیں (یعنی توریت و انجیل)

یہی یہ تواریخ اور رسالے جو اس زمانہ میں موجود ہیں ہرگز وہ توریت و انجیل  
نہیں ہیں جن کا قرآن میں ذکر ہے اس لئے وہ واجب تسلیم نہیں ہیں بلکہ  
ان دونوں کا اور عہد حقیق کی تمام کتابوں کا حکم یہ ہے کہ ان کی جس روایت کی  
تصدیق قرآن کرتا ہو وہ یقیناً مقبول ہے اور اگر اس کی تکذیب کرتا ہے تو یقینی  
طور پر مردود ہے اور اگر اس کی تصدیق و تکذیب سے قرآن خاموش ہے تو ہم  
بھی خاموشی اختیار کریں گے نہ تصدیق کریں گے اور نہ تکذیب

سورہ مائدہ میں خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ  
اور (اے نبی) ہم نے آپ پر یہ کتاب

سچائی

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ  
کے ساتھ بھیجی ہے اس حالت میں کہ یہ

اپنے سے

پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور تمہارا  
ہے۔

معالم التنزیل میں اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں کہا ہے:

”اور قرآن کے امین ہونے کا مطلب جیسا کہ ابن جریر نے کہا ہے یہ ہے کہ

اہل کتاب اگر کوئی خبر اپنی کتاب کی بیان کرتے ہیں تو اگر قرآن اس کی  
تصدیق کرتا ہے تو تم بھی اس کی تصدیق کرو ورنہ پھر اس کو جھوٹا سمجھو سعید بن  
سبت اور ضحاک نے اس کے معنی فیصلہ کنندہ اور ظلیل نے تمہیدان اور محافظ  
بیان کئے ہیں حاصل سب کا یہی ہے کہ جس کتاب کی سچائی کی شہادت قرآن  
دیتا ہو تو بے شک وہ خدا کی کتاب ہے اور جو ایسی نہیں ہے وہ خدا کی کتاب  
بھی نہیں ہے۔

تفسیر مظہری میں یہ کہا گیا ہے کہ:

”اگر قرآن میں اس کی تصدیق موجود ہے تو تم بھی اس کو سچا مانو اور اگر قرآن  
میں اس کی تکذیب کی ہے تو تم بھی اس کو جھوٹا سمجھو اور اگر قرآن اس سے  
ساکت ہو تو تم بھی اس سے سکوت اختیار کرو اس لئے کہ سچ اور جھوٹ دونوں  
کا احتمال ہے“

امام بخاری نے ایک حدیث ابن عباسؓ کی روایت سے کتاب الشہادات میں  
مع سند کے بیان کی ہے پھر کتاب الاعتصام میں دوسری مستقل سند کے  
ساتھ نقل کی پھر کتاب الرد علی الجہمیین تیسری مستقل سند سے  
روایت کی ہے۔

ہم اس کو آخری دونوں کتابوں سے نقل کرتے ہیں اور کتاب الاعتصام میں  
قططائی نے اس کی شرح کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی ساتھ ہی  
درج کرتے ہیں:

(كيف تسئلون اهل الكتاب) من اليهود والنصارى والاستفهام  
انكاري عن شئ من الشرائع (وكتابكم القرآن الذي انزل على  
رسول الله صلى الله عليه وسلم احداث) اقرب نزولا اليكم من  
عند الله فالحدوث بالنسبة الى المنزل عليهم وهو في نفسه قديم  
(تقرؤنه محضاً) خالصاً لم يشب بضم اوله وفتح المعجمة لم  
يخلط فلا ينطرق اليه تحريف ولا تبديل بخلاف التوراة والانجيل  
(وقد حلتكم) سبحانه وتعالى (ان اهل الكتاب) من اليهود  
وغيرهم (بدلو كتاب الله) التوراة وغيره وكتبوا بآيديهم  
الكتاب وقالوا هو من عند الله ليشروا به ثمناً قليلاً (لا) بالتخفيف  
(لا يهاكم ما جاءكم من العلم) بالكتاب والسنة (عن من انهم)

بفتح العیم ومکون السین ولا یی در عن الکشم عینی مساء لتهم  
بضم العیم وفتح السین بعدها الف (الا والله ما رأیناهم رجلاً یسأ  
لکم عن الهدی انزل علیکم فانتم بالطریق الاولی ان لا تسئلوهم)۔

تم اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کوئی حکم شرعی کیوں پوچھتے ہو؟ (مطلب یہ ہے کہ تمہیں پوچھنا نہیں چاہئے) حالانکہ تمہاری کتاب قرآن سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے تازہ ترین ہے اور اللہ کی طرف سے ابھی ابھی نازل ہوئی ہے (لہذا جن پر نازل ہوئی ہے ان کے لحاظ سے جدید اور فی نفسہ قدیم ہے) اس کو تم خالص طریقہ سے پڑھتے ہو یعنی اس میں کوئی بیرونی چیز نہیں ملتی اور اس میں تحریف و تبدیل راستہ نہیں پا سکتی بخلاف تورات و انجیل کے۔

اور اللہ تعالیٰ تم سے بیان کر چکا ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و غیرہ نے اللہ کی کتاب تورات کو بدل ڈالا ہے اور اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہنے لگے کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے تاکہ اس کے عوض میں انہیں حقیر معاوضہ ملے کیا تمہارے پاس کتاب و سنت کا جو علم آیا ہے وہ تمہیں ان سے سوالات کرنے سے نہیں روکتا؟

نہیں! خدا کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ تم پر نازل ہونے والے کلام کے بارے میں سوال کرتا ہو پھر تمہیں تو بطریق اولیٰ ان سے سوال نہ کرنا چاہئے۔

اور کتاب الرد علی الجہمیۃ میں حدیث کا مفہوم یہ ہے:

”اے مسلمانو! تم اہل کتاب سے کسی چیز کی نسبت کیونکر پوچھتے ہو! حالانکہ تمہاری کتاب ایسی ہے جس کو خدا نے نازل کیا ہے تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر (جو لفظ یا نزول کے لحاظ سے یا اللہ کی جانب سے خبر دینے کے اعتبار سے) تازہ اور جدید ہے بالکل خالص ہے جس میں کسی دوسری چیز کی قطعی آمیزش نہیں ہے اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے کہ اہل کتاب نے خدا کی کتابوں میں تحریف و تبدیلی کر دی ہے اور اپنے ہاتھوں سے لکھ لیا ہے اور دعویٰ کر دیا کہ خدا کے پاس سے آیا ہے تاکہ اس کے عوض میں حقیر معاوضہ لے لیں کیا جو علم تم تک پہنچ چکا ہے وہ تم کو ان سے پوچھنے سے نہیں روکتا؟ (اس میں یہود و نصاریٰ کی اسناد علم کی جانب اسی طرح مجازی ہے جس طرح

روکنے کی اسناد اس کی طرف مجازی ہے۔ نہیں خدا کی قسم ہم نے کسی شخص کو نہیں دیکھا کہ وہ تم سے اس چیز کی نسبت دریافت کرتا ہو جو تم پر نازل ہوئی ہے پھر تم ان سے کس لئے پوچھتے ہو جب کہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ وہ محرف ہے۔“

کتاب الاعتصام میں معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول کعب احبار کی نسبت یہ ہے کہ: ”اگر چہ وہ ان محدثین میں سب سے زیادہ سچے تھے جو اہل کتاب سے حدیثیں بیان کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی ہم نے ان میں جھوٹ بھی پایا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات وہ جو کچھ کہتے ہیں اس میں اس لئے غلطی کرتے ہیں کہ ان کی تحریف شدہ کتابیں اور تبدیلی کی ہوئی ہیں اسی لئے ان کی جانب جھوٹ کی نسبت اس بناء پر ہے نہ اس لئے کہ وہ جھوٹے تھے کیونکہ وہ تو صحابہؓ کے نزدیک نیک علماء یہود میں شمار کئے جاتے ہیں ان کا یہ کہنا کہ ”اس کے باوجود ہم ان میں جھوٹ پاتے ہیں“ صاف اس پر دلالت کر رہا تھا کہ صحابہؓ کا اعتقاد یہ تھا کہ اہل کتاب کی کتابیں محرف ہیں اور جس مسلمان نے بھی اس تورات اور اس انجیل کا مطالعہ کر کے اہل کتاب کا رد کیا ہے اس نے یقینی طور سے ان دونوں کا انکار کیا ہے ان میں سے بیشتر کی تالیفات آج تک موجود ہیں۔

کتاب تخیل من حروف الانجیل کا مصنف اپنی کتاب کے باب ۲۔ میں ان مشہور انجیلوں کی نسبت اس طرح کہتا ہے کہ:

”یہ انجیلیں وہ جچی انجیلیں نہیں ہیں جن کو دے کر سچا رسول بھیجا گیا تھا اور جو خدا کی جانب سے اتاری گئی تھیں؟“

پھر اس مذکورہ باب میں یوں کہتا ہے کہ:

”اور جچی انجیل تو صرف وہی ہے جو مسیحؑ کی زبان سے نکلی“

پھر باب ۹ میں عیسائیوں کی قیاحتوں کے ذیل میں کہتا ہے کہ:

”اس پولس نے ان کو اپنی لطیف فریب کاری سے دین سے قطعی محروم کر دیا کیونکہ اس نے ان کی عقلوں کو ایسا بودا پایا کہ جس طرح چاہے ان کو بہکایا جاسکتا ہے اس لئے اس غیبت نے تورات کے نشانوں تک کو مٹا دیا۔“

غور کیجئے! ان انجیلوں کا کیونکر انکار ہو رہا ہے اور پولس پر کتنی سخت چوٹ ہے میری اور مصنف میزان الحق دونوں کی تقریروں پر ایک ہندی فاضل کا فیصلہ ہے جو رسالۃ المناظرہ مطبوعہ ۱۲۷۰ھ دہلی بزبان فارسی کے آخر میں شامل ہے



انہوں نے بعض علماء پر دستک لگا کر وہ دوسروں کے غلط بتانے کے سبب یا خود غلط فہمی کی وجہ سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مسلمان اس توریت و انجیل کے منکر نہیں تو مناسب سمجھا کہ اس سلسلہ میں علماء دہلی سے دریافت کریں چنانچہ انہوں نے پوچھا تو علماء نے یہ لکھا کہ یہ مجموعہ جو آج کل عہد جدید کے نام سے مشہور ہے ہم کو تسلیم نہیں ہے یہ وہ چیز ہرگز نہیں ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے بلکہ ہمارے نزدیک انجیل وہ چیز ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔

فتویٰ حاصل ہونے کے بعد ثالث نے اس کو فیصلہ میں شامل کر دیا اور عوام کی آگاہی کے لئے اس خط کو رسالہ منظرہ کا جزو بنا دیا گیا ہے تمام ہندوستان کے علماء کا فتویٰ دہلی کے علماء کے اس فتویٰ کے مطابق ہے اور جن لوگوں نے بھی پادریوں کی کتابوں کی تردید کی ہے خواہ وہ اہل سنت میں سے ہوں یا شیعہ اس سلسلہ میں انہوں نے صاف صاف لکھا ہے اور موجودہ مجموعہ کا سختی سے انکار کیا ہے۔

## امام رازیؒ کا قول

امام رازیؒ اپنی کتاب المطالب العالیہ کتاب النبوۃ کی قسم ۲ فصل چہارم میں فرماتے ہیں کہ:

”عسیٰ علیہ السلام کی اصل دعوت کا اثر بہت ہی کم ہوا یہ اس لئے کہ انہوں نے اس دین کی دعوت ہرگز نہیں دی جس کا دعویٰ ان عیسائیوں کو ہے کیونکہ باپ اور بیٹے اور حلیت کی باتیں بدترین اور فحش ترین کفر کی اقسام ہیں اور جہالت پر مبنی ہیں اس قسم کی چیزیں جہل الناس کے لئے بھی موزوں نہیں ہے چنانچہ طویل القدر اور معصوم پیغمبر اس سے ہم کو یقین ہو گیا کہ یقیناً انہوں نے ایسے ناپاک مذہب کی دعوت نہیں دی ان کی دعوت تو صرف دعوت توحید اور تنزیہ تھی مگر یہ دعوت نمایاں نہ ہو سکی بلکہ لپٹی ہوئی اور گم نام رہی اور یہ ثابت ہو گیا کہ ان کی دعوت الٰہی الحق کا کوئی اثر نمایاں نہ ہو سکا۔“

## امام قرطبیؒ کا ارشاد

امام موصوف اپنی کتاب سکی کتاب الاعلام بمافی دین النصاری من الفساد والادبام باب ۳ میں فرماتے ہیں:

”جو کتاب عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے جس کا نام انہوں نے انجیل رکھ چھوڑا ہے وہ انجیل ہرگز نہیں ہے جس کا تذکرہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فرمایا ہے۔ وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ مِنْ قَبْلِ هَذَا لِلنَّاسِ (اور اللہ نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل اتاری) پھر انہوں نے اس دعویٰ کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ حواری نہ پیغمبر تھے اور نہ غلطی سے معصوم تھے اور جن کرامات کا انہوں نے دعویٰ کیا ہے ان میں کوئی بھی تو اتر کے ساتھ منقول نہیں ہے بلکہ سب اخبار آحاد ہیں اور وہ بھی صحیح نہیں ہیں اور اگر ان کی صحت مان بھی لی جائے تب بھی تمام واقعات میں حواریوں کی سچائی پر ہرگز دلالت نہیں کر سکتیں اور نہ ان کی نبوت پر دلالت کر سکتی ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے پیغمبر ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغ ہونے کے مدعی ہیں پھر فرماتے ہیں کہ:

”اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ جس انجیل کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ تو اتر کے ساتھ منقول نہیں ہے اور نہ اس کے ناقلوں کے معصوم ہونے پر کوئی دلیل موجود ہے اس لئے ناقلوں میں غلطی اور سو کا امکان ہے لہذا نہ انجیل کی قطعیت ثابت ہو سکتی ہے اور نہ غلبہ ظن اس لئے نہ وہ قابل التفات ہے اور نہ استدلال کے لئے قابل اعتماد ہے یہ امر اس کے رد کے لئے اور اس میں تحریف کے لئے کافی ہے مگر اس کے باوجود ہم اس کے چند مقامات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن سے اس کے ناقلوں کی بے پرواہی اور نقل کی غلطی واضح ہو جاتی ہے۔“

اس کے بعد انہوں نے ان مقامات کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

”اس صحیح بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ توریت و انجیل پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس لئے دونوں سے استدلال درست نہیں ہے کیونکہ دونوں غیر متواتر ہیں اور دونوں میں تحریف کا امکان موجود ہے اور بعض تحریف شدہ کی ہم نے نشاندہی کر دی ہے پھر جب اس قسم کی تحریف دونوں کتابوں میں بھی واقع ہو سکتا ہے جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ عظیم الشان اور مشہور ترین اور دیانت کا شاہکار ہیں تو آپ ان کے علاوہ عیسائیوں کی دوسری کتابوں کی نسبت خود سے رائے قائم کر لیجئے کہ ان کی کیا پوزیشن ہے؟ جو نہ ان کی طرح مشہور ہیں اور نہ خدا کی طرف منسوب ہیں۔ یقیناً غیر متواتر ہونے میں اور

قبول تحریف میں یہ کتابیں تو ریت و انجیل سے بڑھی ہوئی ہوں گی۔  
یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ کو پرلی میں موجود ہے۔

## علامہ مقریزی کی رائے

علامہ موصوف آٹھویں صدی کے ہیں اپنی تاریخ کی جلد اول میں قبطیوں سے قبل کی قوموں کی تواریخ کے بیان میں یوں کہتے ہیں کہ:

”یہودیوں کا گمان ہے کہ جو تورات ہمارے پاس ہے وہ آمیزش سے پاک ہے اس کے برعکس عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ تورات سبب سے جو ہمارے پاس ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوا اور یہودی اس کی نسبت اس کے خلاف کہتے ہیں۔ سامری کہتے ہیں کہ ان کی تورات حق ہے اور اس کے علاوہ جس قدر تورات ہیں وہ باطل ہیں ان کے اس اختلاف میں شک کو دور کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے بلکہ مزید شک بڑھانے والی ہے۔

بعینہ یہی اختلاف عیسائیوں کے درمیان انجیل کے بارہ میں ہے وہ اس کی یہ ہے کہ عیسائیوں کے یہاں انجیل کے چار نسخے ہیں جو ایک ہی مصنف میں جمع کروئے گئے ہیں اول مسیح کی انجیل ہے دوسری مرقس کی تیسری یوحنا کی چوتھی لوقا کی ان چاروں میں ہر ایک نے اپنے علاقہ میں اپنی دعوت کے مطابق ایک انجیل تالیف کی جن میں بے شمار اختلافات ہیں یہاں تک کہ مسیح کی صفات میں ان کی دعوت کے زمانہ میں ہولی دئے جانے کے وقت میں ان کے نسب میں یہ اختلاف ناقابل تحمل ہے اس کے باوجود مرقیون والوں اور ابن وایسان والوں میں یہ ہر ایک کے پاس ایک انجیل ہے جس کے بعض حصے انجیل کے مخالف ہیں مانی کے اصحاب کے پاس ایک علیحدہ انجیل ہے جو نصاریٰ کے عقائد کے شروع سے آخر تک مخالف ہے ان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ سب باطل ہیں ان کے یہاں ایک انجیل اور ہے جس کا نام انجیل السبعین ہے جو تائیس کی طرف منسوب ہے اور عیسائی اور دوسرے لوگ اس کے منکر ہیں پھر جب اہل کتاب کے درمیان اس قدر شدید اختلاف ہے کہ اس میں حق و باطل میں امتیاز کرنا عقل اور راستے کے بس میں نہیں ہے تو پھر ان کی جانب سے اس کی حقیقت سے آگاہ ہونا ناممکن ہے اور اس سلسلہ میں ان کی کوئی بات بھی الائق اعتماد نہیں ہو سکتی۔“

کشف الظنون عن اسامی الکتاب والفنون کے مصنف نے انجیل کے باب میں یوں کہا ہے کہ:

”وہ ایک کتاب تھی جس کو اللہ نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر نازل کیا تھا“  
پھر ایک طویل عبارت میں ان انجیل اربعہ کے اصلی انجیل ہونے کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ:

”عیسیٰ جو انجیل لے کر آئے تھے وہ ایک ہی انجیل تھی جس میں اختلاف و تناقض ہرگز نہیں تھا ان عیسائیوں نے اللہ پر اور اس کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام پر جھوٹی تہمت رکھ دی۔“

ہدایۃ الحیاری فی اجوبۃ الیہود و النصاری کے مصنف کہتے ہیں کہ:

”یہ تورات جو یہودیوں کے ہاتھوں میں ہے اس میں اس قدر کمی بیشی اور تحریف پائی جاتی ہے جو ماہرین علم سے چھپی ہوئی نہیں ہے ان کو خوب یقین ہے کہ یہ تحریف اور اختلاف اس تورات میں ہرگز نہ تھا جو موسیٰ علیہ السلام پر خدا نے نازل کی تھی اور نہ اس انجیل میں تھا جس کو مسیح علیہ السلام پر نازل کیا گیا تھا ظاہر ہے کہ جو انجیل عیسیٰ پر نازل ہو چکی تھی اس میں ان کو سولی دئے جانے کا واقعہ کیونکر درج ہو سکتا ہے؟ اسی طرح جو تورات ان کے ساتھ کیا گیا یا تین روز بعد ان کا قبر سے زندہ ہو کر نکل آنا وغیرہ وغیرہ جو درحقیقت عیسائیوں کے اکابر کا کلام ہے۔“ پھر کہتے ہیں کہ: ”بہت سے علماء اسلام نے اس کی بیشی اور تفاوت و اختلاف کو واضح طور پر بیان کیا ہے اور اگر طوالت کا اندیشہ نہ ہوتا اور اس سے زیادہ اہم اور ضروری باتیں بیان کرنا نہ ہوتیں تو اس قسم کی کافی مثالیں پیش کرتے۔“ (انکبہار الحق جلد اول ص ۵۷۳ تا ۵۸۵)



# پانچواں باب

کتب محرفہ کے متعلق

سید مودودی مرحوم  
کے عقائد کے بیان میں

## نوٹ

کتب محرفہ کے متعلق مسلمانوں کے عقائد نقل کرنے کے بعد اب ہم نے تقابلی طور پر جناب سید مولانا مودودی صاحب مرحوم کے عقائد و خیالات کو جاننے کے لئے تفہیم القرآن ہی کی اصل عبارت سے ۲۶ سوالات قائم کئے ہیں اور پھر آپ ہی کی اصل عبارات سے ان کے جوابات دے کر مکمل انٹرویو بنادیا ہے تاکہ قارئین کرام کو سہولت و آسانی سے معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کے عقائد اور جناب مولانا مودودی صاحب کے عقائد میں زمین و آسمان کا فرق ہے انٹرویو میں ہمارے یہ سوالات اور جناب مولانا مودودی صاحب کے جوابات تفہیم القرآن ج اول ص ۲۳۱ اور ۲۳۲ سے ماخوذ ہیں۔ قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

کتب محرفہ کے متعلق جناب سید مودودی مرحوم کے

عقائد کیا ہیں؟

سوال ۱۔ بائبل کے پرانے عہد ناموں کی پانچ کتابیں اور نئے عہد ناموں کی چار مشہور انجیلیں کیا یہ واقعی کلام الہی ہیں؟ ۲۔ اور کیا جو کچھ اس میں درج ہے قرآن پاک ان سب باتوں کی تصدیق کرتا ہے؟  
جواب۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ تورات بائبل کی پہلی پانچ کتابوں کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ان کے اندر مندرج ہے اور انجیل نئے عہد نامہ کی انجیل اربعہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ان کے اندر پائی جاتی ہیں عام طور سے لوگ توراۃ سے مراد بائبل کے پرانے عہد نامے کی ابتدائی پانچ کتابیں اور انجیل سے مراد نئے عہد نامے کی چار مشہور انجیلیں لے لیتے ہیں اسی وجہ سے یہ الجھن پیش آتی ہے کہ کیا فی الواقع یہ کتابیں الہی ہیں اور کیا واقعی قرآن ان سب باتوں کی تصدیق کرتا ہے۔

سوال ۳۔ توراۃ سے کون سے احکام مراد ہیں؟ ۴۔ اور توراۃ کس کتاب کا نام ہے



تھے اور بہت ہی تھوڑی تعداد میں تھے ہمیشہ کے لئے گم کر دیے۔

سوال ۱۱۔ دوبارہ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ کب اور کس نے مرتب کی؟ ۱۲۔ اور وہ کتنی کتابوں پر مشتمل ہے؟

جواب۔ جب عزرا کا بن (عزیر) کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بچے کچھے لوگ بابل کی اسیری سے واپس یروشلم آئے اور دوبارہ بیت المقدس تعمیر ہوا تو عزرا نے اپنی قوم کے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مرتب کی جو اب بائبل کی پہلی ۷ کتابوں پر مشتمل ہے۔

سوال ۱۳۔ بنی اسرائیل کی وہ تاریخ کس بات پر مشتمل ہے؟

جواب۔ اس تاریخ کے چار باب یعنی خروج، اجمار کنتی اور استثناء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر مشتمل ہیں۔

سوال ۱۴۔ اس سیرت میں کیا چیز درج کی گئی ہے؟

جواب۔ اس سیرت میں تاریخ نزول کی ترتیب کے مطابق تورات کی وہ آیات بھی حسب مواقع درج کر دی گئی ہیں جو عزرا اور ان کے مددگار بزرگوں کو دستیاب ہو سکیں۔

سوال ۱۵۔ اب تورات کس کا نام ہے؟

جواب۔ دراصل اب تورات ان منتشر اجزاء کا نام ہے جو سیرت موسیٰ کے اندر بکھرے ہوئے ہیں۔

سوال ۱۶۔ کیا ہم آپ ان اجزاء کو کسی علامت سے پہچان سکتے ہیں؟

جواب۔ ہم انہیں صرف اس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ اس تاریخی بیان کے دوران جہاں کہیں سیرت موسیٰ کا مصنف کہتا ہے کہ خدا نے موسیٰ سے یہ فرمایا موسیٰ نے کہا کہ خداوند تمہارا خدا یہ کہتا ہے وہاں سے تورات کا ایک جز شروع ہوتا ہے اور جہاں پھر سیرت کی تقریر شروع ہو جاتی ہے وہاں وہ جز ختم ہو جاتا ہے۔

سوال ۱۷۔ عام آدمی کے لئے تورات کے اس حصہ کو تفسیر کرنا آسان ہے یا مشکل؟

جواب۔ نفع میں جہاں کہیں کوئی چیز بائبل کے مصنف نے تفسیر و تشریح کے طور پر بڑھادی

جواب۔ دراصل تورات سے مراد وہ احکام ہیں جو حضرت موسیٰ کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً ۴۰ سال کے دوران میں ان پر نازل ہوئے ان میں سے دس احکام تو وہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کے لوحوں پر کندہ کر کے انہیں دیے تھے باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰ نے لکھوا کر اس کی ۱۲ انگلیں بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں کو دے دی تھیں۔ اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالے کی تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں اسی کتاب کا نام توراہ تھا۔

سوال ۱۵۔ وہ تورات ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے کب تک محفوظ تھی؟ ۱۶۔ اور کہاں رکھی تھی؟ ۱۷۔ اور بنی اسرائیل اس کو کس نام سے جانتے تھے؟

جواب۔ یہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المقدس کی پہلی تباہی تک محفوظ تھی اس کی ایک کاپی جو بنی لاوی کے حوالے کی گئی تھی اور بنی اسرائیل اس کو تورات ہی کے نام سے جانتے تھے۔

سوال ۱۸۔ اس تورات سے بنی اسرائیل کی غفلت کس حد تک پہنچ چکی تھی؟

جواب۔ اس سے ان کی غفلت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ یہودیہ کے بادشاہ یوساہ کے عہد میں جب ہیکل سلیمانی کی مرمت ہوئی تو اتفاق سے سردار کا بن (یعنی ہیکل کے سجادہ نشین اور قوم کے سب سے بڑے مذہبی پیشواہ خلقیہ کو ایک جگہ تورات رکھی ہوئی مل گئی اور اس نے ایک مجموعے کی طرح اسے شاہی منشی کو دیا اور شاہی منشی نے اسے لے جا کر بادشاہ کے سامنے اس طرح پیش کیا جیسے ایک عجیب انکشاف ہوا ہے۔

سوال ۱۹۔ ان سوالات کے جوابات میں آپ نے جو کچھ تفہیم القرآن میں ارشاد فرمائے ہیں ان کا ماخذ کیا ہے؟ یعنی کس کتاب کی بنیاد پر آپ نے یہ جوابات دیے ہیں؟

جواب۔ (ملاحظہ ہو سلاطین باب آیت ۱۳ تا ۱۸) تارنم کرام غور فرمائیے کہ تفہیم القرآن کا ماخذ کیا ہے؟

سوال ۱۰۔ بنی اسرائیل نے تورات کے اصل نسخے ہمیشہ کے لئے کب گم گئے؟

جواب۔ جب بخت نصر نے یروشلم فتح کیا اور ہیکل سمیت شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تو بنی اسرائیل نے تورات کے وہ اصل نسخے جو ان کے یہاں طاق لیاں پر رکھے ہوئے

ہے وہاں ایک عام آدمی کے لئے یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہے کہ آیا یہ اصل توراۃ کا حصہ ہے یا شرح و تفسیر؟

سوال ۱۸۔ لیکن خاص طور پر آپ کی طرح جو لوگ کتب آسمانی میں بصیرت رکھتے ہیں وہ اگر توراۃ کے ملحق حصہ کو الگ کرنا چاہیں تو کیا وہ کر سکتے ہیں؟

جواب۔ تاہم جو لوگ کتب آسمانی میں بصیرت رکھتے ہیں وہ ایک حد تک صحت کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں کہ ان اجزاء میں کہاں کہاں تفسیری و تشریحی اضافے ملحق کر دئے گئے ہیں۔ (قارئین کرام! ان دو سوالوں (۱۷-۱۸) پر اور ان کے جوابات پر غور کر کے فیصلہ کیجئے پھر جناب مودودی صاحب کا تفہیم القرآن میں بار بار بائبل ملاحظہ کرنے کی دعوت دینا اور قرآن پاک سے مقابلہ و موازنہ کرنا کیسے درست ہے جب کہ آپ ہی کے اعتراف تحریر کے مطابق عام آدمی کے لئے اصل توراۃ کے حصہ میں اور اس کی شرح و تفسیر میں تمیز کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ سخت مشکل ہے)

سوال ۱۹۔ قرآن توراۃ کس کو کہتا ہے اور کس بات کی تصدیق کرتا ہے؟

جواب۔ قرآن انہیں منتشر اجزاء کو توراۃ کہتا ہے اور انہیں کی وہ تصدیق کرتا ہے

سوال ۲۰۔ قرآن پاک اور موجودہ توراۃ کے ان منتشر اجزاء کے درمیان آپ کی کیا رائے ہے کہ آج ان دونوں کتابوں میں اصولاً کوئی فرق ہے یا نہیں؟ ۲۱۔ آنجناب مودودی صاحب نے دونوں کو پڑھ کر کیا محسوس کیا ہے؟ ۲۲۔ نیز جو کچھ آپ نے محسوس کیا ہے کیا وہ ایک عام ناظر بھی محسوس کر سکتا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اجزاء کو جمع کر کے جب قرآن سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو بجز اس کے بعض بعض مقامات پر جزوی احکام میں اختلاف ہے اصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان یک سر مو فرق نہیں پایا جاتا آج بھی ایک ناظر صریح طور پر محسوس کر سکتا ہے کہ یہ دونوں چشمے ایک ہی منبع سے نکلے ہوئے ہیں۔

سوال ۲۳۔ انجیل کس کا نام ہے؟

جواب۔ انجیل دراصل نام ہے ان الہامی خطبات کا اور اقوال کا جو مسیح علیہ السلام اپنی

زندگی کے آخری ڈھائی تین برس میں بحیثیت نبی ارشاد فرمائے۔

سوال ۲۴۔ وہ کلمات طیبات آپ کی زندگی میں لکھے اور مرتب کئے گئے تھے یا نہیں؟

جواب۔ اس کے متعلق ہمارے پاس کوئی ذریعہ معلومات نہیں ہے ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے انہیں نوٹ کر لیا ہو اور ممکن ہے کہ سننے والے معتقدین نے ان کو زبانی یاد کر رکھا ہو بہر حال ایک مدت کے بعد جب آنجناب کی سیرت پاک پر مختلف رسالے لکھے گئے تو ان میں تاریخی بیان کے ساتھ ساتھ وہ خطبات و ارشادات بھی جگہ جگہ حسب موقع درج کر دئے گئے جو ان رسالوں کے مصنفین زبانی روایات اور تحریری یادداشتوں کے ذریعہ سے پہونچے تھے۔

(قارئین کرام! تفہیم ج اول ص ۲۳۲ میں تو آپ نے انجیل کی ترتیب کے بارے میں پہلے ایک گول مول امکانی بات تحریر کی ہے اور بعد میں فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے وہ ارشادات و خطبات عیسائی مصنفین تک زبانی روایات اور تحریری یادداشتوں کے ذریعہ سے پہونچے تھے۔ لیکن بالکل اس کے برخلاف آپ نے تفہیم ج ۵ سورۃ کہف حاشیہ ۸ ص ۴۶ پر صاف صاف تحریر کی ہے یہاں نوٹ کرنے اور سننے کی امکانی بات نہیں ہے۔ جیسا کہ تفہیم ج اول ص ۲۳۲ میں ہے۔

”بائبل میں جو چار انجیلیں قانونی اور معتبر قرار دے کر شامل کی گئی ہیں ان میں سے کسی کا لکھنے والا بھی حضرت عیسیٰ کا صحابی نہ تھا اور ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا ہے کہ اس نے آنحضرت کے صحابیوں سے حاصل کردہ معلومات اپنی انجیل میں درج کی ہیں جن ذرائع سے ان لوگوں نے معلومات حاصل کی ہیں ان کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا ہے جس سے یہ پتہ چل سکے کہ راوی نے آیا وہ خود واقعات دیکھے اور وہ اقوال سنے ہیں جنہیں وہ بیان کر رہا ہے یا ایک یا چند واسطوں سے یہ باتیں اسے پہونچی ہیں“

پھر آگے کے صفحات میں آپ نے انجیل برتاباس کی غیر معمولی تعریف نہ جانے کس پس منظر میں کی ہے)

لیکن اب بتلایا جائے کہ ان دونوں تحریروں میں آپ کی پہلی امکانی تحریر تفہیم ج اول ص ۲۳۲ والی کو صحیح مانی جائے؟ یا بعد کی اس فی واصولی صاف صاف تحریر ج ۵ ص ۳۶۷ والی کو صحیح تسلیم کیا جائے؟ کیونکہ ان دونوں تحریروں میں تصادم و تعارض (تکراؤ) ہے۔ واذ اتعاضا تساقطا لہذا دونوں ہی ساقط ہیں)

سوال ۲۵۔ متی مرقس لوقا اور یوحنا کو انجیل کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اور ہمارے پاس اس انجیل کو پہچاننے کا کوئی ذریعہ ہو تو وہ بھی ارشاد فرمایا جائے؟

جواب۔ آج متی مرقس لوقا اور یوحنا کی جن کتابوں کو انجیل کہا جاتا ہے دراصل انجیل وہ نہیں ہے بلکہ انجیل حضرت مسیح کے وہ ارشادات ہیں جو ان کے اندر درج ہیں ہمارے پاس ان کو پہچاننے اور مصنفین سیرت کے اپنے کلام سے ان کو تمیز کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں بلکہ جہاں سیرت کا مصنف کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا لوگوں کو یہ تعلیم دی صرف وہی مقامات اصل انجیل کے اجزاء ہیں قرآن انہیں اجزاء کے مجموعہ کو انجیل کہتا ہے اور انہیں کی وہ تصدیق کرتا ہے۔

سوال ۲۶۔ تو آج ان کھڑے ہوئے اجزاء انجیل اور قرآن میں آپ کے نزدیک زیادہ فرق ہے یا بہت ہی کم؟ ایک عام شخص اس کے متعلق کیا کرے؟ آغجاب والا مودودی صاحب کے اس بارے میں کیا احساسات و تاثرات ہیں؟ ان دونوں کتابوں کے فرق کو باسانی حل کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب۔ آج کوئی شخص ان کھڑے ہوئے اجزاء کو مرتب کر کے قرآن سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھے تو وہ دونوں میں بہت ہی کم فرق پائے گا اور جو تھوڑا بہت فرق محسوس ہو گا وہ بھی غیر متعصبانہ غور و تامل کے بعد باسانی حل کیا جاسکے گا۔

قارئین کرام! ہم نے جناب مولانا مودودی صاحب کے وصال کے بعد ان کی کتاب تفہیم القرآن کی زندہ جاوید تحریرات سے جو انٹرویو لیا ہے اب ہمارے اس انٹرویو کو آپ کی اصل عبارت میں بھی بالترتیب تسلسل کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ الحمد للہ و بفضلہ ہم نے کوئی بھی کتر بیونت کر کے علمی خیانت کا ارتکاب نہیں کیا ہے بلکہ سن و عن آپ کی مکمل عبارات پوری کی پوری نقل کی ہیں۔

اس انٹرویو کی بالترتیب جملہ عبارات تسلسل کے ساتھ

تفہیم میں یوں ہیں

عبارت نمبر ۱

آل عمران ۳

۲۳۶

تفہیم القرآن ۱

”عام طور پر لوگ تو رات سے مراد بائبل کے پرانے عہد نامے کی ابتدائی پانچ کتابیں اور انجیل سے مراد نئے عہد نامے کی چار مشہور انجیلیں لے لیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے یہ الجھن پیش آتی ہے کہ کیسی الواح یہ کتابیں کلام الہی ہیں؟ اور کیا واقعی قرآن ان سب باتوں کی تصدیق کرتا ہے جو ان میں درج ہیں؟ لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ تورات بائبل کی پہلی پانچ کتابوں کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ان کے اندر مندرج ہے اور انجیل سے عہد نامہ کی انجیل اربعہ کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ان کے اندر پائی جاتی ہے۔

دراصل تورات سے مراد وہ احکام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً ۴۰ سال کے دوران میں ان پر نازل ہوئے ان میں سے دس احکام تو وہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کر کے انہیں دیے تھے باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰ نے لکھوا کر اس کی ۱۲ نقلیں بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں کو دے دی تھیں اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالے کی گئی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں۔ اسی کتاب کا نام ”تورات“ تھا ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المقدس کی پہلی چابی کے وقت تک محفوظ تھی۔ اس کی ایک کاپی جو بنی لاوی کے حوالے کی گئی تھی پتھر کی لوحوں سمیت عہد کے صندوق میں رکھ دی گئی تھی اور بنی اسرائیل اس کو تورات ہی کے نام سے جانتے تھے۔ لیکن اس سے ان کی غفلت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ یہودیہ کے بادشاہ یوساہ کے عہدہ میں جب ہیکل سلیمانی کی مرمت ہوئی تو اتفاق سے سردار کاہن (یعنی ہیکل کے سجادہ نشین اور قوم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا و خلیفہ) کو ایک جگہ تورات رکھی ہوئی مل گئی اور اس نے ایک عجوبے کی طرح اسے شای نشی کو دیا اور شای نشی نے اسے لے جا کر بادشاہ کے سامنے اس طرح پیش کیا جیسے ایک عجیب انکشاف ہوا ہے۔ (ملاحظہ ہو ۲

سلاطین باب ۲۲۔ آیت ۱۳ تا ۱۸)



## (عبارت نمبر ۲)

تفہیم القرآن ۱

۲۳۲

آل عمران

یہی وجہ ہے کہ جب بخت نصر نے یروشلم فتح کیا اور ہیکل سمیت شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تو بنی اسرائیل نے تورات کے وہ اصل نسخے جو ان کے ہاں طاق نسیاں پر رکھے ہوئے تھے اور بہت ہی تھوڑی تعداد میں تھے ہمیشہ کے لئے گم کر دئے پھر جب عزرا کا ہن (عزیر) کے زمانے میں بنی اسرائیل کے بچے کچھ لوگ بائبل کی اسیری سے واپس یروشلم آئے اور دوبارہ بیت المقدس تعمیر ہوا تو عزرا نے اپنی قوم کے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مرتب کی جو اب بائبل کی پہلی ۷۱ کتابوں پر مشتمل ہے۔ اس تاریخ کے چار باب یعنی خروج اجارہ گنتی اور اشتہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر مشتمل ہیں اور اس سیرت ہی میں تاریخ نزول کی ترتیب کے مطابق تورات کی وہ آیات بھی حسب موقع درج کر دی گئی ہیں جو عزرا اور ان کے مددگار بزرگوں کو دستاب ہو گئیں۔ پس دراصل اب تورات ان منتشر اجزاء کا نام ہے جو سیرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم انہیں صرف اس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ اس تاریخی بیان کے دوران میں جہاں کہیں سیرت موسیٰ کا مصنف کہتا ہے کہ خدا نے موسیٰ سے یہ فرمایا یا موسیٰ نے کہا کہ خداوند تمہارا خدا یہ کہتا ہے وہاں سے تورات کا ایک جز شروع ہوتا ہے اور جہاں پھر سیرت کی تقریر شروع ہوجاتی ہے وہاں وہ جز ختم ہوجاتا ہے۔ سچ میں جہاں کہیں کوئی چیز بائبل کے مصنف نے تفسیر و تشریح کے طور پر بڑھادی ہے وہاں ایک عام آدمی کے لئے یہ تمیز کرنا سخت مشکل ہے کہ آیا یہ اصل توراۃ کا حصہ ہے یا شرح و تفسیر۔ تاہم جو لوگ کتب آسمانی میں بصیرت رکھتے ہیں وہ ایک حد تک محنت کے ساتھ یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ان اجزاء میں کہاں کہاں تفسیری و تشریحی اضافے ملحق کر دئے گئے ہیں۔

قرآن انہیں منتشر اجزاء کو تورات کہتا ہے اور انہیں کی وہ تصدیق کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان اجزاء کو جمع کر کے جب قرآن سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو بجز اس کے کہ بعض بعض مقامات پر جزوی احکام میں

اختلاف ہے اصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان یک سرسوفرق نہیں پایا جاتا۔ آج بھی ایک ناظر صریح طور پر محسوس کر سکتا ہے کہ یہ دونوں جیسے ایک ہی منبع سے نکلے ہوئے ہیں۔

اسی طرح انجیل دراصل نام ہے ان الہامی خطبات اور اقوال کا جو سک علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری ڈھائی تین برس میں بحیثیت نبی ارشاد فرمائے۔ وہ کلمات طیبات آپ کی زندگی میں لکھے اور مرتب کئے گئے تھے یا نہیں اس کے متعلق اب ہمارے پاس کوئی ذریعہ معلومات نہیں ہے۔ ممکن ہے بعض لوگوں نے انجیل نوٹ کر لیا ہو اور ممکن ہے کہ سننے والے معتقدین نے ان کو زبانی یاد کر رکھا ہو بہر حال ایک مدت کے بعد جب آنجناب کی سیرت پاک پر مختلف رسائل لکھے گئے تو ان میں تاریخی بیان کے ساتھ ساتھ وہ خطبات اور ارشادات بھی جگہ جگہ حسب موقع درج کر دئے گئے جو ان رسالوں کے مصنفین تک زبانی روایات اور تحریری یادداشتوں کے ذریعے سے پہنچے تھے۔ آج حتیٰ مرفس لوقا اور یوحنا کی جن کتابوں کو انجیل کہا جاتا ہے دراصل انجیل وہ نہیں ہیں بلکہ انجیل حضرت مسیح کے وہ ارشادات ہیں جو ان کے اندر درج ہیں ہمارے پاس ان کو پہچاننے اور مصنفین سیرت کے اپنے کلام سے ان کو تمیز کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ جہاں سیرت کا مصنف کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا لوگوں کو یہ تعلیم دی صرف وہی مقامات اصل انجیل کے اجزاء ہیں انہیں اجزاء کے مجموعے کو انجیل کہتا ہے اور انہیں کی وہ تصدیق کرتا ہے۔ آج کوئی شخص ان بکھرے ہوئے اجزاء کو مرتب کر کے قرآن سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھے تو وہ دونوں میں بہت ہی کم فرق پائے گا اور جو تھوڑا بہت فرق محسوس ہوگا وہ بھی غیر حتمی و غور و تامل کے بعد آسانی کیا جاسکے گا۔

اب مسئلہ غور طلب یہ ہے کہ کتب آسمانی کے متعلق آپ کی یہ بصیرت و فراست جملہ مسلمانوں کے اور تمام محدثین و مفسرین کے عقائد کے بالکل خلاف ہے اور آج تک کسی بھی مفسر قرآن نے اس طرح کی بصیرت سے بائبل کی بنیاد پر قرآن پاک کی تشریح و آراء و ترمیمانی نہیں کی ہے آپ کے اس نزاع اور انوکھے انداز تحریر سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ العیاذ باللہ قرآن پاک اور موجودہ بائبل محرفہ ایک ہی ہیں جیسا کہ آپ نے ایک اور جگہ صراحت کے ساتھ لکھا بھی ہے کہ:

”پس حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں  
مؤید ہیں۔ تردید کرنے والی نہیں تصدیق کرنے والی ہیں“  
اصل حقیقت: اس سے کچھ بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی الکتاب  
کے مختلف ایڈیشن ہیں“ (تفہیم ج اول ص ۶۷ حاشیہ ۷۸)

قارئین کرام! غور فرمائیے کہ آج کی اصطلاح و عرف میں ایڈیشن کس کو کہتے ہیں؟  
ایک مصنف جب کتاب مکمل کر لیتا ہے تو اس کے دیباچہ میں لکھ چکا ہوتا ہے ”قارئین کرام  
سے گزارش ہے کہ اس کتاب کی غلطیوں سے مجھے مطلع کریں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس  
کی اصلاح کر لی جائے“ کیا العیاذ باللہ قرآن پاک کی بھی یہی حیثیت ہے؟ اللہ تعالیٰ کی  
بھی یہی شان ہے کہ ثم العیاذ باللہ کہ اس نے ”الکتاب“ میں غلطی کی تو مودودی صاحب  
اور ان کی قائم کردہ جماعت سے فرما دیا کہ پچھلی کتابوں تو رات زبور انجیل و صحف وغیرہ میں  
جو میں نے غلطیاں کی ہیں یا مجھ کو ان غلطیوں سے بعد میں مطلع کیا گیا ہے ان تمام کی  
اصلاح اس آخری کتاب قرآن نامی لاسٹ ایڈیشن میں کر دی ہے؟ اب اس قرآن میں  
بھی اگر مودودی صاحب اور ان کی جماعت غلطیاں نکال کر مجھے سمجھ کرے تو دوبارہ  
نازل ہونے والی الکتاب کے اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح کر لوں گا؟ اور پھر ایک  
کتاب نازل کروں گا لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ قَاتِلْهُمْ اللّٰهُ اَنْتَیْ یُؤَفِّکُوْنَ۔ واضح  
رہے کہ ”وَ اَنْزَلْنَا بِیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ... الخ“ سورہ مائدہ حاشیہ ۷۸ میں (آپ  
نے لفظ الکتاب اللہ تعالیٰ نے کیوں استعمال فرمایا؟) اس راز کا آپ نے انکشاف فرمایا  
ہے جس کے نتیجہ میں قرآن پاک اور کتب مساوی کو آپ نے لفظ ایڈیشن سے تعبیر کیا ہے  
مگر پچھلی کتب مساویہ کی تحریف و تبدیل کے متعلق آپ نے کچھ نہیں فرمایا؟ کہ کیا وہ بھی  
قرآن پاک کی طرح محفوظ ہیں؟ اور نہ یہ فرمایا کہ قرآن تو رات کے کس حصہ کی کس قدر  
تصدیق کرتا ہے؟ اور نہ اس پر کلام کیا کہ یہودیوں نے کتب مساویہ میں سمجھ بوجھ کر دانش  
تحریف کیوں کی؟ اور پچھلی کتابوں میں زبردست اختلاف کس طرح ہوا ہے؟ اس لئے  
ہم تفہیم القرآن ہی کی دوسرے مواقع کی عبارات سے ان سب چیزوں کو بیان کریں گے  
انشاء اللہ۔

قارئین کرام! آپ کو اس حاشیہ سورہ مائدہ ۷۸ میں قرآن اور پچھلی کتابوں کی  
ایک تصویر دکھانے کے بجائے قرآن پاک کو اصل قرار دے کر موجودہ بائبل وغیرہ اور  
یہودی روایات کو قرآن کے ماتحت و تابع کرنا چاہئے۔ اور مذکورہ سوالات کی تشریحات  
کرنی چاہئے۔ جیسا کہ پ ۲۰ آیت ۷۶ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ”اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ  
بَقِیُّ عَلٰی نَبِیِّ اِسْرَآئِیْلَ اَکْثَرُ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ“ اس آیت پاک کی آزاد  
ترجمانی آپ نے یہ کی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ یہ قرآن بنی اسرائیل کو اکثر ان باتوں کی حقیقت بتاتا ہے جن  
میں وہ اختلاف رکھتے ہیں۔

دیکھئے اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو حاکم و فیصل ارشاد فرمایا  
ہے کہ یہی اصل ہے۔ پچھلی کتابوں کے متعلق جتنا قرآن نے فرمایا ہے وہی صحیح ہے اور  
پچھلی کتابیں اور اسرائیلیات قرآن کے تابع ہیں جیسا کہ خود مودودی صاحب نے بھی  
ایک جگہ تفہیم ج اول ص ۸۴ حاشیہ ۷۹ میں قرآن کو اصل مان کر بائبل وغیرہ کتب  
آسمانی کو اس کے تابع کیا ہے مگر افسوس و تعجب ہے کہ پوری تفہیم کے حواشی میں بائبل کو  
اصل مان کر ان سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن پاک کو ان کے تابع کر دیا ہے انا للہ  
بلکہ اسی حاشیہ ۷۹ میں اپنے ہی لکھے ہوئے مضمون سے آپ نے بھی محسوس کیا کہ اس سے  
مخاطب کے ذہن میں شدید اضطراب و بے چینی پیدا ہو جائے گی اس لئے وہ فوراً ہی اسی  
کے متصل حاشیہ ۸۰ میں اپنی ہی لکھی ہوئی سابقہ عبارت کے خلاف نیز واقعہ اور حقیقت  
کے بھی خلاف آپ کو مخاطب کا ذہن بنانا پڑا ہے کیونکہ آنجناب نے اپنی اسی غلط ذہنیت  
ورائے کی بنیاد پر پوری تفہیم میں بائبل کو مستند مانتے ہوئے ان سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔  
جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ حاشیہ ۷۹ میں آپ نے قرآن کو اصل مان کر بائبل پر  
پیش کرنے کی بات کہی جو محمود ہے۔ اور حاشیہ ۸۰ میں بائبل کو اصل مان کر قرآن پر پیش  
کرنے کے لئے سوال قائم کیا ہے جو مذموم و مردود ہے اور حاشیہ ۸۱ میں اس کے تفصیلی  
جوابات دئے ہیں۔ یعنی حاشیہ ۸۷ کی اپنی بات (قرآن اور بائبل وغیرہ یہ سب ایک ہی

”الکتاب“ کے مختلف ایڈیشن ہیں) کو مدلل و مبہن کرنے کی کوشش کی ہے مگر بات بنائے نہیں بنتی بلکہ یہ اشکال اور مؤکد ہو جاتا ہے کہ تفہیم القرآن میں بائبل کی حقانیت تسلیم کرانے کی کوشش کیوں کی گئی ہے؟ اب راقم الحروف اپنے بیان کردہ اس اجمالی دعویٰ کی تصدیق و دلیل میں علی الترتیب آپ کی صحیح اور غلط دونوں قسم کی عبارات کو پیش کرتا ہے ملاحظہ کیجئے تفہیم ج اول ص ۸۷۸ حاشیہ ۷ کے آخر میں ہے:

”پس حقیقت صرف اتنی ہی نہیں کہ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں مؤید ہیں تردید کرنے والی نہیں تصدیق کرنے والی ہیں بلکہ اصل حقیقت اس سے بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ ایک ہی الکتاب کے مختلف ایڈیشن ہیں“

آپ کی اس عبارت پر تبصرہ ہو چکا ہے قارئین کرام سے گزارش ہے کہ پھر وہ بارہ اس تبصرہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ کہ جناب مودودی صاحب نے لفظ ایڈیشن استعمال کر کے بتلایا ہے کہ العیاذ باللہ نے ”الکتاب“ میں غلطی کی ہے اور یہ کہ قرآن کے اندر جو کچھ بھی ہے وہ پھر سے ایک دوسری کتاب میں نازل کر کے گا لیتے ہیں یہ ماننا پڑے گا کہ العیاذ باللہ قرآن کریم آخری کتاب مانع نہیں ہے۔ پھر ص ۸۷۸ ہی کے حاشیہ ۹ میں لفظ ”ممکن“ کے چہ معانی بیان کرتے ہوئے جناب نے تحریر کیا ہے:

”پس قرآن کو الکتاب پر ممکن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ان تمام برحق تعلیمات کی جو پچھلی کتب آسمانی میں دی گئی تھیں اپنے اندر لے کر محفوظ کر دیا ہے وہ ان پر نگہبان ہے اس معنی میں کہ اب ان کی تعلیمات برحق کا کوئی حصہ ضائع نہ ہونے پائے گا وہ ان کا مؤید ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کا کلام جس حد تک موجود ہے قرآن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ ان پر گواہ ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر کے کلام اور لوگوں کے کلام کی جو آمیزش ہو گئی ہے قرآن کی شہادت سے اس کو پھر چھاننا جاسکتا ہے جو کچھ ان میں قرآن کے مطابق ہے وہ خدا کا کلام ہے اور جو قرآن کے خلاف ہے وہ لوگوں کا کلام ہے۔“

حاشیہ ۹ کی یہ عبارات بالکل حق اور صحیح و درست ہیں ان ہی عبارات کی بنیاد پر ہمارے ۵ سوالات ہیں کہ کیا بائبل کی بھی یہی شان و صفات ہیں یعنی مودودی صاحب نے جو قرآن پاک کی صفات سے بیان کی ہیں بائبل بھی ان صفات سے کی حامل

ہے؟ کیا بائبل کی بھی تمام تعلیمات محفوظ ہیں؟ کیا بائبل کا کوئی حصہ نہ ضائع ہوا ہے؟ اور نہ ضائع ہوگا؟ کیا بائبل بھی قرآن کی تصدیق کرتا ہے یا مترجمین بائبل نے بھی بائبل کی تصدیق قرآن سے کی ہے؟ جس طرح مودودی صاحب نے قرآن کی تصدیق بائبل سے کی ہے؟ کیا جناب مودودی صاحب کی طرح بائبل کے آمیزش کو قرآن کی شہادت سے عامۃ الناس چھانٹ سکتے ہیں؟ چنانچہ مودودی صاحب کے ذہن میں بھی ان ہی سوالات نے الجھن پیدا کیا کیونکہ آپ نے بائبل کو قرآن کی ان صفات سے کا حال مانا ہے اسی وجہ سے پوری تفہیم میں قرآن ہی کی طرح بائبل پر اعتماد کیا ہے نعوذ باللہ اس لئے حاشیہ ۸ میں ان سوالات کی توضیح اپنے الفاظ میں اس طرح کی ہے تاکہ ان کے طریقہ کار اور مخصوص ذہنیت کی تائید ہو جائے۔ لکھتے ہیں کہ

”یہ (یعنی آیت پاک لَقَدْ جَعَلْنَا مِنْكُمْ فِرْعَوْنَ وَهَارُونَ) ایک جملہ معترضہ ہے جس سے مقصود ایک سوال کی توضیح کرنا ہے جو اوپر کے سلسلہ تقریر کو سنتے ہوئے قاطب کے ذہن میں الجھن پیدا کر سکتا ہے سوال یہ ہے کہ جب تمام انبیاء اور تمام کتابوں کا دین ایک ہے اور یہ سب ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے ہوئے آئے ہیں تو شریعت کی تفصیلات میں ان کے درمیان فرق کیوں ہے؟ کیا بات ہے کہ عبادت کی صورتوں میں حرام و حلال کی قیود میں اور قوانین تمدن و معاشرت کے فروغ میں مختلف انبیاء اور کتب آسمانی کی شریعتوں کے درمیان بہت اختلاف پایا جاتا ہے؟“

پھر حاشیہ ۸۱ میں آپ نے اس سوال کا تفصیلی جواب ۴ نمبرات قائم کر کے دیا ہے لکھتے ہیں ”یہ مذکورہ بالا سوال کا پورا جواب ہے اس جواب کی تفصیل یہ ہے (۱) محض اختلاف شرائع کو اس بات کی دلیل قرار دینا غلط ہے کہ شریعتیں مختلف ماخذ اور مختلف سرچشموں سے نکل ہوئی ہیں دراصل وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے مختلف قوموں کے لئے مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں ضابطے مقرر فرمائے۔ الخ۔“

اب سوال یہ ہے کہ تمام شرائع وادیان ساویہ کا سرچشمہ ایک ہی ذات اللہ تعالیٰ ہے تو اس سے اس طریقہ کار کا جواز نکالنا کہ قرآن کی تفصیلات ان ہی شرائع سابقہ وادیان منسوخہ و کتب محرفہ سے بیان کی جائیں کہاں صحیح ہے؟ شریعت اسلام میں یہ



استدلال اگر درست ہو اور مودودی صاحب کے علاوہ کسی اور نے کیا ہو تو اس کی نشاندہی کی جائے۔

خود مودودی صاحب ہی کی دوسری تحریرات سے بھی آپ کے اس طریقہ کار (یعنی بائبل سے استفادہ کر کے ان سے قرآن کی تشریحات و تفصیلات بیان کرنا) کی غلطی واضح ہو جاتی ہے کیونکہ بائبل وغیرہ اپنی اصلی حالت اور قابل اعتماد صورت میں موجود نہیں ہے۔

ملاحظہ کیجئے تفہیم ج ۳ ص ۳۹۳ حاشیہ ۲۵ میں تحریر کرتے ہیں کہ  
 ”ان دونوں کتابوں کو اگلی نسلوں نے ان کی اصلی حالت پر ان کی اصل عبارت اور زبان میں محفوظ رکھا کہ یہ پچھلی نسلوں تک نہیں پہنچایا ان میں خدا کے کلام کے ساتھ تفسیر و تاریخ اور سامی روایات اور فقہاء کے نکالے ہوئے جزئیات کی صورت میں انسانی کلام گنڈا کر دیا ان کے ترجموں کو اتنا رواج دیا کہ اصل غائب ہو گئی اور صرف ترجمے باقی رہ گئے ان کی تاریخی سند بھی اسی طرح ضائع کر دی کہ اب کوئی شخص بھی پورے یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ جو کتاب اس کے ہاتھ میں ہے وہ وہی ہے جو حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ کے ذریعہ سے دنیا والوں کو ملی تھی پھر ان کے اکابر نے وقتاً فوقتاً مذہب انسانیت فلسفہ قانون طبیعات نفسیات اور اجتماعیات کی ایسی بحثیں چھیڑیں اور ایسے نظام فکر بنا ڈالے جن کی بھول بھلیوں میں پھنس کر لوگوں کے لئے یہ طے کرنا محال ہو گیا کہ ان پیچیدہ راستوں کے درمیان حق کی سیدھی شاہراہ کون سی ہے اور چونکہ کتاب اللہ اپنی اصلی حالت اور قابل اعتماد صورت میں موجود نہ تھی اس لئے لوگ کسی ایسی سند کی طرف رجوع بھی نہ کر سکتے تھے جو حق کو باطل سے ممتاز کرنے میں ان کی مدد کرتی۔“

قارئین کرام! ان تمام ناقابل انکار حقائق کے اعتراف و اقرار کے باوجود پھر کس طرح سے بائبل پر اعتماد کرتے ہوئے آپ نے تفہیم قرآن کی ہے؟ یہ سوال بہر حال اٹل ہے کہ اتنی بڑی بھاری غلطی آپ نے کیوں کی؟ ایک جگہ آپ لکھتے ہیں ”ذیل میں ہم ان کتابوں کی متعلقہ عبارتیں نقل کرتے ہیں تاکہ قرآن کے اس بیان کی پوری تصدیق ہو جائے“ (تفہیم ج ۳ ص ۵۸۶)

”واللہ اعلم کہ جناب مودودی صاحب نے قرآن کی اصلیت سے اعراض کرتے ہوئے بائبل و انجیل وغیرہ کی عبارت سے کیوں تصدیق کی؟ پھر غور فرمائیے کہ اس آیت پاک میں اللہ نے تعالیٰ نے ان هذه التوراة والانجیل بقصص علی القرآن نہیں فرمایا کہ جس کی وجہ سے آپ بائبل وغیرہ کو اصل حاکم مان کر اس سے قرآن پاک کی تشریحات کرنے لگ جائیں اور ان کتب محرفہ سے قرآن کے بیان کی پوری تصدیق کرنے لگ جائیں بلکہ اِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَقْصُّ عَلَىٰ نَبِيِّ اِسْرَآئِیْلَ فَرَمَیَا ہے یہاں لفظ علی نے قرآن پاک کی اعلیٰیت اور بائبل کی مغلوبیت کو اور زیادہ واضح فرما دیا کہ قرآن پاک سب سے اوپر اور جملہ کتب آسمانی اس کے نیچے ماتحت میں ہیں۔ لیکن جناب مودودی صاحب نے ان بنیادی و اصولی باتوں سے بالکل شعوری طور پر اعراض کرتے ہوئے معلوم نہیں کس پس منظر میں ان کتب محرفہ کو قرآن کے مساوی قرار دے کر ان کے مطالعہ و ملاحظہ کی ترغیب عوام الناس کو دی ہے؟ اور کس طرح ان کتابوں پر اعتماد کر کے ان سے استدلال کیا ہے؟ اور کیوں ان کتب محرفہ کی غیر معمولی تعریف بیان کی ہے؟ (ملاحظہ کیجئے آئندہ صفحات میں)



## چھٹا باب

تفہیم القرآن میں اعتراف تحریف بائبل

ایک فیصلہ کن انتہائی

اہم سوال

کہ تفہیم میں اجتماعِ ضدین کیوں؟

یعنی

بائبل کو محرف و مبدل تسلیم کرنے کے باوجود

اسی سے قرآن پاک کی

۱۔ تشریح ۲۔ تفسیر ۳۔ تفصیل ۴۔ وتائید

کیوں؟

## ایک فیصلہ کن انتہائی اہم سوال

قارئین کرام کو ہم نے آئندہ کے صفحات میں جناب مولانا سید مودودی کی وہ تحریرات و عبارات دکھائی ہیں جن میں آپ نے بائبل کی تمام کتابوں کے محرف و مبدل ہونے کا صاف الفاظ میں اعتراف و اقرار کیا ہے اور واضح طور سے تسلیم کیا ہے کہ ان کتابوں میں اتنی خرابیاں موجود ہیں اور علماء یہود میں کیا کیا عیوب و نقائص ہیں؟ اور انہوں نے بائبل میں کیا کیا گھل کھلائے ہیں؟ اس لئے بہر حال آپ کے اعتراف ہی کی بنیاد پر یہ ایک فیصلہ کن اور نہایت ہی اہم سوال ہے کہ قرآن پاک کو سمجھانے کے لئے ان ہی یہودیوں کی تحریف کردہ کتابوں کو حوالے میں پیش کرنا کہاں تک اور کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ یہ تضاد اور تعارض نہیں تو اور کیا ہے؟

آنجناب کے اس طریقہ تفسیر اصول تفہیم سے آپ کے متعلق کیا سمجھا جائے؟ کیونکہ یہ کوشش جہاں ایک طرف مضحکہ خیز ہے وہیں دوسری جانب انتہائی افسوس ناک بھی ہے کہ بجائے اس کے قرآن مجید جیسی محکم اور محفوظ کتاب و مستند دستاویز کو بائبل کی کتب محرفہ پر آنجناب پیش کر کے ان کی اختلافی اصلیت کو جانتے جیسا کہ اِنْ هَذَا الْقُرْآنُ بِقُصْ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ

(پ ۱۲۰ اہل آیت ۷۶)

ترجمہ: بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل پر اکثر ان باتوں کو ظاہر کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں (بیان القرآن)

لیکن جناب سید مودودی صاحب نے اُلٹے بائبل کی کتابوں جیسی مشتبہ غیر محفوظ بے سند تحریرات کی روشنی میں قرآن مجید کے اصلی بیانات کو جانچنا اور پرکھنا چاہا ہے جو اس آیت مذکورہ کے خلاف ہے۔ پھر کیا یہودی مترجمین و مفسرین بائبل نے بھی بائبل کو سمجھانے کے لئے قرآن پاک سے تفہیم بائبل کی کوشش کی ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں تو آنجناب نے قرآن پاک کی تفہیم بائبل سے کیوں کی؟ حدیث میں ہے کہ جیسا کہ بائبل

میں گزر چکا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الاعتصام اور کتاب الرد علی الجہمیہ میں مستقل الگ الگ سندوں سے روایت کی ہے "لا والله ما رأینا منهم رجلاً یسألکم عن الذی انزل علیکم فانتم بالطریق الارلی ان لاتسئلوهم"

(اعلمارالحق ج اول)  
نہیں خدا کی قسم ہم نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ تم پر نازل ہوئے والے کلام کے بارے میں سوال کرتا ہو پھر تمہیں تو بطریق اولیٰ ان سے سوال نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے ہم نے تفہیم القرآن سے بڑی محنت کر کے صفحہ سورہ جلد اور حواشی کے مضبوط حوالوں کے ساتھ آپ کے "اعتراف تحریف بائبل" کو بھی آئندہ صفحات میں نقل کیا ہے تاکہ قارئین کرام انہیں دیکھ کر جناب سید مودودی صاحب کی امانت و دیانت اصول و ضابطہ تقویٰ و طہارت اور دعویٰ اسلام کی تضاد بیانی کے بارے میں خود فیصلہ کریں کہ ان کے دعویٰ اور دلیل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اور کلام اللہ قرآن پاک کے متعلق انہوں نے بائبل سے کیوں استدلال کیا جس کی ممانعت حدیث شریف میں موجود ہے۔

جناب کا دعویٰ ہے قرآن پاک کی تفہیم کا اور دلیل میں اپنے اعتراف تحریف بائبل کے باوجود اسی تحریف بائبل ہی سے تفسیر کر رہے ہیں فیما عجاہ و یا حسرتاہ یعنی اوپر سے نام قرآن کی تفہیم کا اور اندر میں بائبل کی تفہیم؟ سبحان اللہ اس لئے یہ ایک بنیادی سوال ہے کہ ایک طرف آنجناب تحریف بائبل کا مختلف مقامات پر علیحدہ علیحدہ اعتراف بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دوسری جانب عام متوسط درجہ کے لوگوں کو بالکل ہی اس کے خلاف ترغیب بھی دیتے ہیں کیوں؟

"بائبل کے مختلف اجزاء کو مرتب کر سکتے ہیں پھر ان کا مقابلہ بھی کر سکتے ہیں پھر غیر متعصبانہ غور و تامل کے بعد حل بھی کر سکتے ہیں" کیونکہ آپ کے نزدیک بائبل اور قرآن میں بہت معمولی فرق ہے۔ اسی لئے آنجناب نے تحریر کیا ہے کہ

"ایک حد تک صحت کے ساتھ معلوم کر سکتے ہیں کہ ان اجزاء میں کہاں کہاں تفسیری و تشریحی اضافے کئے گئے ہیں۔"

(تفہیم ج اول ص ۳۳۳ آل عمران)

قرآن پاک کی صفت "مہیمن" کے ۶ معانی بیان کرتے ہوئے آخر میں تحریر

کرتے ہیں

"وہ ان پر گواہ ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کے کلام کی جو آمیزش ہوئی ہے قرآن کی شہادت سے اس کو پھر چھانٹا جاسکتا ہے جو کچھ ان میں قرآن کے مطابق ہے وہ خدا کا کلام ہے اور جو قرآن کے خلاف ہے وہ لوگوں کا کلام"

(تفہیم ج ۱ ص ۸۷ حاشیہ ۹)

سوال یہ ہے کہ مودودی صاحب تو چھانٹ سکتے تھے مگر کیا اوسط درجہ کے لوگ بھی کتب سادہ کی آمیزش کو چھانٹ لیں گے؟ یا چھانٹ سکتے ہیں؟  
قارئین کرام! جناب کا یہ طریقہ استدلال و طریقہ تفسیر جمہور مسلمین کے خلاف ہے۔





## نمبر شمار اعتراض تحریف بائبل صفحات سورہ جلد حاشیہ

۱	قوم یہود پر خدا کی لعنت و پیکار	۸۲	بقرہ	۱	۷۹
۲	حیرت ہے کہ بائبل میں حضرت یعقوب کی وصیت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔	۱۱۳	بقرہ	۱	۱۳۳
۳	قرآن مجید میں ایک مقام پر سرداران بنی اسرائیل کی خدمت نہ کرنے کی وجہ اور بنی اسرائیل کی بزدلی، نفسانیت اخلاقی انضباط کی کمی۔	۱۸۷	بقرہ	۱	۲۶۸
۴	بنی اسرائیل کی یہودی وید اخلاقی	۲۵۱	المائدہ	۱	۳۱
۵	یہودی خدا کی سزا کو نافذ کرنا نہیں چاہتے تھے۔	۳۷۳	المائدہ	۱	۷۰
۶	بائبل کے مجموعہ کتب مقدسہ کی عبارات یہودی اور عیسائی مصنفین نے بطور خود کو لکھی ہیں	۳۸۸	المائدہ	۱	۹۷
۸	بائبل میں مترجموں اور تاجروں اور شارحوں کی درآمدی اور زبانی راویوں کی غلطی	۳۸۹	المائدہ	۱	۹۷
۹	کیا چیز بنی اسرائیل کی بگاڑ کی موجب ہوئی۔	۳۹۷	المائدہ	۱	۱۰۲
۱۰	توراة میں احکام کا اضافہ زبور میں کیا گیا۔	۵۹۳	الانعام	۱	۱۲۲
۱۱	مجاہد اللہ باغی یہودیوں پر بناؤنی شاعروں اور جعلی قانون سازوں کو مسلط کیا گیا۔	۵۹۵	الانعام	۱	۱۲۲
۱۲	مصر میں داخلہ کے وقت بنی اسرائیل کی تعداد کتنی تھی؟	۳۳۰	یوسف	۲	۶۸
۱۳	اسرائیلی روایات کی بناء پر عام خیال	۳۳۱	حور	۲	۳۶

## نمبر شمار اعتراض تحریف بائبل صفحات سورہ جلد حاشیہ

۱۴	عالمین کا اعتراض کہ خدا کی کتاب میں تحریف کیسے ہو سکتی ہے؟	۳۶۵	الرعد	۲	۵۸
۱۵	اسرائیلی روایات نقل و نقل ہوتی ہوئی مفسرین سے تفہیم القرآن تک	۳۳۳	یوسف	۲	۶۲
۱۶	تلمود کا بیان زندگی روح فطرت اخلاقیات سے بالکل خالی ہے۔	۳۹۷	یوسف	۲	۲۶
۱۷	تلمود اور بائبل کا بیان حضرت یعقوب کی خبر انہی سے مناسبت نہیں رکھتا ہے۔	۳۸۵	یوسف	۲	۷
۱۸	اسرائیلی روایات نے غلط فہمی پھیلا دی ہے	۳۳۰	حور	۲	۳۳
۱۹	حضرت سلیمان کے بعد توراة دنیا سے گم ہو گئی تھی۔	۱۸۹	التوبہ	۲	۲۹
۲۰	اللہ تعالیٰ کے احسانات کا جواب بنی اسرائیل کیسی کسی بحرمانہ بے باکیوں کے ساتھ دیتے رہے۔	۸۹	الاعراف	۲	۱۲۰
۲۱	قرآن کے واقعہ کا اشارہ یہودیوں کی کتب مقدسہ میں مذکور نہیں	۸۹	الاعراف	۲	۱۲۲
۲۲	بنی اسرائیل کی حرکتیں اور بعض انبیاء کرام کی تشبیہ	۸۰	الاعراف	۲	۱۰۷
۲۳	یہودیوں کا حضرت ہارون پر ایک بڑا الزام	۸۱	الاعراف	۲	۱۰۸
۲۴	بنی اسرائیل کی اخلاقی تاریخ پر غور	۸۰	الاعراف	۲	۱۰۸
۲۵	بائبل یہودیوں کی تحریف کردہ ہے	۵۱	الاعراف	۲	۶۳
۲۶	بنی اسرائیل کی روایات قرآن کے خلاف	۵۶۳	انعام	۳	۲۳
۲۷	اسرائیلی روایات مفسرین سے منتقل ہو کر تفہیم القرآن میں	۹۲	طہ	۳	۱۵

## نمبر شمار اعتراض تحریف بائبل صفحات سورہ جلد حاشیہ

۲۸	تلمود کی ہر روایت لازماً صحیح قرار نہیں دی جاسکتی ہے۔	۳۵	الکصف ۳	۵۷
۲۹	تلمود کے قصے بے سرو پا ہیں	۶۲۵	اقتصاص ۳	۶۱
۳۰	اصلی زبور کا وہ نسخہ نہیں موجود نہیں ہے	۱۹۱	الانبیاء ۳	۹۹
۳۱	سفر الیوب کے مضامین میں تضاد ہے	۱۷۸	الانبیاء ۳	۷۶
۳۲	تلمود کا بیان بکثرت بے جوڑ اور خلاف قیاس باتوں بھرا ہوا ہے	۱۷۱	الانبیاء ۳	۶۶
۳۳	بائبل کی روایت صریح لغو اور مبہمل ہے	۱۶۸	الانبیاء ۳	۶۰
۳۴	بائبل کی اندرونی شہادت خود اس کے سابق بیان کی تردید کرتی ہے۔	۱۱۸	طہ ۳	۶۹
۳۵	بنی اسرائیل کی روایت مفسرین سے تقسیم القرآن میں	۱۱۶	طہ ۳	۹۷
۳۶	بائبل اپنی غلط بیانی کا راز کس طرح فاش کر رہی ہے۔			
۳۷	بنی اسرائیل نے اپنی ایک تاریخی واقعہ فراموش کر دیا۔	۳۰۴	المومن ۳	۴۱
۳۸	بائبل کی کتاب گپ اور حقیقت کا مجموعہ ہے۔	۵۳۲	الزخرف ۲	۴۳
۳۹	بائبل خالص کلام الہی پر مشتمل نہیں ہے	۵۳۲	الزخرف ۳	۴۳
۴۰	یہودیت اور عیسائیت دونوں بعد کی پیداوار ہیں اور راہ راست سے منحرف ہیں	۱۱۵	البقرہ ۱	۱۳۵
۴۱	یہودیوں کا سازشوں و سوسائٹیزوں کی جھنجھوٹ اور مکاریوں سے کام لینا	۷۱	البقرہ ۱	۵۶
۴۲	یہودی ظالموں کے فساد عقیدہ کا حال	۸۸	البقرہ ۱	۸۸

## نمبر شمار اعتراض تحریف بائبل صفحات سورہ جلد حاشیہ

۴۳	یہودیوں کی طرف سے شرارتیں اسلام کے خلاف	۱۰۰	البقرہ ۱	۱۰۷
۴۴	یہودی اور عیسائی تعلیم کے ایک حصے کو بھول گئے جو انہیں دی گئی تھی	۱۰۱	البقرہ ۱	۱۰۹
۴۵	یہودیوں کا اصل مذہب نسل پرستی کا تعصب اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ہے	۱۱۶	البقرہ ۱	۱۳۶
۴۶	علماء یہود کا سب سے بڑا قصور	۱۲۸	البقرہ ۱	۱۶۰
۴۷	قوم بنی اسرائیل دنیا پرستی، فحاشی اور ظلم و ستم کی مثالوں میں مبتلا۔	۱۶۱	البقرہ ۱	۲۲۹
۴۸	تعصب ضد اور دینی حق یہودیوں کی پرانی عادت تھی۔	۲۷۱	آل عمران ۱	۷۳
۴۹	علماء یہود کی قانونی سوچ گئی ہے	۲۷۲	آل عمران ۱	۷۵
۵۰	علماء یہود کے فقہی اعتراضات	۲۷۳	آل عمران ۱	۷۶
۵۱	جو حکم بائبل میں لکھا ہے وہ اصل توراۃ کا علم نہیں بلکہ یہودی علماء نے بعد میں اسے داخل کتاب کر دیا ہے۔	۲۷۳	آل عمران ۱	۷۷
۵۲	یہودیوں نے صدیوں کی سوچ گئیوں سے خدا کی شریعت پر ایک بھاری خول چڑھا دیکھا تھا	۳۳۴	النساء ۱	۴۹
۵۳	یہودیوں کا دستور	۳۳۵	النساء ۱	۴۹
۵۴	علماء اہل کتاب کی تمام دلچسپیاں	۳۵۶	النساء ۱	۷۱
۵۵	علماء یہود کی بہت دھرمی	۳۶۰	النساء ۱	۸۳
۵۶	بنی اسرائیل کی حاسدانہ باتوں کا جواب	۳۶۱	النساء ۱	۸۷
۵۷	یہودیوں کی اخلاقی و دینی حالت پر تبصرہ	۳۶۶	النساء ۱	۹۰
۵۸	اہل کتاب شرک میں مبتلا ہو گئے تھے	۳۵۸	النساء ۱	۷۹
۵۹	علماء یہود کا سارا وقت کہاں گزر رہا تھا	۳۵۹	النساء ۱	۸۰

۶۰	یہودیوں کے اشارہ پر کفار مکہ کا سوال	۲۸۳	النساء	۱	۳
۶۱	موجودہ توراۃ اول تو پوری نہیں ہے اور جو کچھ ہے وہ خالص کلام الہی پر بھی مشتمل نہیں ہے	۲۳۹	التوبہ	۲	۱۰۷
۶۲	یہود کے علماء و مشائخ مدینہ کے ساتھ ساز باز	۱۵۲	الانفال	۲	۴۱
۶۳	بنی اسرائیل کی علاقہ خلاف ورزی	۹۰	الاعراف	۲	۱۲۳
۶۴	موجودہ توراۃ قرآنی تصور ہی سے خالی ہے	۲۳۸	التوبہ	۲	۱۰۷
۶۵	بائبل کی موافقت کرنے والے غلطی پر ہیں	۶۳	مریم	۳	۱۳
۶۶	توراۃ وائیکل دونوں کتابوں کی اصلی عبارات اور زبان محفوظ نہیں	۴۹۴	شوری	۳	۲۵
۶۷	بائبل کی تضاد بیانی صاف کھل گئی	۲۹۸	الصافات	۳	۶۷
۶۸	ائیکل میں کوئی مکمل ہدایت نامہ نہیں یعنی سبکی علماء کی بدعتیں طرح طرح سے	۱۲۶	الہدید	۵	۵۴
۶۹	موجودہ توراۃ محرف ہے	۶۳	الفتح	۵	۵۵
۷۰	یہودیوں پر خدا کی لعنت	۴۸۵	المائدہ	۱	۹۱
۷۱	یہودیوں کے جرائم کی ایک مختصر فہرست	۴۱۵	النساء	۱	۱۸۲
۷۲	یہودیوں کے خیالات و تقاضات	۴۱۶	النساء	۱	۱۸۷
۷۳	یہودیوں کی بد اعمالیوں پر ملامت	۴۱۷	النساء	۱	۱۹۰
۷۴	یہودیوں کا تازہ ترین جرم	۱۹۹	النساء	۱	۱۹۹
۷۵	یہودی انحراف و بغاوت کی روش پر قائم	۴۲۳	النساء	۱	۲۰۲
۷۶	یہودیوں کا جرم	۴۲۷	النساء	۱	۲۱۱
۷۷	یہودیوں نے خفیہ طور پر سازش کی تھی	۴۵۰	المائدہ	۱	۲۰
۷۸	یہودیوں کی سازش پر لطیف طریقہ سے ملامت	۵۲	المائدہ	۱	۵۲
۷۹	مقتیان و قاضیان یہود	۴۷۲	المائدہ	۱	۶۹

۸۰	مسیحیوں کی گمراہی	۳۹۶	المائدہ	۱	۱۰۱
۸۱	بائبل وغیرہ (کتب مقدسہ کے مجموعہ میں) ظلم و جہالت خود غرضی تنگ نظری فحش اور برائیوں کا انبار بھرا ہے	۵۶۳	الانعام	۱	۶۱
۸۲	علماء یہود کے اشارے پر کفار مکہ کے سوالات	۵۷۷	الانعام	۱	۸۶
۸۳	یہودی قوم کے نفسیات و صد ہائیں کی روایات	۲۸۳	الحشر	۵	۳
۸۴	یہودیوں نے توراۃ کو انسانی کلام کے اندر خلط ملط کر دیا تھا	۴۷	البقرہ	۱	
۸۵	بائبل میں یہودیوں کی اپنی تفسیریں اپنی قومی تاریخ اپنے ادیان و قیاسات اپنے خیالی فلسفے اپنے اجتہاد سے وضع کئے ہوئے نقشبندی قوانین ہیں۔	۸۹	البقرہ	۱	۹۰
۸۶	یہودیوں کی عام غلطی کا بیان	۸۹	البقرہ	۱	۹۱
۸۷	آج کی بائبل میں قرآن خداوندی کے قیمتی الفاظ سے خالی ہے۔	۴۶۵	المائدہ	۱	۵۳
۸۸	بائبل میں مبالغہ آمیز داستان رنگ آمیزی کے ساتھ ہے	۴۱۷	یوسف	۲	۵۲
۸۹	بائبل و تلمود وغیرہ قصوں کی غیر ضروری تفصیلات سے بھری پڑی ہیں	۴۲۳	یوسف	۲	۷۱
۹۰	بائبل کی یونانہ نالی جیغہ چنداں اعتماد کے قابل نہیں	۴۱۲	یونس	۲	۹۹



# ساتواں باب

## تفہیم القرآن میں بائبل کے حوالے کن کن آیات میں ہیں؟

نوٹ: تفہیم القرآن میں بائبل کے حوالوں کی یہ فہرست آیات میری تحقیق کے مطابق ہیں اس سے زائد کا انکار نہیں۔

- ۱- ثُمَّ يَنْشُرْكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (پ اسورہ بقرہ آیت ۵۶)
- ۲- وَارْزُلْنَا عَلَيْكُمْ التَّنْ وَالسَّلْوَی (پ اسورہ بقرہ آیت ۵۷)
- ۳- وَادْعُنَا اَدْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْیَةَ (پ اسورہ بقرہ آیت ۵۸)
- ۴- ثُمَّ عَقَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (پ اسورہ بقرہ آیت ۶۵)
- ۵- وَادْعُنَا اَدْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْیَةَ (پ اسورہ بقرہ آیت ۶۶)
- ۶- قَالَ اتَّبِعُوا الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ (پ اسورہ بقرہ آیت ۶۷)
- ۷- ذَلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوا یَكْفُرُونَ بِآیَاتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُونَ النَّبِیْنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ (پ اسورہ بقرہ آیت ۶۸)
- ۸- اس آیت پاک کی تفسیر میں بائبل سے چند واقعات نقل کئے ہیں
- ۹- وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اَعْتَدُوا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ (پ اسورہ بقرہ آیت ۶۹)
- ۱۰- وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (پ اسورہ بقرہ آیت ۷۰)
- ۱۱- فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُیْبَ عَلَیْكُمْ الْقِتَالُ اَلَّا تَقَاتِلُوا (پ اسورہ بقرہ آیت ۷۱)
- ۱۲- وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِیْکًا (پ اسورہ بقرہ آیت ۷۲)
- ۱۳- وَبَقِیَّةً مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسٰی وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِکَةُ (پ اسورہ بقرہ آیت ۷۳)
- ۱۴- وَقَتْلَ دَاوُدَ جَالُوتَ وَاتَّهَ اللّٰهُ الْمُلْکَ وَالْحِکْمَةَ (پ اسورہ بقرہ آیت ۷۴)
- ۱۵- فَبَیَّهَتِ الَّذِیْ کَفَرَ (پ اسورہ بقرہ آیت ۷۵)
- ۱۶- نَزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابُ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ يَدَیْهِ وَآتَزَلَ التَّوْرَةَ وَ الْاِنْجِیْلَ (پ اسورہ آل عمران آیت ۳)
- ۱۷- اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَآلَ اِبْرٰهیمَ وَآلَ عِمرٰنَ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ (پ اسورہ آل عمران آیت ۳۳)
- ۱۸- اِذْ قَالَتِ امْرَاةُ عِمرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ

- بَنَىٰ إِبْرَاهِيمَ أَيْمَنَ السَّمِيعِ الْعَلِيمِ (پ ٣ سورہ آل عمران آیت ٣٥)  
 ١٨ - إِنْ اللَّهَ يَشْرُكَ بِمَنْحَى  
 ١٩ - وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْ مِنَ التَّوْرَةِ وَلَا جِلَّ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي خُرِمَ عَلَيْكُمْ وَجَحْتِكُمْ بَآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا  
 ٢٠ - ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ (پ ٣ سورہ آل عمران آیت ٥٠)  
 ٢١ - فَلَمْ قَتَلْتُمُوهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (پ ٣ سورہ آل عمران آیت ٤٥)  
 ٢٢ - وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنَنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْفُرُونَهُ  
 ٢٣ - وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ بْنِ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ (پ ٣ سورہ آل عمران آیت ١٨٤)  
 ٢٤ - وَأَعْلَمِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ (پ ١ سورہ نساء آیت ١٦١)  
 ٢٥ - وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا (پ ١ سورہ نساء آیت ١٦٣)  
 ٢٦ - وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا (پ ١ سورہ نساء آیت ١٦٣)  
 ٢٧ - أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ  
 ٢٨ - مُسَخَّتَةٌ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ (پ ١ سورہ نساء آیت ١٤١)  
 ٢٩ - وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا (پ ١ سورہ مائدہ آیت ١٢)  
 ٣٠ - وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ (پ ١ سورہ مائدہ آیت ١٣)  
 ٣١ - قَالَ فَإِنَّهَا مُخْرَجَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ (پ ١ سورہ مائدہ آیت ٢٦)  
 ٣٢ - مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ  
 ٣٣ - فَإِنْ جَاءَ وَكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا (پ ١ سورہ مائدہ آیت ٣٢)  
 ٣٤ - وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمُ أَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ (پ ١ سورہ مائدہ آیت ٣٥)  
 ٣٥ - وَآتَيْنَهُ الْإِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ

- التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ (پ ١ سورہ مائدہ آیت ٣٦)  
 ٣٦ - وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ  
 ٣٧ - قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ (پ ١ سورہ مائدہ آیت ٦٨)  
 ٣٨ - قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (پ ١ سورہ مائدہ آیت ٤٤)  
 ٣٩ - كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ (پ ١ سورہ مائدہ آیت ٤٩)  
 ٤٠ - وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَعْيسَىٰ بْنِ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ  
 ٤١ - وَكَذَلِكَ نُرَىٰ إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِفِينَ (پ ١ سورہ انفصاف آیت ٤٥)  
 ٤٢ - ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِتَغْيِبِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ (پ ١ سورہ انفصاف آیت ١٣٦)  
 ٤٣ - قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ الْأَلْشُرَ كُلَّهَا بِهَا شَيْئًا (پ ١ سورہ مائدہ آیت ١٥١)  
 ٤٤ - لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ (پ ٨ سورہ اعراف آیت ٥٩)  
 ٤٥ - وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ (پ ٨ سورہ اعراف آیت ٨٠)  
 ٤٦ - الَّذِينَ كَذَبُوا شَعْبًا كَانُوا هُمْ الْخَيْرِينَ (پ ٩ سورہ اعراف آیت ٩٢)  
 ٤٧ - فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ (پ ٩ سورہ اعراف آیت ١٣٣)  
 ٤٨ - وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَآئِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ  
 ٤٩ - وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ (پ ٩ سورہ اعراف آیت ١٣٥)  
 ٥٠ - فَلَا تَشْعَبْ عَلَى الْأَعْدَاءِ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ (پ ٩ سورہ اعراف آیت ١٥٠)

۵۱۔ وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّيمِيقَاتِنَا

۵۲۔ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ

۵۳۔ وَقَطَعْنَاهُمْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا

۵۴۔ وَاسْمَلْنَاهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ

۵۵۔ وَقَطَعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا

۵۶۔ وَإِذْ أَخَذْنَاكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ

۵۷۔ وَعَدَا عَلَيْهِمْ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ

۵۸۔ فَمَا أَمَرْتُ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةَ مِنْ قَوْمِهِ عَلَى خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ

۵۹۔ وَمَلَأْنَاهُمْ أَنْ يَفْقَهُنَّهِنَّ

۶۰۔ وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعُدُوًّا

۶۱۔ قُلْنَا اخْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ

۶۲۔ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْحُودِيِّ وَقِيلَ لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ

۶۳۔ وَهَذَا نَعْلِي شَيْخًا

۶۴۔ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى يُخَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ

۶۵۔ تَارِكِي وَخِزْيَانِي حَالَاتِ

۶۶۔ تَقْرِيمِ ج ۲ مِثْلِ نَقْشِ قَصْدِ يَوْسُفَ

۶۷۔ تَقْرِيمِ الْقُرْآنِ

۶۸۔ إِنْ رَبُّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ

۶۹۔ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ

۷۰۔ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَاجْتَمَعُوا أَنْ يُعْجِلُوهُ فِي عُيُتِ الْحُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ

۷۱۔ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ

۷۲۔ أَوْ تُنْجِفْهُ وَلَنَا

۷۳۔ فَلَمَّا رَأَى قَبِيضَهُ قَدْ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ

۷۴۔ وَاعْتَدْتُ لَهُنَّ مَتَكًا وَأَنْتِ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ مِيسِرَةٌ

۷۵۔ وَدَخَلَ مَعَهُ السَّجَنَ فَتَيَانِ

۷۶۔ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ

۷۷۔ يَأْتِيهَا الْمَلَأَ أَفْتُونًا يُلِي رَأْيَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبِرُونَ

۷۸۔ أَنَا أَنْبِئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ

۷۹۔ وَقَالَ الْمَلِكُ اتَّبِعْنِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ

۸۰۔ فَسَلِّ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِيهِنَّ عَلِيمٌ

۸۱۔ قَالَتْ امْرَأَةُ الْعَزِيزِ لَنْزَنَ حَصْحَصَ الْحَقِّ أَنَا وَرَأُودَةُ عَنْ نَفْسِي

۸۲۔ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْكُمْ

۸۳۔ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَخَذْنَا مَكَانَهُ إِنَّا

۸۴۔ نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ

۸۵۔ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ

۸۶۔ تَفْقِدُونِ



- ۸۳۔ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَبُوهُ (پ ۱۳ سورہ یوسف آیت ۹۹)
- ۸۴۔ بائبل کے عربی اردو انگریزی تینوں اڈیشنوں کو سامنے رکھ کر مودودی صاحب نے تفہیم القرآن لکھا ہے ملاحظہ کیجئے۔ (تفہیم ج ۲ ص ۳۳۱-۳۳۲ ص ۳۳۳)
- ۸۵۔ وَرَفَعَ أَبُوهُ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا
- ۸۶۔ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (پ ۱۳ سورہ ابراہیم آیت ۷)
- ۸۷۔ وَلَا يَلْتَمِثْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ
- ۸۸۔ وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ (پ ۱۳ سورہ حجر آیت ۶۵)
- ۸۹۔ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ
- ۹۰۔ وَقَصَّيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا (پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت ۲)
- ۹۱۔ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا (پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت ۵)
- ۹۲۔ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْأَجْرِ فَلَيَتَوَلَّىٰ وَجُوهَهُمْ
- ۹۳۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْنَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (پ ۱۵ سورہ کہف آیت ۱۳)
- ۹۴۔ أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا (پ ۱۵ سورہ کہف آیت ۹)
- ۹۵۔ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا (پ ۱۵ سورہ کہف آیت ۲۱)
- ۹۶۔ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا (پ ۱۵ سورہ کہف آیت ۶۰)
- ۹۷۔ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْقُرْنَيْنِ (پ ۱۶ سورہ کہف آیت ۸۳)
- ۹۸۔ قَالُوا يَذَّ الْقُرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ (پ ۱۶ سورہ کہف آیت ۹۳)

- ۹۹۔ ذِكْرٌ رَحْمَتٍ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا (پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۲)
- ۱۰۰۔ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَحْمِلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا (پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۷)
- ۱۰۱۔ فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ (پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۱۱)
- ۱۰۲۔ وَسَلَّمْ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُنْعَثُ حَيًّا
- ۱۰۳۔ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا (پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۱۷)
- ۱۰۴۔ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۳۵)
- ۱۰۵۔ وَادْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا
- ۱۰۶۔ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۵۷)
- ۱۰۷۔ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجَ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ (پ ۱۶ سورہ طہ آیت ۲۲)
- ۱۰۸۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي (پ ۱۶ سورہ طہ آیت ۲۷)
- ۱۰۹۔ هَرُورًا أَيْحَىٰ (پ ۱۶ سورہ طہ آیت ۳۰)
- ۱۱۰۔ إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ
- ۱۱۱۔ وَأَصْلَ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ (پ ۱۶ سورہ طہ آیت ۷۹)
- ۱۱۲۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ (پ ۱۶ سورہ طہ آیت ۸۰)
- ۱۱۳۔ وَأَضْلَلْنَاهُمُ السَّامِرَىٰ (پ ۱۶ سورہ طہ آیت ۸۵)
- ۱۱۴۔ وَلَكِنَّا حَمَلْنَا أُوزَارًا أَمِنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا
- ۱۱۵۔ قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ (پ ۱۶ سورہ طہ آیت ۹۱)
- ۱۱۶۔ قَالَ فَادْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ
- ۱۱۷۔ فَوَسَّوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ (پ ۱۶ سورہ طہ آیت ۹۷)
- ۱۱۸۔ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ

- الْقِيَمَةِ أَعْمَى (ب) ١٦ سورة طه آيت ١١٣
- ١١٩ - قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ (ب) ١٦ سورة انبياء آيت ١٢٣
- ١٢٠ - وَنَحْنُهِ وَلَوْ كُنَّا إِلَى الْأَرْضِ النَّبِيِّ بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ (ب) ١٦ سورة انبياء آيت ١٢٣
- ١٢١ - وَكَانُوا لَنَا غِلْبِينَ (ب) ١٦ سورة انبياء آيت ١٢٣
- ١٢٢ - فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكَلَّمَا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا (ب) ١٦ سورة انبياء آيت ١٢٣
- ١٢٣ - وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ (ب) ١٦ سورة انبياء آيت ١٢٣
- ١٢٤ - وَيَا أَيُّوبَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ (ب) ١٦ سورة انبياء آيت ٨٠
- ١٢٥ - فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَى لِلْعَالَمِينَ (ب) ١٦ سورة انبياء آيت ٨٢
- ١٢٦ - وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرْثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (ب) ١٦ سورة انبياء آيت ١٠٥
- ١٢٧ - الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (ب) ١٨ سورة نور آيت ٢
- ١٢٨ - وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا قَسَاءً مَطَرُ الْمُتَدَبِّرِينَ (ب) ١٩ سورة شعراء آيت ١٤٣
- ١٢٩ - كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ (ب) ١٩ سورة شعراء آيت ١٤٦
- ١٣٠ - إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حَسَنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي عَفُورٌ رَحِيمٌ (ب) ١٩ سورة نمل آيت ١١
- ١٣١ - وَجَحِّدُوا بِهَا وَاسْتَقْبِلْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلُمًا وَعُجُوزًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ (ب) ١٩ سورة نمل آيت ١٣
- ١٣٢ - وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عَلِمْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ (ب) ١٩ سورة نمل آيت ١١

- ١٣٣ - وَجَعَلْنَاكَ مِنْ شِيعَةِ إِبْرَاهِيمَ (ب) ١٩ سورة نمل آيت ٢٢
- ١٣٤ - قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (ب) ١٩ سورة نمل آيت ٢٣
- ١٣٥ - إِنْ فِرْعَوْنُ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْ أَهْلَهَا شِيعًا يُسْتَضِيفُ طَائِفَةً مِنْهُمْ يُدْبِحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ٢
- ١٣٦ - وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ٤
- ١٣٧ - عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ٩
- ١٣٨ - فَرَدَدْنَاهُ إِلَىٰ أَبِيهِ كَمَا تَقَرَّعْنَاهَا (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ١٣
- ١٣٩ - وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ١٣
- ١٤٠ - قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرْنَا (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ١٦
- ١٤١ - فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَنْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَهُمَا (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ١٩
- ١٤٢ - وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ٢٢
- ١٤٣ - وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ٢٣
- ١٤٤ - قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ نَبُنِيَكَ إِحْدَى ابْنَتِي هَتَيْنِ عَلَىٰ أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِي حَجَّجَ (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ٢٤
- ١٤٥ - فَلَمَّا قَضَىٰ مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ٢٩
- ١٤٦ - قَالَ سَنَسُدُّ عَصَاكَ بِأَجَلِكِ (الآية) (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ٣٥
- ١٤٧ - وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ٣٣
- ١٤٨ - إِنْ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ فَبَغَىٰ عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُتُوبِ (ب) ٢٠ سورة قصص آيت ١١

- مَا إِنْ مَفَاتِيحَهُ لِيَتَوَعَّ بِالْعَصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُجِبُ الْفَرِحِينَ (پ ۲۰ سورہ قصص آیت ۷۶)
- ۱۴۹ - فَاتَّخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ (پ ۲۰ سورہ طہ آیت ۱۸)
- ۱۵۰ - وَكَانَ مِنْ ذَاتِهِ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا (الایہ) (پ ۲۱ سورہ الحکمت آیت ۶۰)
- ۱۵۱ - وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِئَهَا (پ ۲۲ سورہ الزاب آیت ۶۹)
- ۱۵۲ - يَفْعَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ وَتَمَائِيلٍ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيتٍ (پ ۲۲ سورہ سبا آیت ۱۳)
- ۱۵۳ - وَرَبُّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ (پ ۲۲ سورہ سبا آیت ۲۱)
- ۱۵۴ - وَالْقَمَرُ قَدَرُهُ مَنَازِلٌ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ (پ ۲۳ سورہ نمل آیت ۳۹)
- ۱۵۵ - فَبَشَّرَهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ (پ ۲۳ سورہ صافات آیت ۱۰۱)
- ۱۵۶ - وَقَدَّيْنَهُ بِذِيحٍ عَظِيمٍ (پ ۲۳ سورہ صافات آیت ۱۰۷)
- ۱۵۷ - وَبَشَّرَهُ بِاسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ (پ ۲۳ سورہ صافات آیت ۱۱۲)
- ۱۵۸ - وَإِنْ إِلَاسَ لِمَنِ الْمُرْسَلِينَ (پ ۲۳ سورہ صافات آیت ۱۲۵)
- ۱۵۹ - اتَّذَعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَالِقِينَ (پ ۲۳ سورہ صافات آیت ۱۲۵)
- ۱۶۰ - إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ (پ ۲۳ سورہ صافات آیت ۱۲۸)
- ۱۶۱ - إِنَّ الَّذِينَ يُضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ (پ ۲۳ سورہ صافات آیت ۲۶)
- ۱۶۲ - وَإِذْ كُنَّا فِي الْأَنْجِيلِ وَالْيَسَعَ وَذَالِكِ الْجَلِّ وَكُلٌّ مِنَ الْأَخْيَارِ (پ ۲۳ سورہ صافات آیت ۲۸)
- ۱۶۳ - وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ (پ ۲۳ سورہ صافات آیت ۲۶)
- ۱۶۴ - ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ (پ ۲۶ سورہ فتح آیت ۲۹)
- ۱۶۵ - فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ (پ ۲۶ سورہ فتح آیت ۲۹)
- ۱۶۶ - وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ (پ ۲۶ سورہ ذر آیت ۳۰)

- ۱۶۷ - قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ (پ ۲۷ سورہ ذر آیت ۳۱)
- ۱۶۸ - وَظَنُوا أَنَّهُمْ مَا نَعْنَهُمْ خُصُوعُهُمْ مِنَ اللَّهِ (پ ۲۸ سورہ حشر آیت ۲)
- ۱۶۹ - وَإِذْ قَالَ عِيسَىٰ بْنُ مَرْيَمَ يَتَّبِعِي إِبْرَاهِيمَ ابْنِي رَسُولَ اللَّهِ الْيَكْمُ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيِ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ (پ ۲۸ سورہ صف آیت ۶)
- ۱۷۰ - كَمَا قَالَ عِيسَىٰ بْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ (پ ۲۸ سورہ صف آیت ۱۳)
- ۱۷۱ - فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ (پ ۲۸ سورہ قنابن آیت ۲)
- ۱۷۲ - لَا تَأْخُذْهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ (پ ۳ سورہ بقرہ آیت ۲۵۵)
- ۱۷۳ - يَأْتِيهَا النَّاسُ اتِّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ (پ ۳ سورہ نساء آیت ۱)

## فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی

کا

## اجمالی متن اور دعویٰ

## تفہیم القرآن میں احادیث شریفہ

## سے بے اعتمادی اور بائبل پر اعتماد

شرح و تحقیق

مفتی محمد ساجد قریشی قاسمی معتمد حضرت فقیہ الامت



## آٹھواں باب

### تفہیم القرآن میں بائبل پر اعتماد

متقدمین و متاخرین کے اقوال پر آپ کو اعتماد نہیں  
کیونکہ بائبل کا صحیفہ حزقی ایل الہامی کلام ہے  
عبارت نمبر ۳

تفہیم القرآن ۳ ۱۸۲ الانبیاء ۲۱

۱۔ ان مختلف اقوال کی موجودگی میں یقین و اعتماد کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ  
فی الواقع یہ کون سے نبی ہیں۔ موجودہ زمانے کے مفسرین نے اپنا مسلمان  
حزقی ایل یعنی کی طرف ظاہر کیا ہے۔ لیکن ہمیں کوئی مستقل دلیل ایسی نہیں ملی  
جس کی بنا پر یہ رائے قائم کی جاسکے تاہم اگر اس کے لئے کوئی دلیل مل سکے تو  
یہ رائے قابل ترجیح ہو سکتی ہے کیونکہ بائبل کے محقق حزقی ایل کو دیکھنے سے  
معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع وہ اس تعریف کے مستحق ہیں جو اس آیت میں کی  
گئی ہے یعنی صابر اور صالح وہ ان لوگوں میں سے تھے جو یروشلیم کی آخری  
جہاز سے پہلے بخت نصر کے ہاتھوں گرفتار ہو چکے تھے بخت نصر نے عراق  
میں اسرائیلی قیدیوں کی ایک نو آبادی دریائے خابور کے کنارے قائم کر دی  
تھی جس کا نام نکی آیب تھا۔ اسی مقام پر ۹۳ھ ق۔ م میں حضرت حزقی ایل  
نبوت کے منصب پر سرفراز ہوئے جب کہ ان کی عمر ۳۰ سال تھی اور مسلسل ۲۲  
سال ایک طرف گرفتار بلا اسرائیلیوں کو اور دوسری طرف یروشلیم کے غافل  
و سرشار باشندوں اور حکمرانوں کو چونکا نے کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اس  
کارِ عظیم میں ان کے انہماک کا جو حال تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے  
کہ نبوت کے نویں سال ان کی بیوی جنہیں وہ خود ”منظور نظر“ کہتے ہیں  
انتقال کر جاتی ہیں لوگ ان کی تعزیت کے لئے جمع ہوتے ہیں اور یہ اپنا دکھڑا  
چھوڑ کر اپنی ملت کو خدا کے اس عذاب سے ڈرنا شروع کر دیتے ہیں جو اس  
کے سر پر ٹکا کھڑا تھا (باب ۲۳۔ آیات ۱۵۔ ۲۷) بائبل کا محقق حزقی ایل ان  
محققوں میں سے ہے جنہیں پڑھ کر واقعی محسوس ہوتا ہے کہ یہ الہامی کلام  
ہے۔

تنبیہ

۱۔ "ان مختلف اقوال کی موجودگی میں یقین و اعتماد کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا۔۔۔۔۔"

کیونکہ حقد میں مفسرین کے اقوال پر اگر جناب مودودی مرحوم کو یقین و اعتماد ہو جائے تو پھر آپ کے ۵۵ سالہ مطالعہ و تحقیقات کا کیا فائدہ ہوگا؟ جسکی مدد سے تفہیم لکھی گئی ہے اسی طرح موجودہ زمانے کے متاخرین مفسرین کی رائے پر بھی آپ کو کوئی معقول دلیل نہیں ملی لیکن اگر متاخرین مفسرین کی رائے کی دلیل مل سکتی تو ان متاخرین کی یہ رائے قابل ترجیح ہو سکتی ہے خلاصہ یہ ہوا کہ حقد میں و متاخرین دونوں کے اقوال پر آپ کو اعتماد نہیں ہے البتہ اگر آپ کو اعتماد و یقین ہے اور کوئی معقول دلیل کہیں سے مل سکتی ہے تو وہ بائبل سے چنانچہ لکھتے ہیں:

۲۔ "کیونکہ بائبل کے صحیفہ حزقی ایل کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع وہ اس تعریف کے مستحق ہیں جو اس آیت میں کی گئی ہے۔۔۔۔۔"

آپ کی اس عبارت سے ہی سب کچھ یہ چل گیا کہ آنجناب کے معلومات کی بنیاد بائبل کا صحیفہ حزقی ایل ہے اسی لئے حقد میں و متاخرین کے اقوال پر نہ آپ کو کوئی معقول دلیل ملی اور نہ ہی یقین و اعتماد حاصل ہوا یہی نہیں بلکہ بائبل کے اس صحیفہ حزقی ایل کو پڑھ کر آپ کو کیا محسوس ہوتا ہے وہ بھی آپ ہی کی عبارت میں ملاحظہ کر لیا جائے فرماتے ہیں کہ:

۳۔ "بائبل کا صحیفہ حزقی ایل ان محیوں میں سے ہے جنہیں پڑھ کر واقعی یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ الہامی کلام ہے"

قارئین کرام! یہ تو یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ بائبل کی کتابیں الہامی ہیں یہاں آپ نے اپنے اس جملہ سے یہودیوں کے دعویٰ کی بھرپور وکالت کرتے ہوئے تصدیق کی ہے کہ صحیفہ حزقی ایل الہامی ہے حالانکہ یہودیوں کو اور جناب مولانا مودودی صاحب کو قطعاً یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہئے ملاحظہ کیجئے "بائبل سے قرآن تک" یعنی اظہار الحق ج اول ص ۵۷ پر عنوان ہے "چوتھی فصل۔ بائبل کی کتابیں الہامی نہیں ہیں"

اس فصل میں یہ بتاتا ہے کہ اہل کتاب کو یہ دعویٰ کرنے کا حق کس طرح نہیں پہنچتا کہ عہد شوق یا عہد جدید کی کتاب کی نسبت یہ کہیں کہ وہ الہامی ہے اور الہام سے لکھی گئی ہے اور ان میں درج شدہ تمام واقعات الہامی ہیں کیونکہ یہ دعویٰ قطعی باطل ہے اس کے باطل ہونے پر اگرچہ بہت سے دلائل ہیں مگر ہم اس موقع پر ان میں سے صرف سترہ کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں

(بائبل سے قرآن تک اظہار الحق ج اول ص ۵۷)

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اصل کتاب کی طرف رجوع فرما کر تفصیل ملاحظہ کر لیں ہم یہاں طوالت کی وجہ سے ان تفصیلات کو نقل کرنے سے معذور ہیں اور مزہ کی بات تو یہ ہے کہ جناب مولانا سید مودودی صاحب مرحوم تو صوفیاء کرام کے کشف والہامات کے قائل نہیں تھے پھر یہودیوں کی کتابوں کے متعلق الہام کے قائل و معترف کیوں ہو گئے!

اسی لئے تو کہ صوفیاء کرام کے الہام کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے؟ اور یہودیوں کے الہام کی بنیاد بائبل کی کتابوں پر ہے؟ اس لئے ایک (صوفیاء کرام) کے الہام سے سخت نفرت اور دوسرے (یہودیوں) کے الہام سے غیر معمولی محبت کا کیا مطلب ہوگا؟

انجیل برناباس کی تاریخ و تعریف اور انجیل برناباس لفظ

بلفظ پڑھنے کے بعد آپ کا احساس

عبارت نمبر ۴

القصف ۶۱

۴۶۶

تفہیم القرآن ۵

۹۔ "حقیقت یہ ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰ کی پیشینگوئیوں کو نہیں خود حضرت عیسیٰ کے اپنے صحیح حالات اور آپ کی اصل تعلیمات کو جاننے کا بھی معتبر ذریعہ وہ چار انجیلیں نہیں ہیں جن کو عیسیٰ کیسا نے معتبر و مسلم انجیل Canonical Gospels قرار دے رکھا ہے بلکہ اس کا زیادہ قابل اعتماد ذریعہ وہ انجیل برناباس ہے جسے کیسا

غیر قانونی اور مشکوک الصحت (Apocryphal) کہتا ہے۔ عیسائیوں نے اسے چھپانے کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ صدیوں تک یہ دنیا سے ناپید رہی ہے۔ سولہویں صدی میں اس کے اطالوی ترجمے کا صرف ایک نسخہ پوپ سکسٹس (Sixtus) کے کتب خانے میں پایا جاتا تھا اور کسی کو اس کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔ اٹھارویں صدی کے آغاز میں وہ ایک شخص جان ٹولینڈ کے ہاتھ لگا۔ پھر مختلف ہاتھوں میں گشت کرتا ہوا ۱۷۸۷ء میں دیانا کی امپیریل لائبریری میں پہنچ گیا۔ ۱۹۰۶ء میں اسی نسخے کا انگریزی ترجمہ آکسفورڈ کے کلیرٹن پریس سے شائع ہو گیا تھا مگر غالباً اس کی اشاعت کے بعد فوراً ہی عیسائی دنیا میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ یہ کتاب تو اس مذہب کی جڑوں کاٹنے دے رہی ہے جسے حضرت عیسیٰ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کے مطبوعہ نسخے کی خاص تدبیر سے غائب کر دئے گئے اور پھر بھی اس کی اشاعت کی نوبت نہ آ سکی۔ دوسرا ایک نسخہ اسی اطالوی ترجمہ سے ایسی زبان میں منتقل کیا ہوا اٹھارویں صدی میں پایا جاتا تھا۔ جس کا ذکر جارج سیل نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں کیا ہے مگر وہ بھی کہیں غائب کر دیا گیا اور آج اس کا بھی کہیں پتہ نشان نہیں ملتا۔ مجھے آکسفورڈ سے شائع شدہ انگریزی ترجمے کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اسے لفظ بلفظ پڑھا ہے۔ میرا احساس یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے جس سے عیسائیوں نے محض تعصب اور عنیدگی بنا کر اپنے آپ کو محروم کر رکھا ہے۔

### تنبیہ

جناب مولانا مودودی صاحب کے نزدیک قابل اعتماد ذریعہ معتبر وہ چار انجیلیں نہیں ہیں بلکہ زیادہ قابل اعتماد ذریعہ وہ انجیل برناباس ہے پھر دس مطروں میں اس کی تاریخ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

”مجھے آکسفورڈ سے شائع شدہ انگریزی ترجمے کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اسے لفظ بلفظ پڑھا ہے میرا احساس یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔“

آپ نے ان عبارات سے اپنے وسعت مطالعہ اور علمی تحقیق کی چھان بین

کا مظاہرہ فرمایا ہے اور انجیل برناباس کی جو غیر معمولی آپ نے تعریف کی ہے اس کی بنیاد بھی اسی عبارت سے معلوم ہوگئی کہ آپ نے اسے لفظ بلفظ پڑھا ہے ظاہر ہے کہ جس کتاب کو جناب مودودی صاحب پڑھیں گے وہ قابل اعتماد اور معتبر ذریعہ میں کیوں نہیں داخل ہوگی؟ یہی تو ہے وہ ۵۵ سالہ مطالعہ کا نچوڑ جن سب سے تفہیم القرآن کے لکھنے میں کام لیا گیا ہے۔ لہذا قارئین تفہیم کو بھی انجیل برناباس پر اس لئے اعتماد کرنا چاہئے کہ آپ نے اسے لفظ بلفظ پڑھا ہے یعنی آپ کا پڑھنا ہی ثبوت ہے کسی کتاب کے معتد ہونے کا معلوم نہیں کہ احادیث شریفہ کی کتابیں پڑھتے وقت آپ کا یہ احساس کہاں رخصت ہو گیا تھا؟ بخاری و مسلم کی احادیث بھی آپ نے پڑھی ہیں ان کے بارے میں بھی آپ فرمادیجئے کہ یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے لیکن وہاں تو سند و متن و مضمون حدیث سب ہی آپ کی عقل کے خلاف ہے اناللہ۔

اور چونکہ آپ نے انجیل کا زبردست مطالعہ فرمایا ہے لہذا آپ کی اسی عبارت سے اس حقیقت کا سراغ ملا کہ اسی لئے تفہیم القرآن میں ان سے بھرپور استفادہ کر کے مستند ماخذ کی حیثیت سے حوالے بھی آپ نے دئے ہیں۔ انشاء اللہ قارئین کرام اس عنوان کی مزید مثالیں آئندہ صفحات میں بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔

### عبارت نمبر ۵

انجیل برناباس کے اصلی ہونے کے دلائل اور چار انجیلیوں پر عدم اعتماد کی وجوہات اور انجیل کے متعلق تضاد بیانی

القصف ۶۱

۳۶۷

تفہیم القرآن ۵

سبکی لٹریچر میں اس انجیل کا جہاں کہیں ذکر آتا ہے اسے یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ ایک جعلی انجیل ہے جسے شاید کسی مسلمان نے تعریف کر کے برناباس کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ لیکن یہ ایک بہت بڑا جھوٹ ہے جو صرف اس



بنابر بول دیا گیا کہ اس میں جبکہ جگہ بصراحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق  
چیشین کو نیاں ملتی ہیں اول تو اس انجیل کو پڑھنے والے سے صاف معلوم ہو جاتا  
ہے کہ یہ کتاب کسی مسلمان کی تصنیف کردہ نہیں ہو سکتی۔ دوسرے اگر یہ کسی  
مسلمان نے لکھی ہوتی تو مسلمانوں میں یہ کثرت سے پھیلی ہوتی ہوتی اور  
علمائے اسلام کی تصنیفات میں بکثرت اس کا ذکر پایا جاتا۔ مگر یہاں صورت  
حال یہ ہے کہ کبار جرجیل کے انگریزی مقدمہ قرآن سے پہلے مسلمانوں کو  
سرے سے اس کے وجود تک کا علم نہ تھا۔ طبری، یعقوبی، مسعودی، البیرونی،  
ابن حزم اور دوسرے مصنفین جو مسلمانوں میں سچی لٹریچر بروسیج اطوار  
رکھنے والے تھے۔ ان میں سے کسی کے ہاں بھی سچی مذہب پر بحث کرتے  
ہوئے انجیل برتاباس کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا۔ دنائے اسلام کے کتب  
خانوں میں جو کتابیں باقی حاتی تھیں ان کی بہترین فہرستیں ابن ندیم کی  
فہرست اور حاجی خلیفہ کی کشف الظنون ہیں اور وہ بھی اس کے ذکر سے خالی  
ہیں۔ انیسویں صدی سے پہلے مسلمان عالم نے انجیل برتاباس کا نام تک نہیں  
لیا ہے۔ تیسری اور سب سے بڑی دلیل اس بات کے جھوٹ ہونے کی یہ  
ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے بھی ۵۰۰ سال پہلے پوپ گلائیس  
اول (Gelasius) کے زمانے میں بدعقیدہ اور گمراہ کن  
(Heretical) کتابوں کی جو فہرست مرتب کی گئی تھی اور ایک پاپائی فتوے  
کے ذریعے سے جن کا پڑھنا ممنوع کر دیا گیا تھا ان میں انجیل برتاباس  
(Evangelium Barnabe) بھی شامل تھی۔ سوال یہ ہے کہ اس  
وقت کون سا مسلمان تھا جس نے یہ جلی انجیل تیار کی تھی؟ یہ بات تو خود عیسائی  
علماء نے تسلیم کی ہے کہ شام، اسیں مصر وغیرہ ممالک کے ابتدائی عیسائی کلیسا میں  
ایک مدت تک برتاباس کی انجیل رائج رہی ہے اور چھٹی صدی میں اسے ممنوع  
قرار دیا گیا ہے۔

قبل اس کے کہ اس انجیل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ  
السلام کی بشارتیں نقل کی جائیں اس کا مختصر تعارف کراونا ضروری ہے تاکہ  
اس کی اہمیت معلوم ہو جائے اور یہ بھی سمجھ میں آجائے کہ عیسائی حضرات اس  
سے اتنے ناراض کیوں ہیں۔

۵۔ بائبل میں جو چار انجیلیں کا فتویٰ اور معتبر قرار دے کر شامل کی گئی ہیں ان

میں سے کسی کا لکھنے والا بھی حضرت عیسیٰ کا صحابی نہ تھا اور ان میں سے کسی  
نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا ہے کہ اس نے آنحضرت کے صحابیوں سے حاصل  
کردہ معلومات اپنی انجیل میں درج کی ہیں۔ جن کے ذرائع سے ان لوگوں  
نے معلومات حاصل کی ہیں ان کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا ہے جس سے  
یہ پتہ چل سکے کہ راوی نے آنا خود وہ واقعات دیکھے اور وہ اقوال سنے ہیں  
جنہیں وہ بیان کر رہا ہے مابک یا چند واسطوں سے یہ باتیں اسے پہنچی ہیں۔

### تنقید و تنبیہ

۱۔ سید مودودی مرحوم کو انجیل برتاباس پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے۔

۲۔ مودودی مرحوم کو طبری، یعقوبی، مسعودی، ابن حزم اور دوسرے مصنفین ابن ندیم کی فہرست  
اور حاجی خلیفہ کی کشف الظنون میں بھی انجیل برتاباس کی طرف اشارہ تک نہیں ملتا یہ سب  
انجیل برتاباس کے ذکر سے خالی ہیں۔

۳۔ انیسویں صدی سے پہلے کسی مسلمان عالم نے انجیل برتاباس کا نام تک نہیں لیا (اسی  
لئے اب بیسویں صدی میں ماشاء اللہ سید مودودی مرحوم نے نام لیا ہے)

۴۔ آپ کے نزدیک انجیل برتاباس کا مختصر تعارف کراونا ضروری ہے تاکہ اس کی اہمیت  
معلوم ہو جائے اور جس طرح آپ نے لفظ بلفظ پڑھا ہے مسلمان بھی انجیل پڑھ کر قرآن  
کی طرح بہت بڑی نعمت کا اقرار کریں۔ سبحان اللہ۔

۵۔ اگر بائبل کے چار انجیلوں کے متعلق مودودی مرحوم کو پتہ چل سکتا کہ حضرت عیسیٰ کے  
صحابیوں اور راویوں نے خود وہ واقعات دیکھے اور وہ اقوال سنے ہیں جنہیں وہ بیان کر رہا  
ہے یا ایک یا چند واسطوں سے یہ باتیں اسے پہنچی ہیں۔

(تو کیا مودودی مرحوم چاروں انجیل پر اور اس کی سندوں پر اعتماد کر لیتے؟ اگر جواب یہ ہے  
کہ انجیل پر اعتماد کر لیتے تو محو فون الکلم من بعد مواضع بے اعتمادی کے لئے  
اللہ پاک نے کیوں فرمایا۔ پھر سوال یہ ہے کہ احادیث شریفہ کی سند متصل پر آپ کو اعتماد  
کیوں نہیں ہے؟ اس کے علاوہ پھر سوال یہ بھی ہے کہ تفہیم ج ۵ سورہ صف ص ۶۸ پر خود

آپ نے سوال کیا ہے کہ یہ برتاباس کون تھا؟ اس کے احوال کے بارے میں آپ نے کیوں لکھا کہ کہیں اس کا نام درج نہیں ہے۔ ایک طرف انجیل برتاباس کی تعریف؟ اور دوسری جانب اسی انجیل برتاباس کے متعلق شک؟ کیا معنی رکھتا ہے.....؟

علاوہ ازیں اس جگہ ص ۳۶۷ پر آنجناب نے چاروں انجیل پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے جب کہ تفہیم ج ۳ ص ۷۱ حاشیہ ۱۸ سورہ کہف میں ان ہی انجیل کو معتد و معتبر مانتے ہوئے استدلال بھی کیا ہے۔ جو آپ کی تحریروں میں تضاد بیانی کی ایک بین دلیل و شہادت ہے نیز ایک سوال یہ بھی ہے کہ تفہیم ج اول ص ۲۳۲ میں آپ نے انجیل کی ترتیب کے بارے میں کول مول امکانی بات کیوں تحریر کی؟

”ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے انہیں نوٹ کر لیا ہو اور ممکن ہے کہ سننے والے معتقدین نے ان کو زبانی یاد کر رکھا ہو“

### عبارت نمبر ۶

آپ قرآن پاک کی صداقت کے ساتھ کتب محرفہ کے صحیفوں کی صداقت کے بھی قائل معترف ہیں اور اس پر ایک بین شہادت پیش کی ہے

تفہیم القرآن ۲ ۹۳ الاعراف ۷  
حاشیہ ۱۲۸۔ ”جسے بنی اسرائیل کو تقریباً آٹھ صدی قبل مسیح سے مسلسل کی جاری تھی چنانچہ یہودیوں کے مجموعہ کتب مقدسہ میں یسعیاہ اور ہرمیاہ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کی تمام کتابیں اسی تنبیہ پر مشتمل ہیں۔ پھر یہی تنبیہ مسیح علیہ السلام نے انہیں کی جیسا کہ انجیل میں ان کی متعدد تقریروں سے ظاہر ہے۔ آخر میں قرآن نے اس کی توثیق کی اب یہ بات قرآن اور اس سے پہلے صحیفوں کی صداقت ہر ایک بین شہادت ہے کہ اس وقت سے لے کر آج تک تاریخ میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا ہے جس میں یہودی قوم دنیا میں کہیں نہ کہیں روئندی اور پامال نہ کی جاتی رہی ہو“

### تنبیہ

۱۔ یہودیوں کے مجموعہ کتب مقدسہ میں یسعیاہ اور ہرمیاہ اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کی تمام کتابیں.....

دیکھیے اس عبارت میں جناب مولانا مودودی صاحب نے بائبل کی تمام کتابوں کے متعلق صاف لفظوں میں یہ تحریر کیا ہے کہ  
”آخر میں قرآن نے اس کی توثیق کی“۔

کتبی کی؟ اور جتنی کی وہ بھی محفوظ ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل نہیں لکھی تو اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا؟

۲۔ پھر آنجناب مودودی صاحب قرآن پاک کی صداقت کے ساتھ قرآن سے جو پہلے کے صحیفے ہیں جن میں یہودیوں نے تحریف و تبدیل کر دی ہے ان محرف صحیفوں کی صداقت پر شہادت پیش کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ  
”اب یہ بات قرآن اور اس سے پہلے صحیفوں کی صداقت پر ایک بین شہادت ہے۔“

اس جملہ میں آپ نے قرآن کی صداقت کے ساتھ ساتھ اس سے پہلے کے صحیفوں کی صداقت کا عقیدہ پیش کیا ہے اور کمال کراہت سے کہا ہے کہ جس طرح قرآن کی صداقت مسلم ہے اسی طرح اس سے پہلے کے صحیفوں کی بھی صداقت مسلم ہے حالانکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے۔

ملاحظہ کیجئے اظہار الحق ج اول ص ۳۲۳ کو۔ اس پر عنوان ہے:

”ان کتابوں میں سے کوئی مستند نہیں“

اس کے بعد معنف فرماتے ہیں کہ ”کسی کتاب کے آسمانی اور واجب التسلم ہونے کے لئے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ پہلے تو طوس اور پختہ دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ کتب فلاں تنبیہ کے واسطے لکھی گئی اس کے بعد ہمارے پاس سند متصل کے ساتھ بغیر کسی دیشی اور تغیر و تبدل کی پہنچنے اور کسی صاحب الہام کی جانب محض گمان و ہمہ کی بنا پر نسبت کرنا اس بات کے لئے کافی ہے کہ

وہ منسوب کی تعریف کردہ ہے اسی طرح اس سلسلہ میں کسی ایک یا چند فرقوں کا محض دعویٰ کر دینا کافی نہیں ہو سکتا۔ (ارغ (انتہار الحق ج اول ص ۳۲۳)

قارئین کرام! پوری عبارت نقل کرنا موجب تطویل ہے اس لئے اصل کتاب کی طرف رجوع کریں۔ اب راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ جناب مودودی صاحب کا بھی محض ان صحیفوں کی صداقت پر بین شہادت پیش کرنے کا دعویٰ کس طرح کافی ہوگا؟ یا کافی ہو سکتا ہے؟ جب کہ قرآن فرماتا ہے **يَعْرِفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ** کہ بائبل کی تمام کتابیں تحریف شدہ ہیں اور جھوٹی ہیں مگر جناب والانص قطعی کے خلاف بائبل کی تمام کتابوں کی صداقت پر ایک بین شہادت پیش کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ۔

## عبارت نمبر ۷

آپ نے کس کی اتباع میں زلیخا کا نام لکھا ہے؟  
اور قرآن کے ساتھ ساتھ اسرائیلی تاریخ میں بھی کسی چیز کی اصل کیوں تلاش کرتے ہیں؟

تفسیر القرآن ۲ ۳۹۱ یوسف ۱۲

۷۔ ”تلمود میں اس عورت کا نام زلیخا (Zelicha) لکھا ہے اور یہیں سے یہ نام مسلمانوں کی روایات میں مشہور ہوا۔ مگر یہ جو ہمارے ہاں عام شہرت ہے کہ بعد میں اس عورت سے حضرت یوسف کا نکاح ہوا اس کی کوئی اصل نہیں ہے نہ قرآن میں اور نہ اسرائیلی تاریخ میں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک نبی کے مرتبے سے یہ بات بہت فروتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جس کی بد چلتی کا اس کو ذاتی تجربہ ہو چکا ہو۔ قرآن مجید میں یہ قاعدہ کلیہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ **الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ** بری عورتیں برے مردوں کے لئے ہیں اور برے مرد بری عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے ہیں

اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے۔

حاشیہ ۱۸۔ تلمود کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت یوسف کی عمر ۱۸ سال کی تھی اور فوطیہ باران کی شاندار شخصیت کو دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ لڑکا غلام نہیں ہے بلکہ کسی بڑے شریف خاندان کا چشم و چراغ ہے جسے حالات کی گردن یہاں تک پہنچ لائی ہے۔ چنانچہ جب وہ انہیں خرید رہا تھا اسی وقت اس نے سودا گروں سے کہہ دیا تھا کہ یہ غلام تو نہیں معلوم ہوتا مجھے شبہ ہوتا ہے کہ شاید تم اسے کہیں سے چرالائے ہو۔ اسی بنا پر فوطیہ نے ان سے غلاموں کا سا برتاؤ نہیں کیا بلکہ انہیں اپنے گھر اور اپنی کل املاک کا عمار بنادیا۔ بائبل کا بیان ہے کہ ”اس نے اپنا سب کچھ یوسف کے ہاتھ میں چھوڑ دیا اور سواروئی کے جسے وہ کھالیتا تھا اسے اپنی کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔“ (پیدائش ۳۹-۶)

## تنبیہ

۱۔ ”تلمود میں اس عورت کا نام زلیخا لکھا ہے اور یہیں۔“

سوال یہ ہے کہ جب تلمود ہی کی روایات سے مسلمانوں کی روایات میں زلیخا نام مشہور ہوا تو آپ نے مسلمانوں کی ان روایات پر تنقید اور جرح و قدح کیوں نہیں کیا؟ مطلب یہی ہوا کہ مسلمانوں کی جو روایات تلمود کے مطابق ہیں آنجناب والا اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ آپ نے بھی خود اس عورت کا نام تلمود سے زلیخا ہی لکھ دیا اب کیا سمجھا جائے کہ آپ نے مسلمانوں کی روایات کی اتباع میں تفسیر القرآن میں یہ نام لکھا؟ یا تلمود کو مستند مانتے ہوئے اس کی محبت میں یہ نام لکھا؟ پہلی صورت تو آپ کی شان تحقیق ہی سے بعید ہے کہ آپ مسلمانوں کی روایات کی اتباع کریں الایہ کہ اس میں تلمود کا بیان ہو اس لئے دوسری ہی صورت قرین قیاس ہونے کے علاوہ زیر بحث عنوان کے مناسب بھی ہے کیونکہ مسلمانوں کی روایات پر تو آپ کو اعتماد ہی نہیں ہے وہاں تو سند و متن و مضمون حدیث سب آپ کی عقل کے خلاف ہے۔

۲۔ پھر یہ بتلایا جائے کہ کسی چیز کی بنیاد اور اصل کو تلاش کرنے کے لئے آپ قرآن کے ساتھ اسرائیلی تاریخ کو بھی کیوں دیکھتے ہیں؟ اصول اربعہ تو (۱) قرآن و (۲) حدیث و (۳) اجماع صحابہؓ اور ان متبوعین کی بنیاد پر (۴) قیاس ہیں۔ اسرائیلی



تاریخ کو کس نے اصول شرع قرار دیا ہے۔ پھر قرآن اور اسرائیلی تاریخ میں کیا جوڑ ہے؟ کہ آپ لکھتے ہیں:

”مگر یہ جو ہمارے یہاں عام شہرت ہے کہ بعد میں اس عورت سے حضرت یوسف کا نکاح ہوا اسکی کوئی اصل نہیں ہے نہ قرآن میں اور نہ اسرائیلی تاریخ میں“

عاجیبا! کسی چیز کی اصل کو پہلے قرآن میں تلاش کیا جاتا ہے اگر اس میں نہ ملے تو حدیث میں تلاش کیا جاتا ہے مگر آپ نے حدیث کو چھوڑ کر اصل کو اسرائیلی تاریخ میں تلاش کیا؟ شاید اس لئے کہ آپ کے نزدیک اسرائیلی تاریخ حدیث کے قائم مقام ہوگی یا اصول اور بعد میں قیاس کی جگہ داخل ہوگی؟ یا اس لئے کہ حدیث شریف پر آپ کو اعتماد ہی نہیں تو اس میں کسی چیز کے اصل کو کیا دیکھیں گے؟

۳۔ ہاں اگر آپ کو اعتماد ہے تو بائبل کے بیان پر اسی لئے حضرت یوسف کے نام کی تعیین اور ان کی حیثیت کی وضاحت و شاندار شخصیت کی نقاب کشائی اگلی سطروں کے حاشیہ ۱۸ میں تلمود کے بیان سے کی ہے اس میں تلمود اور کتاب پیدا نش پر آنجناب نے مطلقاً اعتماد کیا ہے۔

### عبارت نمبر ۸

قرآن پاک کے بیان کردہ معاملہ کی نوعیت اپنی سمجھ سے؟

یوسف ۱۲

۳۹۳

تفہیم القرآن ۲

حاشیہ ۲۴۔ ”اس سے معاملہ کی نوعیت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ صاحب خانہ کے ساتھ اس عورت کے بھائی بندوں میں سے بھی کوئی شخص آ رہا ہوگا اور اس نے یہ قصہ سن کر کہا ہوگا کہ جب یہ دونوں ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہیں اور موقع کا گواہ کوئی نہیں ہے تو قرینہ کی شہادت سے اس معاملہ کی یوں تحقیق کی جاسکتی ہے بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ شہادت پیش کرنے والا ایک شیر خوار بچہ تھا جو ہاں بنگلوڑے میں پلایا ہوا تھا اور خدا نے اسے گویائی عطا کر کے اس سے یہ شہادت دلوائی لیکن یہ روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور نہ اس معاملے میں خواہ مخواہ مجزے سے مدد لینے کی کوئی ضرورت ہی محسوس ہوتی ہے۔ اس شاید نے قرینے کی جس شہادت کی طرف توجہ دلائی

ہے وہ سراسر ایک معقول شہادت ہے اور اس کو دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شخص لک معاملہ فہم اور چاباندہ آدمی تھا جو صورت معاملہ سامنے آتے ہی اس کی یہ کوئی گنج گنا۔ بعد نہیں کہ وہ کوئی جج یا مجسٹریٹ ہو۔ مفسرین کے ہاں شرخوار بچے کی شہادت کا قصہ دراصل یہودی روایات سے آیا ہے۔ ملاحظہ ہواقتناسات تلمود از ہال اسحاق ہر شون لندن ۱۸۸۰ء ص ۲۵۶

### تنبیہ

۱۔ ”آیت پاک وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا میں جو معاملہ بیان کیا گیا ہے اس کی نوعیت کو اپنی سمجھ سے تحریر کرتے ہوئے اپنی عقل و نظر کی بنیاد پر اخیر میں لکھتے ہیں کہ ”بعد نہیں کہ وہ کوئی جج یا مجسٹریٹ ہو“

تاکہ ایک طرف آپ حدیث پاک سے بے اعتمادی کر کے منکرین حدیث کے منظور نظر بنے رہیں اور دوسری طرف مجزہ کا انکار کر کے معتزلہ کی آغوش تربیت میں آرام و سکون محسوس کریں۔ چنانچہ خود ہی لکھتے ہیں کہ

”بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ شہادت پیش کرنے والا ایک شیر خوار بچہ تھا۔“ لیکن یہ روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے اور نہ ہی اس معاملہ میں خواہ مخواہ مجزے سے مدد لینے کی کوئی ضرورت ہی محسوس ہوتی ہے“

اس طرح سے آپ نے اپنی ذہانت و وفائیت سے ایک ہی عبارت میں منکرین حدیث اور معتزلہ دونوں کو خوش کر دیا۔

جج کعب بھی کیا اور گنگا کا اشران بھی

راضی رہے رستم بھی خوش رہے شیطان بھی

۳۔ پھر قابل غور بات یہ ہے کہ بقول مودودی صاحب کے یہ روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے تو کیا اگر کوئی روایت صحیح سند سے ثابت ہو تو آپ اس کو مانتے ہیں؟ میں نے تفہیم ج ۴ ص ۳۳ میں دیکھا کہ بخاری و مسلم و دیگر محدثین کبار کی روایات صحیح سند سے ثابت ہیں مگر آپ نے اس کو یہ کہتے ہوئے ماننے سے صاف انکار کر دیا کہ مضمون حدیث آپ کی عقل صریح کے خلاف ہے آپ ہی کی تحریر ہے:

”جہاں تک اسناد کا تعلق ہے ان میں سے اکثر روایات کی سند قوی ہے اور باہتمام روایت اس کی صحت میں کلام نہیں کیا جاسکتا لیکن حدیث کا مضمون مرتع عقل کے خلاف ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ہرگز نہ فرمائی ہوگی جس طرح وہ نقل ہوئی ہے۔ الخ“

لہذا زیر بحث ص ۳۹۳ تفہیم ج ۲ میں یہ کہنا کہ

”یہ روایت نہ تو کسی صحیح سند سے ثابت ہے یہ جھوٹ‘ فراء‘ دھوکہ و غلط بیانی و تضاد بیانی کے علاوہ اور کیا ہے؟“

قارئین کرام! سب سے بڑی خامی جناب مودودی صاحب کی یہ ہے کہ آپ پہلے ایک نظریہ متعین کر لیا کرتے ہیں اب اگر کوئی ضعیف سے ضعیف تر روایت آپ کے اس نظریہ کے مطابق مل گئی تو اس کو قرینہ قیاس بلکہ قیاس مع الفارق کی ”جدید تحقیق“ کے نام پر امر واقعی اور حقیقت بنادیتے ہیں اور اگر آپ کے اس نظریہ کے خلاف قوی مضبوط بلکہ متفق علیہ روایت بھی موجود ہو تو بات کا جنگڑ بنا کر صحیح روایت کو رد کرنے بلکہ اپنے مزعومہ نظریات و افکار پر تائیدی طور سے پیش کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے جب کہ وہ روایت قطعی طور سے ان کے مزعومات کی نفی ہی کرتی ہو مثلاً تفہیم ج ۳ ص ۲۰۰ سورہ حج میں ملاحظہ کیجئے:

”لہذا قابل ترجیح روایت ہے جو ہم نے پہلے نقل کی ہے اگرچاس کی سند ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت اس کے ضعف کو دور کر دیتی ہے اور یہ دوسری روایات گو سند قوی تر ہیں لیکن قرآن کے ظاہر بیان سے عدم مطابقت ان کو ضعیف کر دیتی ہے“

دیکھا آپ نے! یہاں محدثین کی نقل کردہ روایات کو سند قوی تر ہونے کے باوجود آپ نے انہیں ناقابل ترجیح قرار دیا چونکہ وہ آپ کی مزعومہ کی نفی کرتی ہیں۔



## عبارت نمبر ۹

لفظ ”سجدہ“ کی تحقیق کے لئے بائبل میں بکثرت مثالیں آپ کو ملتی ہیں

تفہیم القرآن ۲ ۳۳۱ یوسف ۱۳

حاشیہ ۶۹: ”عمود میں لکھا ہے کہ جب حضرت یعقوب کی آمد کی خبر دارا سلطنت میں پہنچی تو حضرت یوسف سلطنت کے بڑے امراء و اہل مناصب اور فوج خزانہ کو لے کر ان کے استقبال کیلئے نکلے اور پورے ترک و احتشام کے ساتھ ان کو شہر میں لائے وہ دن وہاں جشن کا دن تھا عورت مرد بچے سب اس جلوس کو دیکھنے کے لئے اکٹھے ہو گئے تھے اور سارے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔“

حاشیہ ۷۰: اس لفظ ”سجدہ“ سے بکثرت لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ ایک گروہ نے تو اسی سے استدلال کر کے بادشاہوں اور پادشاهوں کے لئے سجدہ تعظیسی کا جواز نکال لیا۔ دوسرے لوگوں کو اس قباحت سے بچنے کے لئے اس کی یہ توجیہ کرنی پڑی کہ اگلی شریعتوں میں صرف سجدہ عبادت غیر اللہ کے لئے حرام تھا باقی رہا وہ سجدہ جو عبادت کے جذبہ سے خالی ہو تو وہ خدا کے سوا دوسروں کو بھی کیا جاسکتا تھا البتہ شریعت محمدی میں ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لئے حرام کر دیا گیا۔ لیکن ساری غلط فہمیاں دراصل اس وجہ سے پیدا ہوئی ہیں کہ لفظ ”سجدہ“ کو موجودہ اسلامی اصطلاح کا ہم معنی سمجھ لیا گیا، یعنی ہاتھ گھٹنے اور پیر پٹائی زمین پر ٹکانا حالانکہ سجدہ کے اصل معنی محض جھکنے کے ہیں اور یہاں یہ لفظ اسی معنوم میں استعمال ہوا ہے۔ قدیم تہذیب میں یہ عام طریقہ تھا (اور آج بھی بعض ملکوں میں اس کا رواج ہے) کہ کسی کا شکریہ ادا کرنے کے لئے یا کسی کا استقبال کرنے کے لئے یا محض سلام کرنے کے لئے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی حد تک آگے کی طرف جھکتے تھے۔ اسی جھکاؤ کے لئے عربی میں سجود اور انگریزی میں (Bow) کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ بائبل میں اس کی بکثرت مثالیں ہم کو ملتی ہیں کہ قدیم زمانے میں یہ طریقہ آداب

تہذیب میں شامل تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے خیمہ کی طرف تین آدمیوں کو آتے دیکھا تو وہ ان کے استقبال کے لئے دوڑے اور زمین تک جھکے۔ عربی بائبل میں اس موقع پر جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں: فلما نظر رکض لاستقبالہم من باب الخیمۃ ومسجد الی الارض۔ الخ۔

### تنبیہ

۱۔ تلمود کے لکھنے پر آپ کو اعتماد ہے اور اسی کی بنیاد پر یہاں حضرت یوسف کی کیفیت استقبال کو تحریر فرمایا ہے۔

۲۔ لفظ سجدہ کی تحقیق میں آپ کو بائبل میں بکثرت مثالیں ملی ہیں انگریزی و عربی بائبل میں اس موقع پر جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

آپ کی یہ عبارات صاف بتا رہی ہیں کہ جناب نے متن قرآن کی آزاد ترجمانی کے لئے بحیثیت شرح بائبل کے اردو عربی انگریزی تینوں ایڈیشنوں کو سامنے رکھ کر بھرپور استفادہ کیا ہے جیسا کہ تفہیم ج ۵ ص ۱۲۵ حاشیہ ۵۰ میں بھی بائبل کے ان تینوں ایڈیشنوں کے سامنے رکھنے کا حوالہ ہے۔ سبحان اللہ یہ ہے آپ کی تفہیم کی شان؟ کہ اوپر سے نام رکھا ہے تفہیم القرآن اور اندر میں بائبل کی تفہیم ہو رہی ہے۔ قارئین کرام! کیا اب بھی آپ کو اس تفہیم کے متعلق ”تفہیم بائبل“ ہونے میں

شک ہے؟

ہم نے جناب مولانا مودودی مرحوم کی ان تحریرات ہی کی بنیاد پر آپ کی اس تفہیم خاص کا نام ”تفہیم بائبل“ رکھا ہے کس طرح انکار کیا جاسکتا ہے کہ جناب نے تفہیم القرآن کی تصنیف میں بائبل سے بحیثیت مستند ماخذ استفادہ نہیں کیا ہے؟ اور بائبل آپ کے پیش نظر نہیں رہی ہے؟ دیکھئے تفہیم ج اول ص ۴۲۴-۴۲۵ حاشیہ ۲۰۵ میں بائبل کی کتاب زبور و امثال سلیمانی اور کتاب ایوب کو پڑھتے وقت آپ کو کیا محسوس ہوا؟ اس حاشیہ میں تین مرتبہ ”پڑھئے“ کا لفظ آپ نے استعمال کیا ہے علاوہ ان میں دیا چہ تفہیم ص ۸ پر قرآن پاک کے انگریزی تراجم میں بھی بے اثری پیدا کرنے کے اسباب پر آپ تنقید

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انگریزی تراجموں میں اس سے بھی زیادہ بے اثری پیدا کرنے کا ایک سبب یہ ہے کہ بائبل کے ترجمے کی بیرونی میں قرآن کی ہر آیت کا ترجمہ الگ الگ نمبر وار درج کیا جاتا ہے۔“

لیکن صرف آپ کی تحریر سے ہم کس طرح مان لیں کہ انگریزی مترجمین قرآن نے بائبل کے تراجم ضرور دیکھے ہیں۔ اور بائبل کے ترجمے کی بیرونی میں قرآن کی ہر آیت کا ترجمہ کیا ہے کیونکہ اگر آپ بائبل کے تراجم نہ دیکھتے تو انگریزی تراجم کے متعلق یہ تنقید کس طرح کر سکتے تھے؟

سوال یہ ہے کہ انگریزی مترجمین نے کیا یہ کہا ہے کہ انہوں نے بائبل کے تراجم کے بیرونی میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا ہے؟ جواب نفی میں ہے تو بات کیا ہے؟ المرء یفیس علی نفسه انسان اپنے اوپر دوسروں کو قیاس کرتا ہے کہ جس طرح جناب مودودی مرحوم نے تفہیم میں استفادہ کیا ہے تو اپنے اس استفادہ کی راہ ہموار کرنے کے لئے آپ نے یہ بات لکھ دی کہ وہ متن تنہا بائبل کی راہ چلنے والے نہیں ہیں بلکہ انگریزی مترجمین قرآن نے بھی بائبل کے ترجمے کی بیرونی میں قرآن کی ہر آیت کا نمبر دار الگ الگ ترجمہ کیا ہے۔ اس لئے خلاصہ یہی نکلا کہ جس طرح انگریزی مترجمین کا طریقہ کار غلط ہے اسی طرح آپ کا بھی طریقہ کار غلط اور مردود ہے۔

### عبارت نمبر ۱۰

شہادت کے لئے قرآن پاک کے ساتھ ساتھ بائبل کو بھی پیش کیا گیا ہے

طہ ۲۰

۹۳

تفہیم القرآن ۳

”آجے چل کر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی یہ کنوڑی دور ہو گئی تھی اور وہ خوب زوردار تقریر کرنے لگے تھے چنانچہ قرآن میں اور بائبل میں ان کی بعد



کے دور کی جو تقریریں آئی ہیں وہ کمال فصاحت و طلاقت لسانی کی شہادت دیتی ہیں۔

یہ بات عقل کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ہنگامے یا توسلے کو اپنا رسول مقرر فرمائے رسول ہمیشہ مثل صورت شخصیت اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بہترین لوگ ہوتے ہیں جن کے ظاہر و باطن کا ہر پہلو دلوں اور نگاہوں کو متاثر کرنے والا ہوتا تھا کوئی رسول کسی ایسے عیب کے ساتھ نہیں بھیجا گیا اور نہیں بھیجا جاسکتا تھا جس کی بنا پر وہ لوگوں میں مستحکم بن جائے یا حقارت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

حاشیہ ۱۶۔ بائبل کی روایت کے مطابق حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے تین برس بڑے تھے (خروج ۷: ۷)۔

### تنبیہ

۱۔ اس عبارت میں آپ نے حضرت موسیٰ کی کمال فصاحت و طلاقت لسانی کی شہادت کے لئے قرآن پاک کے ساتھ ساتھ بائبل کو بھی ذکر فرمایا ہے بتائیے کہ قرآن اور موجودہ بائبل میں کیا مناسبت ہے؟ قرآن تو ہر طرح کی تحریف و تبدیل سے محفوظ ہے کیا بائبل کی بھی یہی حیثیت ہے؟ پھر قرآن کی شہادت کے ساتھ بائبل کی شہادت کا ذکر کرنے کا یہ مطلب صاف نہیں ہے کہ جناب مولانا مودودی صاحب کو بائبل پر بھی ویسے ہی اعتماد ہے جیسا کہ قرآن پر۔

۲۔ وَأَخْلَلْ عَقْدَةً مِّنْ بَيْتَانِي (پ ۱۶۔ طہ آیت ۲۷) کی آپ نے یہ آواز ترجمانی کی ہے

”اور میری زبان کی گرہ سلجھا دے“

اس آیت پاک کے حاشیہ ۱۵ کو ملاحظہ کیجئے کہ آپ نے اس کی تشریح بائبل کی کتاب خرد ۱۰۔ ۳ سے اور تلمود کے لمبا چوڑا قصہ کی بنیاد پر کی ہے۔

علاوہ ازیں آپ نے تحریر کیا ہے کہ ”لیکن عقل اسے سننے سے انکار کرتی ہے“

پھر اپنی عقل کی توجیہ ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں ”قرآن کے الفاظ سے جوبات ہماری سمجھ میں آتی ہے“

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ جناب سید مودودی صاحب نے فرعون کے طعنہ کی بنیاد پر اس جگہ قرآن پاک کے الفاظ کو اپنی سمجھ سے بیان کیا ہے جیسا کہ آگے چل کر خود ہی لکھتے ہیں

”یہی چیز تھی جس کا فرعون نے ایک مرتبہ ان کو طعنہ دیا کہ ”یہ شخص تو اپنی بات بھی پوری طرح بیان نہیں کر سکتا لَا يَكْنُزُ نَبِيْنِ (الزخرف ۵)“

اب سوال یہ ہے کہ سید مودودی صاحب کی سمجھ کو فرعون کے طعنہ سے کیا مناسبت ہے؟ (اگلی بات بادلِ خواستہ انتہائی مجبوری میں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مودودی صاحب کے نام میں بھی جارحیت ہے) اگر تکلیف ہو تو میری طرف سے معذرت قبول فرمائیں) اور مودودی صاحب کے کام کے ساتھ ان کے نام ابو الاعلیٰ کی بھی اصلاح کی جائے اس کی وجہ بظاہر یہی سمجھ میں آتی ہے کہ فرعون نے دعویٰ کیا تھا اَنَّا رَبُّكَمُ الْاَعْلٰی اور جناب مولانا مودودی صاحب مرحوم ابو الاعلیٰ یعنی اعلیٰ فرعون کے بھی باپ بلکہ اعلیٰ تو اللہ جل شانہ کی صفت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی اور آپ ہیں ابو الاعلیٰ کیا مطلب ہوا؟ فرعون ہی کے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھی باپ العیاذ باللہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ اس کی شان ہے۔ رشتہ لغت و بنوت کا وہاں کہاں گذرے؟ اس لئے راقم الحروف کو آپ کی تحریرات میں اور آپ کے کام میں اشکالات تو ہیں ہی آپ کے نام کو بھی شرکیہ نام جانتا ہے آپ کا نام عبد الاعلیٰ ہونا چاہئے۔ جتنے محدثین اس نام کے گذرے ہیں وہ سب عبد الاعلیٰ ہیں، کس ایک محدث کا نام بھی ابو الاعلیٰ نہیں ہے یا دوسری وجہ میں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ جس طرح فرعون اپنے سامنے کسی کو ماننے اور گردانے کے لئے تیار نہیں تھا بالکل اسی طرح ہم جناب مولانا سید مودودی صاحب کی تحریرات میں آپ کے مزاج و افتاد طبع میں تعلقی کی شان دیکھتے ہیں کہ آپ کی تمام تحریرات انا و لا غیر کا مظہر ہونے میں اپنی مثال نہیں رکھتیں۔ بہر حال بائبل

پرستی میں آپ کی تحریرات کا ثانی نہیں اسی وجہ سے یہاں آیت پاک ہرون احسی (پ) ۱۶ آیت ۳۰ سورہ ط) کے حاشیہ ۱۶ میں آپ نے لکھا ہے  
 ”بائبل کی روایت کے مطابق حضرت ہارون حضرت موسیٰ سے تین برس بڑے تھے (خروج ۷: ۷)۔“

## عبارت نمبر ۱۱

بائبل کے بیان کے مطابق ان علاقوں کو

چھان مارنے والے کون ہیں؟

تفہیم القرآن ۳ ۱۱۲ ط ۲۰

حاشیہ ۵۹۔ ”یہ بھی ایک معجزہ تھا کیونکہ ۴۰ برس بعد جب بنی اسرائیل کے لئے خوراک کے فطری ذرائع پہنچ گئے تو یہ سلسلہ بند کر دیا گیا۔ اب نہ اس علاقے میں میٹروں کی وہ کثرت ہے نہ من ہی کہیں پایا جاتا ہے تلاش و جستجو کرنے والوں نے علاقوں کو چھان مارا ہے جہاں بائبل کے بیان کے مطابق بنی اسرائیل نے ۴۰ سال تک دشت نوردی کی تھی من ان کو کہیں نہ ملا۔ البتہ کاروباری لوگ خریداروں کو بے وقوف بنانے کے لئے من کا حلو ضرور بیچتے پھرتے ہیں۔“

## تنبیہ

من و سلوئی کی تفصیل و تشریح بائبل کی کتاب خروج و کنقی سے تحریر کرنے کے بعد آپ نے چار سطروں کی عبارت لکھی ہے۔

اب یہاں میرا سوال یہ ہے کہ بائبل کے بیان کے مطابق تلاش و جستجو کرنے کے ان علاقوں کو چھان مارنے والے کون ہیں؟ جنہوں نے بائبل کے اس بیان کو معتبر و معتد مان کر پورے علاقے کی چھان بین کی ہے؟

میرا یقین قوی ہے کہ جناب سید مولانا مودودی صاحب ہی ہیں کیونکہ آپ ہی نے تفہیم کی ترتیب اس طرح قائم کی ہے کہ سب سے پہلے اوپر قرآنی آیات ہوں پھر

برمیان میں آپ کی آزاد ترجمانی اور حواشی میں بائبل کی تلاوت کرائی جائے۔ سبحان اللہ۔ اس طرح آیات قرآنیہ کا سہارا لے کر امت مسلمہ کو آپ اپنی آزاد ترجمانی کے ذریعے سے اپنے افکار و نظریات پڑھانے کے علاوہ بہت آسانی کے ساتھ بائبل کو قرآن کے ساتھ ساتھ پڑھا دیا۔ اب کس طرح کہہ دیا جائے کہ جو کام یہودیوں نے مل کر نہیں کیا آپ نے ماشاء اللہ تنہا بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس نمایاں کارنامہ کو انجام دیا ہے کہ اوپر سے قرآن کا نام اور اندر میں بائبل کی تعلیمات؟ چہ دل آور ست و زدے کہ بکف چراغ دارد؟

## عبارت نمبر ۱۲

آپ کو نہ مفسرین پر یقین اور  
 نہ اپنی ہی بیان کردہ متی کی تحقیق پر

تفہیم القرآن ۳ ۲۸۱ المؤمنون ۲۳

حاشیہ ۳۳۔ مختلف لوگوں نے اس سے مختلف مقامات مراد لئے ہیں کوئی دمشق کہتا ہے کوئی الرملہ کوئی بیت المقدس اور کوئی مصر (۱)۔ سبھی روایات کے مطابق حضرت مریم حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے بعد ان کی حفاظت کے لئے دوسرے وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئیں۔ پہلے ہیرودیس بادشاہ کے عہد میں وہ انہیں مصر لے گئیں اور اس کی موت تک وہیں رہیں۔ پھر ارخلاؤس کے عہد حکومت میں ان کو کھیل کے شہر تھرہ میں پناہ لینی پڑی (متی ۲: ۱۳-۱۴) (۲) اب یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ قرآن کا اشارہ کس مقام کی طرف ہے۔ لغت میں رتوہ اس بلند زمین کو کہتے ہیں جو ہموار اور اپنے گرد پیش کے علاقے سے اونچا ہو۔ ذات قرار سے مراد یہ ہے کہ اس جگہ ضرورت کی سب چیزیں پائی جاتی ہوں اور رہنے والا وہاں بغراغت زندگی بسر کر سکتا ہو۔ اور معین سے مراد ہے جہاں ہوا پانی یا چشمہ جاری۔“

## تنبیہ

۱۔ اس حاشیہ ۳۳ میں سبھی روایات کے مطابق متی ۲: ۱۳-۱۴ کا حوالہ کس نے

دیا ہے؟ سید مودودی صاحب ہی نے اس کے باوجود آپ فرماتے ہیں کہ  
 ”اب یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی کہ قرآن کا اشارہ کس مقام کی  
 طرف ہے۔“

یعنی حضرات مفسرین نے جو مقامات مراد لئے ہیں اس پر تو آپ کو یقین کا  
 سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ثقف یہ کہ خود جناب والا نے متی کے حوالہ سے جو بات بیان کی  
 ہے اس پر بھی آپ کو یقین نہیں۔ جس کا خلاصہ یہ نکلا کہ نہ مفسرین پر یقین اور نہ ہی کسی پر  
 یقین۔ ایسا کیوں؟ کم از کم اپنی پسندیدہ متی کتاب بائبل کے حوالہ پر یقین کر لیتے؟

### عبارت نمبر ۱۳

آپ نے اس صورت حال میں بائبل و تلمود  
 کے بیانات کیوں نقل کئے؟

تفسیر القرآن ۳ ۶۱۸ القصص ۲۸  
 ”بائبل اور تلمود کا بیان ہے کہ وہ عورت جس نے حضرت موسیٰ کو پالنے اور  
 بیٹا بنانے کے لئے کہا تھا فرعون کی بیٹی تھی لیکن قرآن صاف الفاظ میں اسے  
 امراء فرعون (فرعون کی بیوی) کہتا ہے اور ظاہر ہے کہ صدیوں کے بعد  
 مرتب کی ہوئی زبانی روایات کے مقابلے میں براہ راست اللہ تعالیٰ کا بیان ہی  
 قابل اعتماد ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ اسرائیلی روایات سے مطابقت پیدا  
 کرنے کی خاطر عربی محاورہ استعمال کے خلاف امراء فرعون کے معنی ”فرعون  
 کے خاندان کی عورت“ کئے جائیں۔“

### تنبیہ

”ظاہر ہے کہ صدیوں بعد مرتب کی ہوئی زبانی روایات کے  
 مقابلے میں براہ راست اللہ تعالیٰ کا بیان ہی قابل اعتماد ہے۔“

تو پھر آپ نے اس صورت حال میں بائبل و تلمود کے بیانات کیوں نقل کئے؟ پھر یہ بتلایا  
 جائے کہ جناب مودودی صاحب کے علاوہ اسرائیلی روایات سے مطابقت کس نے پیدا

کی؟ اچھا اگر امراء فرعون کا معنی فرعون کے خاندان کی عورت کئے جائیں تو کیا خرابی  
 اور نقصان لازم آئے گا؟

آپ نے لکھا ہے کہ یہ عربی محاورہ استعمال کے خلاف ہے۔ بلکہ حقیقت یہ  
 ہے کہ آپ نے اس عبارت سے اصل میں بعض روایات کی تردید کی ہے ملاحظہ ہو ترجمہ  
 شیخ الہند میں فوائد عثمانی حاشیہ ۴ کو فرماتے ہیں کہ

”بعض روایات میں ہے کہ فرعون نے کہا ”لک لالی“ (تیری آنکھوں کی  
 ٹھنڈک ہوگی میری نہیں) تقدیر ازلٰی یہ الفاظ اس ملعون کی زبان سے کہلا رہی  
 تھی آخر وہ ہی ہوا“

قارئین کرام! امراء فرعون کے معنی ”فرعون کے خاندان کی عورت“ کرنا خواہ  
 مخواہ نہیں بلکہ حدیث پاک کی بعض روایات سے مطابقت ہے مگر جناب مودودی صاحب  
 کی بدبختی و علمی خیانت کو کیا کہیں کہ آپ نے اس کو اسرائیلی روایات کا عنوان دیا ہے آپ  
 نے یہ نہ چاہا کہ قرآن کا ترجمہ حدیث سے مطابقت کی بنیاد پر ہو۔ ورنہ کیا ضرورت تھی  
 امراء فرعون کے معنی کھود کرید کرنے کی؟ یعنی قرآن پاک میں ہے لی و لک کہ فرعون  
 کی بیوی نے کہا کہ ہم دونوں کے لئے یہ بچہ آنکھوں کی ٹھنڈک ہے جب کہ حدیث میں  
 ہے کہ فرعون نے کہا لک لالی تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی میری نہیں چنانچہ اللہ کا  
 کرنا ایسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت آسیہ کی آنکھ کی ٹھنڈک اور فرعون کی آنکھ کا  
 کاٹنا ہی ہوئے وکل ما قدر اللہ فو کائن غور کیجئے کہ اس میں کون سی بات اسرائیلی روایات  
 کے مطابق ہو گئی؟ اور عربی محاورہ استعمال کے خلاف ہوئی؟ جب کہ یہاں پر بائبل اور  
 تلمود کے بیانات بھی آپ ہی نے نقل کئے ہیں۔ تو اس کا کیا مطلب ہے کہ خود ہی  
 اسرائیلی روایات کو نقل کریں اور خود ہی اس کی مطابقت پیدا نہ ہونے دیں؟ اور الزام  
 رکھیں دوسروں پر؟





## عبارت نمبر ۱۴

بائبل کے نئے عہد ناموں سے حضرت موسیٰ کی عمر کی تعیین

تفہیم القرآن ۳

۶۲۰

المقصود ۲۸

حاشیہ ۱۸۔ یعنی جب ان کا جسمانی و ذہنی نشوونما مکمل ہو گیا۔ یہودی روایات میں اس وقت حضرت موسیٰ کی مختلف عمریں بتائی گئی ہیں۔ کسی نے ۱۸ سال لکھی ہے کسی نے ۲۰ سال اور کسی نے ۴۰ سال بائبل کے نئے عہد ناموں میں ۴۰ سال عمر بتائی گئی ہے (اعمال ۷: ۲۳) لیکن قرآن کسی عمر کی تصریح نہیں کرتا جس مقصد کے لئے قصہ بیان کیا جا رہا ہے اس کے لئے بس اتنا ہی جان لینا کافی ہے کہ آگے جس واقعہ کا ذکر ہو رہا ہے وہ اس زمانے کا ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام شباب کو پہنچ چکے تھے۔

## تنبیہ

دیکھئے! یہاں پر جناب سید مودودی صاحب نے بائبل کے نئے عہد ناموں کی بنیاد پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر مبارک ۴۰ سال بتلائی ہے اور پھر خود ہی لکھتے ہیں کہ "لیکن قرآن کسی عمر کی تصریح نہیں کرتا"

اب سوال یہ ہے کہ جب قرآن کسی عمر کی تعیین و تفصیل نہیں بیان کرتا ہے تو آپ نے یہودی روایات اور نئے عہد ناموں سے عمر کی تعیین و تفصیل کیوں بتلائی؟ اسی لئے کہ آپ کے نزدیک قرآن پاک ایک متن ہے جس کی تشریح و تصریح کے لئے یہودیوں کے بنائے ہوئے نئے عہد ناموں سے بہتر کوئی معتد و مستبر ذریعہ تصریح نہیں ہے؟ جب کہ عہد ناموں کی تمام کتابیں خواہ وہ عہد متیق کی ہوں یا عہد جدید کی سب کی صحت میں خود قدامت کچھین کا بھی سخت اختلاف ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوا اظہار الحق ج اول ۲۰۵۔



## عبارت نمبر ۱۵

زنا کے متعلق بائبل کے حکم میں صرف یہ ایک قصور ہے

تفہیم القرآن ۳

۳۴۰

النور ۲۳

بعض زنا کی تعریف جو مختلف قوانین میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ "کوئی مرد خواہ وہ کنوارا ہو یا شادی شدہ کسی ایسی عورت سے مباشرت کرے جو کسی دوسرے شخص کی بیوی نہ ہو" اس تعریف میں اصل اعتبار عرو کی حالت کا نہیں بلکہ عورت کی حالت کا کیا گیا ہے۔ عورت اگر بے شوہر ہے تو اس سے مباشرت محض زنا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ مرد بیوی رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو قدیم مصر بائبل آشور (اسریا) اور ہندوستان کے قوانین میں اس کی سزا بہت ملکی تھی اسی قاعدے کو یونان اور روم نے اختیار کیا اور اسی سے آخر کار یہودی بھی متاثر ہو گئے۔ بائبل میں صرف ایک ایسا قصور ہے جس سے مرد پر محض مالی تاوان واجب آتا ہے۔ کتاب "خروج" میں اس کے متعلق جو حکم ہے اس کے الفاظ یہ ہیں: "اگر کوئی آدمی کسی کنواری کو جس کی نسبت (یعنی ملکی) نہ ہوئی ہو پھسلا کر اس سے مباشرت کر لے تو وہ ضرور ہی اسے مہر دے کر اس سے بیاہ کر لے لیکن اگر اس کا باپ ہرگز راضی نہ ہو کہ اس لڑکی کو اسے دے تو وہ کنواریوں کے مہر کے موافق (یعنی جتنا مہر کسی کنواری لڑکی کو دیا جاتا ہو) اسے نقدی دے"۔ (باب ۲۲ آیت ۱۶-۱۷)

## تنبیہ

۱۔ زنا کے متعلق بائبل میں جو حکم ہے اس کو آپ نے باب ۲۲ آیت ۱۶-۱۷ سے نقل کیا ہے۔ لیکن اس سے قبل جناب مودودی صاحب خود یہ لکھتے ہیں کہ "بائبل میں یہ صرف ایک ایسا قصور ہے..."

کیا اس جملہ کا صاف مطلب یہ نہیں کہ بائبل کو آپ ہر طرح سے محفوظ مانتے ہیں اور اگر اس کی کوئی گمانتے بھی ہیں تو صرف اس ایک قصور کو اور بس حالانکہ بائبل کی غلطیاں مشہور و مسلم ہیں جیل کیلئے ملاحظہ ہو۔ (اظہار الحق کا ترجمہ بائبل سے قرآن تک ج اول مکمل)

## عبارت نمبر ۱۶

بائبل کی کتاب الاعمال اور اقتباسات تلمود  
کی بنیاد پر حضرت موسیٰ کی تعلیم و تربیت

تفہیم القرآن ۳ ۶۲۱ انقصص ۲۸

”اس زمانہ بخاںزادگی کی تعلیم و تربیت کے متعلق بائبل کی کتاب الاعمال میں بتایا گیا ہے کہ موسیٰ نے مصریوں کے تمام علوم کی تعلیم پائی اور وہ کام اور کام میں قوت والا تھا“ (۲۳:۷) تلمود کا بیان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں ایک خوبصورت جوان بن کر اٹھے۔ شاہزادوں کا لباس پہنتے شاہزادوں کی طرح رہتے اور لوگ ان کی نہایت تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ وہ اکثر جشن کے علاقے میں جاتے جہاں اسرائیلیوں کی بستیاں تھیں اور ان تمام خیتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے جوان کی قوم کے ساتھ قبلی حکومت کے ملازمین کرتے تھے۔ انہیں کی کوشش سے فرعون نے اسرائیلیوں کے لئے ہنٹ میں ایک دن چھٹی مقرر کی۔ انہوں نے فرعون سے کہا کہ دام اسلحہ مسلسل کام کرنے کی وجہ سے یہ لوگ کمزور ہو جائیں گے اور حکومت ہی کے کام کا نقصان ہوگا۔ ان کی قوت بحال ہونے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں ہنٹ میں ایک دن آرام کا دیا جائے۔ اسی طرح اپنی دامانی سے انہوں نے اور بہت سے ایسے کام کئے جن کی وجہ سے تمام ملک مصر میں ان کی شہرت ہو گئی تھی۔“ (اقتباسات تلمود ص ۱۲۹)

## تنبیہ

دیکھئے! اس میں بھی جناب سید مودودی صاحب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم و تربیت کے متعلق بائبل کی کتاب الاعمال اور اقتباسات تلمود پر بھرپور اعتماد فرمایا ہے۔ اب کیا رائے ہے آپ کے متعلق؟ کہ آپ نے بائبل پرستی کی ہے یا نہیں؟

## عبارت نمبر ۱۷

بائبل اور تلمود سے حضرت موسیٰ اور قارون کا نسب نامہ

حاشہ ۹۵۔ ”قارون جس کا نام بائبل اور تلمود میں قورح (Korah) بیان کیا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا بائبل کی کتاب خروج باب ۶ آیت ۱۸۔ ۲۱ میں جو نسب نامہ درج ہے اس کی رو سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور قارون کے والد باہم تھے بھائی تھے قرآن مجید میں دوسری جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ شخص بنی اسرائیل میں سے ہونے کے باوجود فرعون کے ساتھ جا ملا تھا اور اس کا مترب بن کر اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کے مقابلے میں فرعون کے بعد مخالفت کے جو دوسب سے بڑے سرغنہ تھے ان میں سے ایک یہی قارون تھا“

## تنبیہ

تفہیم کے اس صفحہ ۶۲۱۔ ۹۵ میں ملاحظہ کیجئے کہ آپ نے بائبل اور تلمود سے حضرت موسیٰ اور قارون کا نسب نامہ ذکر کیا ہے جب کہ قرآن پاک اس کے متعلق خاموش ہے تو شرعاً و اصولاً جہاں قرآن نے سکوت کیا ہو اس کی تصریح و تفصیل بائبل سے کرنا آپ کے نزدیک جائز ہے؟ تو جواز کی دلیل بتلائیے؟

## عبارت نمبر ۱۸

بائبل کے بیان سے حضرت نوح کی عمر مبارک کی تعیین

تفہیم القرآن ۳ ۶۸۵ العنکبوت ۲۹

حضرت نوح کی عمر کے بارے میں قرآن مجید اور بائبل کے بیانات ایک دوسرے سے مختلف ہیں بائبل کا بیان ہے کہ ان کی عمر ساڑھے نو سو سال تھی۔ وہ چھ سو برس کے تھے جب طوفان آیا اور اس کے بعد ساڑھے تین سو برس اور زندہ رہے (پیدائش۔ باب ۷ آیت ۱۔ باب ۹ آیت ۲۹)

## تنبیہ

سوال یہ ہے کہ جب بائبل کے بیانات قرآن سے مختلف ہیں تو آپ نے قرآن کے مقابلہ میں بائبل کے مختلف بیانات کو کیوں اپنی تفہیم کی زینت بنائی؟ قرآن پاک کا بائبل سے کیا مقابلہ اور جوڑ؟

## عبارت نمبر ۱۹

آپ نے اس حاشیہ میں چار بڑی غلطیاں کی ہیں

تفہیم القرآن ۴ ۱۸۰ سہا ۲۳

حاشیہ ۲۰ اصل میں لفظ قماریل استعمال ہوا ہے جو تماشل کی جمع ہے۔ تماشل عربی زبان میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی قدرتی شے کے مشابہ بنائی جائے قطع نظر اس سے کہ وہ کوئی انسان ہو یا حیوان کوئی درخت ہو یا پھول یا دریا یا کوئی دوسری بے جان چیز۔ التمثال اسم للشيء المصنوع مشبهاً بخلق من خلق الله (لسان العرب) تماشل نام ہے ہر اس مصنوعی چیز کا جو خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کے مانند بنائی گئی ہو۔ التمثال کمال حاصل اور علی صوره غیرہ من حیوان وغیرہ حیوان۔ (تفسیر کشاف) تماشل ہر اس تصویر کو کہتے ہیں جو کسی دوسری چیز کی صورت کے مماثل بنائی گئی ہو خواہ وہ جان دار ہو یا بے جان۔ اس بنا پر قرآن مجید کے اس بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جو تماشل بنائی جاتی تھیں وہ ضرور انسانوں اور حیوانوں کی تصاویر یا ان کے مجسمے ہی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پھول چٹاں اور قدرتی مناظر اور مختلف قسم کے نقش و نگار ہوں جن سے حضرت سلیمان نے اپنی قراروں کو آراستہ کر لیا ہو۔

غلط فہمی کا خفا بعض مفسرین کے یہ بیانات ہیں کہ حضرت سلیمان نے انبیاء اور ملائکہ کی تصویریں بنوائی تھیں۔ یہ باتیں ان حضرات نے بنی اسرائیل کی روایات سے اخذ کر لیں اور پھر ان کی توجہ سے کہ یہ چھٹی شریعتوں

میں اس قسم کی تصویریں بنانا ممنوع تھا لیکن ان روایات کو ملاحظہ فرمائیں کرتے ہوئے ان بزرگوں کو یہ خیال نہ رہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جس شریعت موسوی کے پیرو تھے اس میں بھی انسانی اور حیوانی تصاویر اور مجسمے اسی طرح حرام تھے جس طرح شریعت محمدیہ میں حرام ہیں۔ اور وہ یہ بھی بھول گئے کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو حضرت سلیمان سے جوہر اوت تھی اس کی بنا پر انہوں نے آنجناب کو شرک و بت پرستی اور جادوگری اور زنا کے بدترین الزامات سے متحمس کیا ہے اس لئے ان کی روایات پر اعتماد کر کے اس جلیل القدر پیغمبر کے بارے میں کوئی ایسی بات ہرگز قبول نہ کرنی چاہئے جو خدا کی بھیجی ہوئی کسی شریعت کے خلاف پڑتی ہو۔ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بنی اسرائیل میں جتنے انبیاء بھی آئے ہیں وہ سب توراۃ کے پیرو تھے اور ان میں سے کوئی بھی نئی شریعت نہ لایا تھا جو توراۃ کے قانون کی تائید ہوئی اب توراۃ کو دیکھئے تو اس میں بار بار براحت یہ حکم ملتا ہے کہ انسانی اور حیوانی تصویریں اور مجسمے قطعاً حرام ہیں۔ الخ۔

## تنبیہ

۱۔ یہ باتیں ان حضرات نے بنی اسرائیل کی روایات سے اخذ کر لیں

آپ کا یہ جملہ ”دوسروں کو نصیحت اور اپنی ذات کو نصیحت“

کا مصداق ہے خود کو جناب مودودی صاحب فراموش کر کے حضرات مفسرین کے متعلق فرماتے ہیں کہ انہوں نے بنی اسرائیل کی روایات سے اخذ کی ہیں اَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْهَوْنَ عَنْفُسَكُمْ فَذَلِ الَّذِي فِيكُمْ يَخْتَارُ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا لَمْ يَقُولُوا لَا تَفْعَلُوا ۖ اَلَا تَفْعَلُونَ سَبَّحْتَ عِنْدَ اللَّهِ اَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (پ ۱۸ القف آیت ۲-۳)

کے حاشیہ ۲ میں اس ارشاد کا دو ۲۰ مدعا عام و خاص آپ نے ذکر کیا ہے ہم یحییٰ آپ کے عام مدعا کو یہاں نقل کرتے ہیں:

”پہلا مدعا یہ ہے کہ ایک سچے مسلمان کے قول اور عمل میں مطابقت ہونی



چاہئے جو کچھ کہے اسے کر کے دکھائے اور کرنے کی نیت یا ہمت نہ ہو تو زبان سے بھی نہ نکالے کہنا کچھ اور کرنا کچھ یہ انسان کی ان بدترین صفات میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہایت مبغوض ہیں کیا کہ ایک ایسا شخص اس اخلاقی عیب میں مبتلا ہو جو اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص میں اس صفت کا پایا جانا ان علامات میں سے ہے جو ظاہر کرتی ہیں کہ وہ مؤمن نہیں بلکہ منافق ہے۔ اے...

قارئین کرام! غور فرمائیے کہ خود جناب مودودی صاحب ہی تفہیم ج ۵ کے حاشیہ ۲ میں لکھی ہوئی اپنی ان تحریرات کے مصداق ہیں یا نہیں؟ کہ خود تفہیم میں بائبل کی عبارات و روایات کی بھرمار کریں اور حضرات مفسرین کے متعلق لکھیں کہ انہوں نے بنی اسرائیل کی روایات سے باتیں اخذ کی ہیں۔ سبحان اللہ!

۲۔ اور آپ نے اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ آگے ترقی کر کے تحریر کرتے ہیں کہ ”لیکن ان روایات کو بلا تحقیق نقل کرتے ہوئے ان بزرگوں کو یہ خیال نہ رہا۔ اے...“

لفظ ”لیکن“ اس استثنائی جملہ سے آپ نے ان پر بلا تحقیق نقل کرنے کا الزام لگاتے ہوئے اپنی علمی تحقیق کا مظاہرہ فرمایا ہے یعنی جس طرح آپ نے بائبل سے خوش چینی کر کے علمی تحقیق کا ثبوت دیا ہے اس طرح سے حضرات مفسرین نے تحقیق سے کوئی بات نقل نہیں کی۔ لاجول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔

۳۔ ص ۱۸۰ تفہیم ج ۳ کے اسی حاشیہ ۲۰ پر بائبل سے چار احکام خود آپ نے نقل کئے ہیں اور ان ہی احکام بائبل کی بنیاد پر حضرات مفسرین پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

”حضرت سلیمان علیہ السلام جس شریعت موسیٰ کے پیرو تھے اس میں بھی انسانی و حیوانی تصاویر اور مجسمے اسی طرح حرام تھے جس طرح شریعت محمدیہ میں حرام ہیں“

غور طلب بات یہ ہے کہ بائبل کی کتاب خروج باب ۲۰ آیت ۴ احبار باب ۲۶ ت ۱ استثناء باب ۴ آیت ۱۶ اور استثناء باب ۲۷ آیت ۱۵ کے ذریعہ سے آپ نے

حضرات مفسرین پر بلا تحقیق نقل کرنے کا الزام لگا کر کتنے اچھے انداز میں بائبل کی تلاوت کرائی ہے؟ کہ دیکھنے والا عام قاری یہی سمجھے گا کہ یہاں تو جناب مودودی صاحب بزرگوں کے بلا تحقیق نقل کرنے پر تنقید کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسی غلط تنقید کے پردہ میں آپ نے بائبل کی حقانیت دلوں میں اتارنے کی کوشش کی۔ ہے جب کہ آپ کی یہ تنقید احادیث شریفہ کی بنیاد پر قطعاً نہیں ہے۔ چنانچہ ص ۱۸۱ پر لکھتے ہیں کہ ”ان صاف اور صریح احکام کے بعد... اے...“

دیکھئے! یہاں اس عبارت میں آپ نے بائبل کے احکام کو صاف اور صریح فرمایا ہے اور ظاہری بات ہے کہ بائبل کے احکام کو صاف اور صریح وہی کہہ سکتا ہے جو یہودی ذہن رکھتا ہو کہ اس میں کسی بھی قسم کی تحریف نہیں ہوئی ہے۔

۴۔ اسی حاشیہ ۲۰ کے شروع میں لفظ تمثال کی (کشاف اور لسان العرب کے حوالہ سے) جو تحقیق پیش کی ہے اس کے متعلق یہ انکشاف ہو جا ضروری ہے کہ یہ آپ کی قطعاً اپنی ذاتی تحقیق نہیں ہے بلکہ علامہ زبخری کی عبارت کا ترجمہ اور بقول آپ کے یہ آزاد ترجمانی ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس آیت پاک کا فائدہ بتلاتے ہوئے حاشیہ میں یہ عربی عبارت صاف صاف تحریر فرمائی ہے ”هذا مبني على احد القولين والقول الاخر ان يحمل على غير صور الحيوان كصور الاشجار لان التمثال كل ماصور على امثل صورة غيره من الحيوان او غير حيوان كما قاله الزمخشري فلا يحتاج الى النسخ“

قارئین کرام! ذرا اس عبارت کے نیچے مولانا مودودی کی ڈھائی سطر کی اس عبارت کو

”(اس بناء پر قرآن مجید کے اس بیان سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سلیمان کے لئے وہ ضرور انسانوں اور حیوانوں کی تصاویر یا ان کے مجسمے ہی ہوں گے ہو سکتا ہے کہ وہ پھول پتیاں ہوں اور قدرتی مناظر اور مختلف قسم کے نقش و نگار ہوں جن سے حضرت سلیمان نے اپنی عمارتوں کو آراستہ کرایا ہو۔“)

رکھ کر دیکھ لیجئے تو صاف صاف سمجھ میں آجائے گا کہ جناب سید مودودی نے

انتحال کر کے علمی خیانت کی ہے یعنی علامہ زبختری کی تحقیق کو اپنی ذاتی تحقیق کے طور پر پیش کیا ہے کاش حضرت تھانویؒ کی طرح جناب مولانا سید مودودی بھی اپنی اس دھاندلی سطری آواز ترجمانی کی بنیاد صاف صاف نقل کر دیتے تو ایک علامہ زبختری کی اس تحقیق کو ان کے نام سے جانتے اور جناب مودودی صاحب کو ناقل محض سمجھتے مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آپ کی تصویر ناقل محض کی حیثیت سے سامنے آئے؟ آپ تو ماشاء اللہ محقق المفسر ہیں؟

۵۔ ص ۱۸۱ پر آپ لکھتے ہیں

”تاہم مفسرین نے تو بنی اسرائیل کی یہ روایات نقل کرنے کے ساتھ ساتھ

اس امر کی صراحت کر دی تھی کہ شریعت محمدؐ یہ نہیں یہ فعل حرام ہے“

مفسرین میں سے کسی نے بھی اس جگہ بنی اسرائیل کی روایات نقل نہیں کی ان کی روایات کو جناب مولانا مودودی صاحب نے نقل کی ہے جیسا کہ شروع میں راقم الحروف باحوال لکھ چکا ہے کہ ص ۱۸۰ پر بائبل کی چار عبارات خود آپ نے درج کی ہیں تاکہ قرآن کے ساتھ ساتھ بائبل بھی پڑھی جاتی رہے۔ سبحان اللہ۔ اس موقع پر حضرات مفسرین نے تو صرف یہ لکھا ہے کہ شریعت محمدؐ یہ نہیں یہ فعل حرام ہے آپ نے ان کے بیانات و تحقیقات کو اپنی طرف سے گڑھ کر کے اسرائیلی روایات کا نام خلاف واقعہ دے دیا۔ سبحک ہذا بہتان عظیم اور اگر اس موقع پر کسی بھی مفسر نے اسرائیلی روایات مودودی صاحب کی طرح نقل کی ہوں تو ان کی نشاندہی کی جائے۔

علاوہ ازیں آپ کی اس عبارت کے متعلق دراصل مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ عایجاہا؟ جب مفسرین کے بیانات بقول آپ کے بنی اسرائیل کی روایات ہی سے با تحقیق مانو تو آپ نے ان کو تسلیم کس طرح کیا؟ جیسا کہ آپ کی عبارت سے صاف واضح ہے بلکہ مفسرین کی ان تحقیقات ہی کی بنیاد پر (جن کو آپ نے جسارت کر کے اسرائیلیات کا عنوان دے دیا ہے) آپ نے ماشاء اللہ مقلدین یورپ پر تنقید بھی کی ہے اور مقلدین مغرب کے استدلال کو دو وجوہ سے غلط بھی بتلایا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ص ۱۸۰ میں حضرات مفسرین کی جو باتیں مولانا مودودی صاحب کے نزدیک بلا تحقیق تھیں اور اسرائیلیات پر مشتمل تھیں وہ اچانک ص ۱۸۱ پر مستند ترین کس طرح بن گئیں؟ کہ ان ہی کی بنیاد پر مقلدین مغرب پر جناب نے تنقید بھی کر ڈالی۔ لہذا خلاصہ یہ ہے کہ ص ۱۸۰ اور ص ۱۸۱ میں آپ نے چار غلطیاں کی ہیں (۱) حضرت سلیمانؑ کی شریعت موسیٰ کی پیروی و اتباع کے متعلق بائبل کی کتابوں کی بنیاد پر لکھا ہے جب کہ احادیث شریفہ کی بنیاد پر لکھا چاہئے اور اسی بائبل کی بنیاد پر آپ نے حضرات مفسرین پر غلط تنقید کر کے ان کی تحقیقات کو اسرائیلیات کا نام دے دیا۔ (۲) لفظ تعثال میں آپ نے اتحال کر کے علمی خیانت کی ہے (زندگی رہی اور اللہ تعالیٰ کی تائید شامل حال ہو گئی تو جناب مودودی صاحب کے جملہ اتحالات کو ایک کتابی شکل میں پیش کروں گا انشاء اللہ) (۳) آپ نے ص ۱۸۰ میں حضرات مفسرین کی جس بات پر خلاف تحقیق ہوئے کا حکم لگایا ہے اسی کو بعد میں ص ۱۸۱ پر مستند ترین تسلیم کر لیا۔ (۴) حضرات مفسرین پر غلط تنقید کرتے ہوئے مودودی خوبصورتی سے عمدہ و احسن طریقہ پر بائبل کے احکام کی تلاوت کرادی۔

## عبارت نمبر ۲۰

بائبل سے حضرت الیاسؑ کی فریاد رسی کے الفاظ

الصفحت ۳۷

۳۰۳

تفہیم القرآن ۳

”انہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو فریاد کی تھی اسے بائبل ان الفاظ میں نقل کرتی ہے“ بنی اسرائیل نے تیرے عہد کو ترک کیا اور تیرے مذہب کو و عباد یا اور تیرے بیویوں کو نکواری سے قتل کیا اور ایک میں ہی اکیلا بچا ہوں مودودی میری جان لینے کے درپے ہیں“ (۱۔ سلاطین ۱۹: ۱۰)

(بابت تیسروں ہی ہمارے دعا و نسخ ہے)

## بائبل کے بیانات پر اعتماد کی ایک اور مثال

تفہیم القرآن ۳ ۳۰۵ الصفت ۳۷

اس زمانے میں محل پرستی ہر اٹلیوں میں اس قدر کھس چکی تھی کہ بائبل کے بیان کے مطابق ان کی ایک بستی میں علانیہ محل کا مذبح بنا ہوا تھا جس پر قربانیاں کی جاتی تھیں۔ ایک خدا پرست اسرائیلی اس حالت کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے رات کے وقت چپکے سے مذبح کو توڑ دیا۔ دوسرے روز ایک مجمع کثیر اکٹھا ہو گیا اور وہ اس شخص کے قتل کا مطالبہ کرنے لگا جس نے شرک کے اس اڈے کو توڑا تھا (قتلاۃ ۶-۲۵-۳۲) اس صورت حال کو آخر کار حضرت سموئل طالوت داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام نے ختم کیا اور نہ صرف بنی اسرائیل کی اصلاح کی بلکہ اپنی مملکت میں بالعموم شرک و بت پرستی کو دبا دیا۔ لیکن حضرت سلیمان کی وفات کے بعد پھر یہ فتنہ ابھر اور خاص طور پر شامی فلسطین کی اسرائیلی ہویاست محل پرستی کے سیلاب میں یہ گئی۔

حاشیہ ۷۷- یعنی اس سزا سے اسے صرف وہی لوگ مستثنیٰ ہوں گے جنہوں نے حضرت الیاس کو نہ جھٹلایا اور جن کو اللہ نے اس قوم میں سے اپنی بندگی کے لئے چھانٹ لیا۔

۷۳- حضرت الیاس علیہ السلام کو ان کی زندگی میں تو بنی اسرائیل جیسا کچھ ستایا اس کی داستان اوپر گزر چکی ہے مگر بعد میں وہ ان کے ایسے گرد و دہ و شیفٹ ہوئے کہ حضرت موسیٰ کے بعد کم ہی لوگوں کو انہوں نے ان سے بڑھ کر جلیل القدر مانا ہوگا ان کے ہاں مشہور ہو گیا کہ الیاس علیہ السلام ایک گولے میں آسمان پر زندہ اٹھالے گئے ہیں (۳ مسالین باب دوم) اور یہ کہ وہ پھر دنیا میں تشریف لائیں گے چنانچہ بائبل کی کتاب ملاکی میں لکھا ہے:

”دیکھو خداوند کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پہلے میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا“ (۵:۴)

(یہاں بھی بلا تبصرہ ہی مفہوم و مدعا واضح ہے)

## حضرت یحییٰ کے متعلق بائبل کے حوالے

تفہیم القرآن ۳ ۳۰۶ الصفت ۳۷

”جب حضرت یحییٰ کی نبوت شروع ہوئی اور انہوں نے لوگوں کو اسطباغ دینا شروع کیا تو یہودیوں کے مذہبی پیشواؤں نے ان کے پاس جا کر پوچھا کیا تم مسیح ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ پھر پوچھا کیا تم ایلیاہ ہو؟ انہوں نے کہا نہیں پھر پوچھا کیا تم ”وہ نبی“ ہو؟ انہوں نے کہا میں وہ بھی نہیں ہوں تب انہوں نے کہا اگر تم نہ مسیح ہو نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر تم پیشہ کیوں دیتے ہو؟ (یوحنا: ۱۹-۲۶) پھر کچھ مدت بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا غلطہ بلند ہوا تو یہودیوں میں یہ خیال پھیل گیا کہ شاید ایلیاہ نبی آگئے ہیں (مرقس ۶: ۱۳-۱۵) خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں بھی یہ خیال پھیل ہوا تھا کہ ایلیاہ نبی آنے والے ہیں۔ مگر حضرت نے یہ فرما کر ان کی غلط فہمی کو رفع فرمایا کہ ”ایلیاہ تو آچکا“ اور لوگوں نے اسے نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔“ اس سے حواری خود جان گئے کہ دراصل آنے والے حضرت یحییٰ تھے نہ کہ آٹھ سو برس پہلے گزرے ہوئے حضرت الیاس (متی ۱۱: ۱۴ اور متی ۱۷: ۱۰-۱۳)

### تنبیہ

قدماہ مسیحین سب کے سب اور بے شمار متاخرین اتفاق رائے کے ساتھ کہتے ہیں کہ انجیل متی عبرانی زبان میں تھی مگر عیسائی فرقوں کی تحریف کی وجہ سے وہ ناپید ہو گئی موجودہ انجیل صرف اس کا ترجمہ ہے مگر اس ترجمہ کی اسناد بھی ان کے پاس موجود نہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے اظہار الحق ج اول ص ۳۵۶)

پھر جناب سید مودودی مرحوم نے اس غیر مستند کتاب متی کے حوالوں سے آیت قرآنی کی تفہیم کیوں کی؟



## عبارت نمبر ۲۳

بائبل کے اردو انگریزی عربی تینوں ایڈیشن  
آپ کے پیش نظر ہیں

۵۰ ق

۱۲۵

تفہیم القرآن ۵

حاشیہ ۵۰۔ "یعنی امر واقعہ یہ ہے کہ یہ پوری کائنات ہم نے چھ دن میں بنا ڈالی ہے اور اس کو بنا کر ہم تھک نہیں گئے ہیں کہ اس کی تعمیر نو کرنا ہمارے بس میں نہ رہا ہو۔ اب اگر یہ نادان لوگ تم سے زندگی بعد موت کی خبریں کر تمہارا مذاق اڑاتے ہیں اور تمہیں دیوانہ قرار دیتے ہیں تو اس پر مہر کرو۔ ٹھنڈے دل سے ان کی ہر یہ بڑبڑ بات کو سنو اور جس حقیقت کے بیان کرنے پر تم ہامور کئے گئے ہو اسے بیان کرتے چلے جاؤ۔

اس آیت میں مذمت ایک لطیف طنز پروردگار تعالیٰ پر بھی ہے جن کی بائبل میں یہ افسانہ گھڑا گیا ہے کہ خدا نے چھ دنوں میں زمین و آسمان کو بنایا اور ساتویں دن آرام کیا (پیدائش ۲: ۲) اگر جواب سبکی پادری اس بات سے شرماتے لگے ہیں اور انہوں نے کتاب مقدس کے اردو ترجمے میں آرام کیا کو "فارغ ہوا" سے بدل دیا ہے مگر کنگ جیمز کی مستند انگریزی بائبل میں (And He

rested on the seventh day) کے الفاظ صاف موجود ہیں۔ اور یہی الفاظ اس ترجمے میں بھی پائے جاتے ہیں جو ۱۹۵۳ء میں یہودیوں نے تالیف کیا ہے۔ عربی ترجمہ میں بھی فاستراح فی اليوم السابع کے الفاظ ہیں۔

آپ نے اس صفحہ میں خود اعتراف کیا ہے کہ  
"بائبل میں یہ افسانہ گھڑا گیا ہے"

اس کے باوجود اس افسانہ والی بائبل سے تفہیم لکھتے مستند ماخذ کی حیثیت سے وقت آپ نے استفادہ کیا ہے فیا عجبا تفہیم ج ۲ ص ۳۳۱ حاشیہ ۶ میں بھی ثبوت ہے کہ آپ نے تفہیم میں بائبل کے ان تینوں ایڈیشنوں سے استفادہ کیا ہے۔

## عبارت نمبر ۲۴

بائبل کے مطابق حضرت ابراہیمؑ و حضرت سارہؑ  
کی عمروں کی تعیین

الذریعۃ ۵۱

۱۳۵

تفہیم القرآن ۵

"یعنی ایک تو میں بوڑھی اوپر سے بانجھ اب میرے ہاں بچہ ہوگا؟ بائبل کا بیان ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر سو سال اور حضرت سارہ کی عمر ۹۰ سال تھی (پیدائش ۱۸: ۱۵)۔"

تنبیہ

جب قرآن عمر کی تعیین کے بارے میں خاموش ہے تو بائبل سے اس کی تفصیل جان کرنے کا کیا مطلب ہوا؟ کہ قرآن متن ہے اور بائبل کی کتاب پیدائش اس کی شرح؟ سبحان اللہ۔

## عبارت نمبر ۲۵

انجیل یوحنا کی گواہی پر آپ کو مکمل اعتماد

القص

۳۶۱

تفہیم القرآن ۵

۲۔ "انجیل یوحنا اس بات پر گواہ ہے کہ مسیح کی آمد کے زمانے میں بنی اسرائیل تین شخصیتوں کے منتظر تھے۔ ایک مسیح دوسرے ایلیاہ (یعنی حضرت الیاس کی آمد مانی) اور تیسرے "وہ نبی" انجیل کے الفاظ یہ ہیں۔"

تنبیہ

حالانکہ انجیل یوحنا کی اصلیت کے متعلق خود عیسائیوں کو ہمیشہ شک رہا ہے دوسری صدی ہی سے عیسائیوں میں ایک بڑی جماعت اس انجیل کو یوحنا کی تصنیف ماننے

سے انکار کرتی آئی ہے مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے (۱) اظہار الحق کا ترجمہ بائبل سے قرآن تک ص ۱۱۶) اور فیصلہ کیجئے کہ آپ کا انجیل یوحنا کی گواہی پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے؟

## عبارت نمبر ۲۶

قرآنی اصطلاح کے مقابلہ میں مسیحی اصطلاحوں کو کیوں ذکر کیا گیا؟

تفہیم القرآن ۵ ۳۷۹ القف ۶۱  
حاشیہ ۱۹۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں کے لئے بائبل میں عموماً لفظ "شاگرد" استعمال کیا گیا ہے لیکن بعد میں ان کے لئے "رسول" (Apostles) کی اصطلاح عیسائیوں میں رائج ہو گئی اس معنی میں نہیں کہ وہ خدا کے رسول تھے بلکہ اس معنی میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کو اپنی طرف سے مبلغ بنا کر اطراف فلسطین میں بھیجا کرتے تھے۔ یہودیوں کے ہاں یہ لفظ پہلے سے ان لوگوں کے لئے بولا جاتا تھا جو یسوع کے لئے چندہ جمع کرنے بھیجے جاتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں قرآن کی اصطلاح "حواری" ان دونوں مسیحی اصطلاحوں سے بہتر ہے۔

## تنبیہ

جب قرآن کی اصطلاح "حواری" شاگرد اور رسول دونوں مسیحی اصطلاحوں سے بہتر ہے تو جناب سید مودودی صاحب مرحوم نے قرآن کے مقابلہ میں مسیحی اصطلاحوں کو کیوں ذکر کیا؟ اسی لئے تاکہ قارئین تفہیم آپ کی وسعت معلومات سے متاثر ہو جائیں ورنہ بتلایا جائے کہ اس کے علاوہ اور کیا ضرورت پیش آئی ہے۔ کیا قرآنی اصطلاح کے سامنے مسیحی اصطلاحوں کا رہنا قرآن فنی کے اصول میں سے ہے؟ یا قرآنی اصطلاح کے مقابلہ میں مسیحی اصطلاحوں کا بیان کرنا ضروری ہے؟

## عبارت نمبر ۲۷

بھلا بتلائیے کہ آپ جیسی ایسی نگاہ بصیرت و صلاحیت غور و فکر اوسط درجہ کے لوگوں کو بھی میسر ہے؟

تفہیم القرآن ۵ ۳۶۳ القف ۶۱  
"اس صورت حال میں قطعی طور پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ انجیلوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جوا قول ہمیں ملتے ہیں وہ بالکل ٹھیک ٹھیک نقل ہوئے ہیں اور ان کے اندر کوئی رد و بدل نہیں ہوا ہے۔  
تیسری اور نہایت اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو فتح کے بعد بھی تقریباً تین صدیوں تک فلسطین کے عیسائی باشندوں کی زبان سریانی رہی اور کہیں نوں صدی عیسوی میں جا کر عربی زبان نے اس کی جگہ لی ان سریانی بولنے والے اہل فلسطین کے ذریعہ سے عیسائی روایات کے متعلق جو معلومات ابتدائی تین صدیوں کے مسلمان علماء کو حاصل ہوئیں وہ ان لوگوں کی معلومات کی بہ نسبت زیادہ معتبر ہونی چاہئے جنہیں سریانی سے یونانی اور پھر یونانی سے لاطینی زبانوں میں ترجمہ در ترجمہ ہو کر یہ معلومات پہنچیں کیونکہ مسیح کی زبان سے نکلے ہوئے اصل سریانی الفاظ ان کے ہاں محفوظ رہنے کے زیادہ امکانات تھے۔

۵۔ ان ناقابل انکار تاریخی حقائق کو نگاہ میں رکھ کر دیکھئے کہ انجیل یوحنا کی مذکورہ بالا عبارات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے بعد ایک آنے والے کی خبر دے رہے ہیں جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ "دنیا کا سرور" (سرور عالم) ہوگا "ابد تک" رہے گا سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا اور خود ان کی (یعنی حضرت عیسیٰ کی) گواہی دے گا۔ یوحنا کی ان عبارتوں میں "روح القدس" اور سچائی کی روح وغیرہ الفاظ شامل کر کے مدعا کو خط کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے مگر اس کے باوجود ان سب عبارتوں کو اگر غور سے بڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس آنے والے کی خبر دی گئی ہے وہ کوئی روح نہیں بلکہ کوئی انسان اور خاص شخص ہے جس کی تعلیم عالیشان نہ کیر اور

قیامت تک باقی رہنے والی ہوگی۔ اس شخص خاص کے لئے اردو ترجمے میں ”مددگار“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور یوحنا کی اصل انجیل میں یونانی زبان کا جو لفظ استعمال کیا گیا تھا اس کے بارے میں عیسائیوں کو اصرار ہے کہ وہ Paracletus تھا مگر اس کے معنی متعین کرنے میں خود عیسائی علماء کو خوب زحمت پیش آئی ہے۔ اصل یونانی زبان میں Paraclete کے کئی معنی ہیں کسی جگہ صرف بلانا، مدد کے لئے پکارنا، اندازہ، ترغیب، اکسانا، التجا کرنا، دعا مانگنا۔ پھر یہ لفظ پیڑھی مفہوم میں یہ معنی دیتے ہیں تسلی دینا، تسکین بخشنا، ہمت افزائی کرنا، بائبل میں اس لفظ کو جہاں جہاں استعمال کیا گیا ہے ان سب مقامات پر اس کے کوئی معنی بھی ٹھیک نہیں بیٹھتے۔“

### تنبیہ

۱۔ ”جب اس صورت حال میں جناب مولانا مودودی صاحب کے لئے قطعی طور پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ۔۔۔“

تو جناب والا! اسی انجیل کو معتبر مان کر اس کی غیر معمولی تعریف کیوں کرتے ہیں؟ اور اس صورت حال میں تفہیم قرآن کے لئے اس کے حوالے نقل کرنا اور ان سے آیات قرآنی کو سمجھانا ایک فضول حرکت نہیں تو کیا ہے....؟

۲۔ یہاں آپ نے اصل سریانی زبان کی جو تاریخ بیان کی ہے اس کا اخذ کیوں نہیں بتلایا؟ جس کی بنیاد پر آپ کے بیان کردہ

۳۔ ”ان ناقابل انکار تاریخی حقائق کو نگاہ میں رکھ کر انجیل یوحنا کی عبارات کو دیکھتے“

غور کیجئے کہ کس کس بہانے سے جناب مودودی صاحب نے انجیل کی عبارات کو پڑھانے اور دیکھنے کی کوشش وہی تبلیغ فرمائی ہے سبحان اللہ! کیا اوسط درجہ کے عامۃ الناس کی نظر ایسی ہے کہ آپ کے بیان کردہ ان ناقابل انکار تاریخی حقائق کو نگاہ میں رکھ سکیں؟ اور انجیل یوحنا کی مذکورہ بالا عبارات کو دیکھ سکیں؟ ”اسی پر بس نہیں بلکہ آگے آپ لکھتے ہیں کہ

”یوحنا کی ان عبارتوں میں روح القدس اور سچائی کی روح وغیرہ الفاظ شامل کر کے مدعا کو خبط کرنے کی پوری کوشش کی گئی مگر اس کے باوجود ان سب عبارتوں کو اگر غور سے پڑھا جائے تو حقائق معلوم ہوتا ہے کہ۔۔۔“

جناب مولانا مودودی صاحب چونکہ غیر معمولی صلاحیت و ذہانت کے مالک ہیں اس لئے انجیل میں خبط مدعا کے باوجود اپنی نگاہ بصیرت سے غور کر کے ہر چیز تلاش کر لیتے ہیں مگر بھلا بتائیے کہ ایسی نگاہ بصیرت اور ایسی صلاحیت غور و فکر عامۃ الناس کو بھی میسر ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو قرآن کے نام پر انجیل یوحنا پڑھانے کی کوشش کہاں تک مشکور ہو سکتی ہے؟ خاص طور میں اس صورت میں کہ

۴۔ ”یوحنا کی اصل انجیل میں یونانی زبان کا جو لفظ استعمال کیا گیا ہے۔۔۔“

اس کے معنی متعین کرنے میں خود عیسائی علماء کو سخت زحمت پیش آتی ہے تو بے چارے عوام کس طرح متعین کر لیں گے؟ اس لئے حقیقت تو یہ ہے کہ جناب سید مودودی صاحب ہی کی ایسی ذات ہے جو اپنی گونا گوں علمی و تاریخی ذوق تحقیق کی بناء پر تفہیم القرآن تفسیف فرماتے وقت بائبل کے تمام مقامات کو چھان بین کر کے دیکھ لیں اور پھر یہ لکھیں کہ

۵۔ ”بائبل میں اس لفظ کو جہاں جہاں استعمال کیا گیا ہے ان سب مقامات پر

اس کے کوئی معنی بھی ٹھیک نہیں بیٹھتے“

بتائیے کہ آپ کے علاوہ کسی کی طاقت و مجال ہے کہ بائبل میں اس لفظ کے استعمال شدہ مقامات کو تلاش کر سکے کہ واقعی کوئی معنی بھی ٹھیک بیٹھ رہے ہیں یا نہیں؟

### عبارت نمبر ۲۸

بائبل کی کتاب یسوع سے بات کا اندازہ

تفہیم القرآن ۲ ۷۵ الاعراف ۷

”بنی اسرائیل کو اہل مصر کی غلامی نے جیسا کچھ بگاڑ دیا تھا اس کا اندازہ اس بات سے بآسانی کیا جاسکتا ہے کہ مصر سے نکل آنے کے ۷۰ برس بعد حضرت موسیٰ کے خلیفہ اکول حضرت یسوع بن نون اپنی آخری تقریر میں بنی اسرائیل کے مجمع عام سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”تم خداوند کا خوف رکھو اور نیک نیتی اور صداقت کے ساتھ اس کی پرستش کرو اور ان دیوتاؤں کو دور کر دو جن کی پرستش تمہارے باپ دادا بڑے دریا کے پار اور مصر میں کرتے تھے اور خداوند کی پرستش کرو۔ اور اگر خداوند کی پرستش تم کو



بری معلوم ہوتی ہو تو آج ہی تم اسے جس کی پرستش کرو گے جن لوگوں..... باب  
رہی میری اور میرے گھرانے کی بات سو ہم تو خداوندی ہی کی پرستش  
کریں گے۔ (یشوع ۲۳: ۱۴-۱۵)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۳۰ سال تک حضرت موسیٰ کی اور ۲۸ سال تک  
حضرت یوشع کی تربیت درہمائی میں زندگی بسر کر لینے کے بعد بھی یہ قوم اپنے  
اندر سے ان اثرات کو نہ نکال سکی جو فراعنہ مصر کی بندگی کے دور میں اس کی  
رگ رگ کے اندر اتر گئے تھے۔ پھر ہلاک ہو کر ممکن تھا کہ مصر سے نکلنے کے بعد  
فوز اسی جو بیکندہ سامنے آگیا تھا اس کو دیکھ کر ان بگڑے ہوئے مسلمانوں سے  
بہتوں کی پیشانیاں اس آستانے پر سجھ کر نہ کرنے کے لئے بے تاب نہ ہو جاتیں  
جس پردہ اپنے سابق آقاؤں کو ماتھا کر گزرتے ہوئے دیکھ چکے تھے۔

تنبیہ

تفہیم کے اس صفحہ سے بھی صاف واضح ہے کہ جناب مودودی صاحب کو  
قرآن کی کسی بات کا اندازہ کرنا ہوتا ہے تو وہ بائبل کو دیکھتے ہیں چنانچہ قوم یہود کے متعلق  
اندازہ کرنا تھا تو آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ العیاذ باللہ آپ کے لئے شاید نا کافی ہو گئی  
تھیں؟ اس لئے کتاب یشوع ۲۳: ۱۴-۱۵ سے اندازہ کیا۔ سبحان اللہ کیا کہنا آپ کے  
اندازہ یشوع کا حالانکہ آج تک یقین کے ساتھ اس کے یعنی کتاب یشوع کے مصنف  
ہی کا پتہ نہیں چلتا نہ تصنیف کا زمانہ معلوم ہوتا ہے اس سلسلہ میں عیسائیوں کے پانچ اقوال  
ہیں (ملاحظہ کیجئے اظہار الحق ص ۳۴۰)



عبارت نمبر ۲۹

۱۔ جناب سید مودودی صاحب کو ایک مغربی محقق کی تحریر

پر اعتماد مگر! محدثین و فقہاء پر نہیں

۲۔ قرآن میں نہیں بلکہ تفہیم القرآن میں ان خامیوں کی

نشاندہی کی گئی ہے جو مسلمانوں (صحابہ) میں تھیں العیاذ باللہ

الانفال ۸

۱۲۷

تفہیم القرآن ۲

”آخر کار ان لوگوں کی صداقت ایمانی خدا کی طرف سے نصرت کا انعام  
حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی اور قریش اپنے سارے غرور طاقت کے  
باوجود ان بے سرو سامان خدا بیوں کے ہاتھوں شکست کھا گئے ان کے سر  
آدمی مارے گئے۔“ قید ہوئے اور ان کا سرو سامان قیمت میں مسلمانوں  
کے ہاتھ آیا۔ قریش کے بڑے بڑے سردار جو ان کے گلہائے سرسبز اور  
اسلام کی مخالف تحریک کے روج رواں تھے اس معرکے میں ختم ہو گئے اور اس  
فیصلہ کن فتح نے عرب میں اسلام کو ایک قابل لحاظ طاقت بنا دیا۔ (۱) جیسا کہ  
ایک مغربی محقق نے لکھا ہے ”بد سے پہلے اسلام محض ایک مذہب اور  
ریاست تھا مگر بد کے بعد وہ مذہب ریاست بلکہ خود ریاست بن گیا۔“  
مباحث: یہ ہے وہ عظیم الشان معرکہ جس پر قرآن کی اس سورہ میں تبصرہ کیا گیا  
ہے۔ مگر اس تبصرے کا انداز تمام ان تبصروں سے مختلف ہے جو دنیوی بادشاہ  
اپنی فوج کی فتحیابی کے بعد کیا کرتے ہیں۔

(۲) اس میں سب سے پہلے ان خامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے جو اخلاقی  
حیثیت سے ابھی مسلمانوں میں باقی تھیں تاکہ آئندہ اپنی مزید تکمیل کے  
لئے سعی کریں۔ پھر ان کو بتایا گیا کہ اس فتح میں تائید الہی کا کتنا بڑا حصہ تھا  
تاکہ وہ اپنی جرأت و شہادت پر نہ پھولیں بلکہ خدا پر توکل اور خدا اور رسول کی  
اطاعت کا حق لیں۔“

تنبیہ

قارئین کرام! نشان نمبر ۲ کی آپ نے اس عبارت میں نہایت ہوشیاری کے ساتھ اپنڈیٹ طرز پر اپنی ذہنیت کی عکاسی اہل سنت پر بٹھانے کی ناکام کوشش کی ہے قرآن میں قطعاً کہیں بھی صحابہ کرام کی خامیوں کی نشاندہی نہیں کی گئی ہے ہاں البتہ تفہیم القرآن میں ضرورت کی گئی ہے چنانچہ یہاں بھی موصوف نے حضرات صحابہ کرام کو مجروح قرار دے کر انہیں مہذب طریقے سے سب وشم کر کے "ماذرتا نرد" تبرا کیا ہے اور مذہب اہل سنت والجماعت کو خیر باد کہہ کر معتدل دماغ رکھنے کا ثبوت کا مظاہرہ فرمایا ہے جب کہ واقعہ حدیث شریف کی رو سے یہ ہے کہ صحابہ کرام کی خامیوں کی نشاندہی کرنے والا مستحق لعنت ہے۔ لعنة الله على من سب اصحاب النبي ﷺ۔

### عبارت نمبر ۳۰

جناب سید سید مدووی صاحب کو صرف اپنے ہی فلسفیانہ تجسس پر اعتماد اور تضاد بیانی بھی

تفہیم القرآن ۲ ۲۹۶ یونس ۱۰

حاشیہ ۶۵۔ "یہ ایک تشریح طلب مضمون ہے جسے بہت مختصر لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ فلسفیانہ تجسس جس کا مقصد یہ پتہ چلانا ہے کہ اس کائنات میں بظاہر جو کچھ ہم دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں اس کے پیچھے کوئی حقیقت پوشیدہ ہے یا نہیں اور ہے تو وہ کیا ہے دنیا میں ان سب لوگوں کے لئے جو حق والہام سے براہ راست حقیقت کا علم نہیں پاتے مذہب کے متعلق رائے قائم کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ کوئی شخص بھی (جیسے خود مدووی صاحب نے تینوں چیزیں اختیار کی ہیں۔ از ناقل) خواہ وہ دہریت اختیار کر لے یا شرک یا خدا برقی یا ہر حال ایک نہ ایک طرح کا فلسفیانہ تجسس کے بغیر مذہب کے بارے میں کسی نئے بر نہیں پہنچ سکتا اور پیغمبروں نے جو مذہب پیش کیا ہے اس کی

چھٹی بھی اگر ہو سکتی ہے تو اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آدمی اپنی بساط پر فلسفیانہ دور فکر کر کے اطمینان حاصل کرنے کی کوشش کرے کہ پیغمبر ہمیں مظاہر کائنات کے پیچھے جس حقیقت کے مستور ہونے کا پتہ دے رہے ہیں وہ دل کو لگتی ہے یا نہیں۔ اس تجسس کے صحیح ماحظ ہونے کا تمام تراجم ہر طریق تجسس پر ہے۔ اس کے غلط ہونے سے غلط رائے اور صحیح ہونے سے صحیح رائے قائم ہوتی ہے۔"

تنبیہ

قارئین کرام! جناب مدووی صاحب کو جہاں کہیں بھی کلام ربانی میں اپنے نظریات و افکار مرتب طور پر پیش کرنے کا موقع ملتا ہے تو فوراً اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور کچھ نہ کچھ چسپاں کر دیتے ہیں لیکن اس مضمون کے بالکل برخلاف مضمون رسالہ دینیات ص ۳۶ میں آپ نے تحریر کیا ہے ملاحظہ کیجئے اور جناب کی تضاد بیانی پر "ذوالوحشین" کا لقب دیجئے۔

"جب یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص خدا کا سچا پیغمبر ہے تو اس کی بات ماننا اس کی اطاعت کرنا اور اس کے طریقے کی پیروی کرنا ضروری ہے یہ بات بالکل خلاف عقل ہے کہ تم ایک شخص کو پیغمبر بھی تسلیم کرو اور پھر اس کی بات بھی نہ مانو اس لئے پیغمبر تسلیم کر لینے کے معنی یہ ہیں کہ تم نے مان لیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے خدا کی طرف سے کہہ رہا ہے اور جو کچھ کر رہا ہے خدا کی مرضی کے مطابق کر رہا ہے لہذا کسی کو پیغمبر تسلیم کر لینے سے یہ بات خود بخود لازم ہو جاتی ہے کہ اس کی بات کو بے چون و چرا مان لیا جائے اور اس کے حکم کے آگے سر جھکا دیا جائے خواہ اس کی حکمت اور اس کا فائدہ تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے جو بات پیغمبر کی طرف سے ہے اس کا پیغمبر کی طرف سے ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سچی ہے اور تمام مصلحتیں اس میں موجود ہیں" (رسالہ دینیات ص ۳۶)

سوال غور طلب یہ ہے کہ رسالہ دینیات کے اس ص ۳۶ میں آپ کا فلسفیانہ تجسس کہاں گیا؟ اس میں تو جناب نے اپنی بساط پر فلسفیانہ غور و فکر کر کے اطمینان حاصل

کرنے کی بات نہیں کہی ہے اور نہ ہی اپنے معیار عقل و فہم پر جانچنے اور پرکھنے کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس تفہیم القرآن ج ۲ ص ۲۹۶ حاشیہ ۹۵ میں: فلسفیانہ تجسس کی بات کیوں لکھی؟ اپنے نظر و فکر کو کلام الہی کا مصداق کیوں قرار دیا؟ اس لئے کہ یہ بھی ان ہی دور کی بات ہے جس زمانے میں جناب مودودی صاحب پر ڈیڑھ سال تک مذہب بانہ و کافرانہ کیفیات طاری تھیں۔

چنانچہ اس جگہ آپ نے پیغمبروں کے پیش کردہ مذہب پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اس کی بھی جانچ کی ضرورت سمجھی ہے اور کس طرح اس کی جانچ ہو سکتی ہے؟ اس کو بھی بیان کیا ہے کہ اس طرح سے جانچ کرنے سے پیغمبروں کی خبر اور مستور حقیقت کے متعلق پتہ چل جائے گا کہ وہ دل کو لگتی ہے یا نہیں؟ جس کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ پیغمبروں کی خبر پر بھی اسی وقت اعتماد کیا جائے گا جب اس کی جانچ کر لی جائے تو اصل اپنی جانچ ہوئی نہ کہ پیغمبروں کی خبر اور ان کا پتہ دینا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

”بہر حال ایک نہ ایک طرح کا فلسفیانہ تجسس کے بغیر مذہب کے بارے میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا اور پیغمبروں نے جو مذہب پیش کیا ہے اس کی جانچ بھی اگر ہو سکتی ہے تو اسی طرح ہو سکتی ہے کہ آدمی اپنی بساط پر فلسفیانہ غور و فکر کر کے اطمینان حاصل کرنے کی کوشش کرے کہ پیغمبر ہمیں مظاہر کائنات کے پیچھے جس حقیقت کے مستور ہونے کا پتہ دے رہے ہیں وہ دل کو لگتی ہے یا نہیں۔“ اے... دیکھئے رسالہ دینیات ص ۳۶ میں ہے کہ پیغمبر کی بات بلا جوں و چرا مان لیا جائے خواہ اس کی حکمت اور اس کا فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن تفہیم ج ۲ ص ۲۹۶ کے اس پیرا گراف میں آپ نے صاف بتا دیا کہ اطمینان حاصل کرنے کا ذریعہ اپنی بساط پر فلسفیانہ غور و فکر کرنا ہے۔ پیغمبروں کا پتہ دینا نہیں ہے نعوذ باللہ۔ یہ تضاد بانی کیوں؟ واضح رہے کہ اسی فلسفیانہ تجسس کی بناء پر جناب مودودی صاحب کو خدا آخرت رسالت و وحی ہر چیز میں شک پڑ گیا تھا چنانچہ ماہنامہ الحسنات یادگار مودودی نمبر ۲۵۸ میں آپ کا بیان ہے ”میں نے جب ہوش سنبھالا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ مذہب تو کچھ نہیں کہ میں مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا تو مسلمان ہندو

کے گھر میں پیدا ہوا اس لئے ہندو آدمی اگر کسی چیز کو مانے تو تحقیق کر کے مانے نہیں تو نہ مانے اس احساس کی بناء پر ایک وقت مجھ پر ایسا گزرا کہ خدا آخرت رسالت و وحی ہر چیز میں شک پڑ گیا۔“

قارئین کرام! اگر مودودی صاحب کی ہدایت و اصول کے مطابق ایسے فلسفیانہ تجسس کو اختیار کیا جائے تو نعوذ باللہ ایمان ہی سے ہاتھ دھونا پڑ جائے گا امت باللہ کما هو بالسانہ و قبلت جمیع احکامہ۔

### عبارت نمبر ۳۱

آپ کو اپنی ذاتی تحقیق کے علاوہ علاقے کے باشندوں کی اور سرگرافٹن الیٹ سمیت کی تحقیقات پر اعتماد ہے مگر

حضرات محدثین کی بیان کردہ اسناد پر نہیں

تفہیم القرآن ۲ ۳۱۰ یونس ۱۰

حاشیہ ۲۹۔ ”آج تک وہ مقام جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیرتی ہوئی پائی گئی تھی۔ اس کو موجودہ زمانے میں جبل فرعون کہتے ہیں اور اسی کے قریب ایک گرم چشمہ ہے جس کو مقامی آبادی نے حمام فرعون کے نام سے موسوم کر رکھا ہے۔ انکی جائے وقوع ابوزنیمہ سے چند میل اور شمال کی جانب ہے اور علاقے کے باشندے اسی جگہ نشاندہی کرتے ہیں کہ فرعون کی لاش یہاں پڑی ہوئی ملی تھی۔“

اگر یہ ڈوبنے والا وہی فرعون منفی ہے جس کو زمانہ حال کی تحقیق نے فرعون موسیٰ قرار دیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانے میں موجود ہے۔ ۱۹۰۷ء میں سرگرافٹن الٹ سمیت نے اس کی مٹی پر سے جب پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جی ہوئی پائی گئی تھی جو کھاری پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔“



تنبیہ

قارئین کرام! محدثین و مفسرین کی روایت کو چھوڑ کر آجنا بسکن غیر مستند روایات پر اعتماد کرتے ہیں؟ اس کے علاوہ اس کی مزید دلیل تفہیم القرآن ج ۲ ص ۴۰ حاشیہ ۵۴ میں ملاحظہ کیجئے لکھتے ہیں کہ

”پھر جو روایات (۱) کردستان (۲) اور آرمینیا میں قدیم ترین زمانے سے سلا بعد سلا چلی آرہی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے“ (پھر ص ۴۱ میں ہے کہ) حضرت نوحؑ کے اس قبے سے ملتی جلتی روایات (۳) یونان (۴) مصر (۵) ہندوستان (۶) اور چین کے قدیم لٹریچر میں بھی ملتی ہیں اور اس کے علاوہ (۷) برما (۸) ملایا (۹) جزائر (۱۰) شرق الہند آسٹریلیا (۱۱) نیوگنی اور (۱۲) امریکہ و (۱۳) یورپ کے مختلف حصوں میں بھی ایسی ہی روایات قدیم زمانے سے چلی آرہی ہیں... الخ“

تنبیہ

غور طلب یہ ہے کہ دنیا کی ان مذکورہ تیرہ سند روایات پر بلاچوں و چرا آپ نے اعتماد کیا ہے جب کہ محدثین کرام کی روایات و اسناد متصلہ پر جرح کرتے ہیں ایسا کیوں؟

عبارت نمبر ۳۲

جغرافیہ دانوں کے بیان پر اور ابن بطوطہ کی تحریر پر بھی اعتماد

الحجر ۱۵

۵۱۵

تفہیم القرآن ۲

حاشیہ ۳۴۔ یعنی حجاز سے شام اور عراق سے مصر جاتے ہوئے یہ تباہ شدہ علاقہ راستہ میں پڑتا ہے اور عرب و مآقاقلوں کے لوگ تباہی کے ان آثار کو دیکھتے ہیں جو اس پورے علاقے میں آج تک نمایاں ہیں۔ یہ علاقہ بحر لوط (بحیرہ مردار) کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے اور خصوصیت کے ساتھ اس کے جنوبی حصے کے متعلق جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ یہاں اس درجہ ویرانی پائی جاتی ہے جس کی نظیر روئے زمین پر نہیں اور نہیں دیکھی گئی۔

حاشیہ ۳۵۔ یہ قوم شموک کا مرکزی شہر تھا اور اس کے کھنڈر مدینہ کے شمال مغرب میں موجودہ شہر اعلیاء سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ مدینہ سے جوک جاتے ہوئے یہ مقام شاہ راہ عام پر ملتا ہے اور قافلے اس وادی میں سے ہو کر گزرتے ہیں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق یہاں کوئی قیام نہیں کرتا۔ آٹھویں صدی ہجری میں ابن بطوطہ حج کو جاتے ہوئے یہاں پہنچا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ”یہاں سرخ رنگ کے پہاڑوں میں قوم شموک کی عمارتیں موجود ہیں جو انہوں نے چٹانوں کو تراش کر ان کے اندر بنائی تھیں۔“

(بلا تبصرہ)

عبارت نمبر ۳۳

تفہیم میں بائبل کی کتاب تلمود کے خلاصہ پر اعتماد

الحجر ۱۵

۵۱۲

تفہیم القرآن ۲

حاشیہ ۳۹۔ ”تلمود میں اس قوم کے جو حالات لکھے ہیں ان کا ایک خلاصہ ہم یہاں دیتے ہیں جس سے کچھ زیادہ تفصیل کے ساتھ معلوم ہوگا کہ یہ قوم اخلاقی فساد کی کس انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک عملا مسافر ان کے علاقے سے گزر رہا تھا۔ راستہ میں شام ہو گئی اور اسے مجبوراً ان کے شہر سدوم میں ٹھہرنا پڑا۔ اس کے ساتھ اپنا زادراہ تھا۔ کسی سے اس نے میربانی کی درخواست نہ کی بس ایک درخت کے نیچے اتر گیا مگر ایک سدومی اصا کے ساتھ اٹھا کر اسے اپنے گھر لے گیا۔ رات اسے اپنے ہاں رکھا اور صبح ہونے سے پہلے اس کا گدھا اس کے زین اور مال تجارت سمیت اڑا دیا۔ اس نے شور مچایا مگر کسی نے اس کی فریاد نہ سنی بلکہ بستی کے لوگوں نے اس کا رہا بس مال بھی لوٹ کر اسے نکال باہر کیا۔“

تنبیہ

ص ۵۱۳ پر اسی حاشیہ ۳۹ پر آپ تلمود کے مصنف پر اعتماد کر کے وہ واقعات مزید لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

”اس طرح کے متعدد واقعات بیان کرنے کے بعد تلمود کا مصنف لکھتا ہے“

پھر پانچ سطروں کے بعد اسی ص ۵۱۳ پر لکھتے ہیں کہ

”قرآن مجید میں اس پوری داستان کو سمیٹ کر صرف دو فقروں میں بیان کر دیا گیا ہے کہ وَمِنْ قَبْلُ كُنَّا نُؤْتِيهِمُ السَّيِّئَاتِ (وہ پہلے سے بہت برے برے کام کر رہے تھے) اور اِنَّكُمْ لَتَاقُوْنَ الرَّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيلَ وَتَأْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمْ الْمُسْكُوْ (تم مردوں سے خواہش نفس پوری کرتے ہو مسافروں کی راہ مارتے ہو اور اپنی مجلسوں میں کھلم کھلا بدکاریاں کرتے ہو)۔“

قارئین کرام! جناب مودودی صاحب نے مذکورہ آیات کی تفسیر تلمود کی داستان سے بیان کی ہے جس کا نتیجہ کیا نکلا؟ کہ اوپر سے قرآن اور اندر میں بائبل کی کتاب تلمود سبحان اللہ!

عبارت نمبر ۳۴

کس کی روایت پر اعتماد کر کے سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ کے متعلق آپ نے یہ بات لکھی؟

تفسیر القرآن ۳ ۵۵۸ سورۃ النمل

”سینٹ کیتھرائن کی خانقاہ میں وہ جگہ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جہاز میں آگ لگی ہوئی نظر آئی تھی“

(نوٹ: مذکورہ خانقاہ کی تصویر تفسیر القرآن جلد ۳ صفحہ ۵۵۸ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بلا تبصرہ مدعا واضح ہے)

عبارت نمبر ۳۵

نسلاً بعد نسل چلی آرہی مقامی روایت پر آپ کو اعتماد ہے مگر محدثین کرام کی سلسلہ وار سندوں پر نہیں۔ کیوں؟

”وہ درخت جس کے متعلق مقامی روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس پر سے کلام الہی کی آواز آئی تھی خانقاہ میں یہ روایت نسلاً بعد نسل چلی آرہی کہ یہ درخت صدیوں سے ہر بھرائی دیکھا جاتا رہا ہے۔“

(نوٹ: مذکورہ درخت کی تصویر تفسیر القرآن جلد ۳ صفحہ ۶۲۶ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بلا تبصرہ)

عبارت نمبر ۳۶

کہنے والا کون ہے؟ جس کے قول پر اعتماد کر کے کنواں کے متعلق آپ نے یہ لکھ دیا؟

”وہ کنواں جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی جگہ بکریوں کو پانی پلایا تھا“

تفسیر القرآن ۳ ۶۲۷ سورۃ القصص

(نوٹ: مذکورہ کنواں کی تصویر تفسیر القرآن جلد ۳ صفحہ ۶۲۷ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بلا تبصرہ)

## عبارت نمبر ۳۷

آپ نے کس کی ہدایت پر اعتماد کر کے لکھا کہ  
”مدین کی وادی“ یہی ہے؟

تفہیم القرآن ۳ ۶۲۷ سورۃ القصص

مدین کی وادی

(نوٹ مذکورہ وادی کی تصویر تفہیم القرآن جلد ۳ صفحہ ۶۲۷ پر ملاحظہ فرمائیں)

(بلا تبصرہ)

## عبارت نمبر ۳۸

تعجب ہے کہ جناب کو انگریز مورخ گین کے قول پر  
اعتماد ہو گیا مگر محدثین پر نہیں

تفہیم القرآن ۳ ۶۲۷ المردم ۳۰

”غرض انگریز مورخ گین کے بقول قرآن مجید کی اس پیشین گوئی کے بعد بھی سات آٹھ برس تک حالات ایسے تھے کہ کوئی شخص یہ تصور نہ کر سکتا تھا کہ رومی سلطنت ایران پر غالب آجائے گی بلکہ غلبہ تو درکنار اس وقت تو کسی کو یا امید بھی نہ تھی کہ اب یہ سلطنت زندہ رہ جائے گی

GIBBON DECLINE AND FALL THE ROMAN EMPIRE, VOL. II P. 788, MODERN LIBRARY NEWYORK

(بلا تبصرہ)

## عبارت نمبر ۳۹

آپ کو سب پر اعتماد ہے مگر محدثین پر نہیں۔ کیوں؟

تفہیم القرآن ۳ ۳۷۷ السجدہ ۳۲

حاشیہ ۵۔ ”عرب کی روایات میں یہ بات بھی مشہور و معروف تھی کہ قدیم زمانے میں اہل عرب کا اصل دین دین ابراہیمی تھا اور بت پرستی ان کے ہاں عہد میں ہی نامی ایک شخص نے شروع کی تھی۔ شرک و بت پرستی کے رواج عام کے باوجود عرب کے مختلف حصوں میں جگہ جگہ ایسے لوگ موجود تھے جو شرک سے انکار کرتے تھے توحید کا اعلان کرتے تھے اور بتوں پر قربانیاں کرنے کی علامت مذمت کرتے تھے۔ خود بنی مسلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے بالکل قریب زمانے میں قس بن ساعدۃ الایادی امیہ بن ابی الصلت سوبید بن عمر المصطلق، کعب بن سلہ بن زہیر الایادی عمرو بن جنب الجہنی ابو قیس سرور بن ابی انس زید بن عمرو بن نفیل اور قدیم نفل عثمان بن الجوزی عبید اللہ بن جحش عامر بن الطرب العدوانی علف بن شہاب السبی اسلم بن امیہ الکلانی زہیر بن ابی مسلی خالد بن سنان بن خبیث العسبی عبد اللہ القناتی اور ایسے ہی بہت سے لوگوں کے حالات ہمیں تاریخوں میں ملتے ہیں جنہیں خفاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ سب لوگ علی الاعلان توحید کو اصل دین کہتے تھے اور مشرکین کے مذہب سے اپنی بے تعلقی کا صاف صاف اظہار کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے ذہن میں یہ خیال انبیاء مجہم السلام کی سادہ تعلیمات کے باقی ماندہ اثرات ہی سے آیا تھا۔ اس کے علاوہ بحرن میں چوٹی پانچویں صدی عیسوی کے جو کتبائے آثار قدیمہ کیا جدید تحقیقات کے سلسلے میں برآمد ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں وہاں ایک توحیدی مذہب موجود تھا جس کے پیروار رحمان اور رب السماء والارض ہی کو الہ واحد تسلیم کرتے تھے۔ ۳۷۸ء کا ایک کتبہ ایک عبادت گاہ کے کھنڈر سے ملا ہے جس میں لکھا گیا ہے کہ یہ معبد ”الہ ذو سموی“ یعنی الہ السماء کی عبادت کے لئے بنایا گیا ہے۔ ۳۶۵ء کے ایک کتبے میں بنو نصر و رابن بنعل سمین و ارشمن (بنو نصر و بون الالہ رب السماء والارض) کے الفاظ لکھے ہیں۔



عقدہ توحید پر صریح دلالت کرتے ہیں۔ اسی دور کا ایک اور کتبہ ایک قبر پر ملا ہے جس میں بنحیل و حمن (یعنی استعین بحول الرحمن) کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح شمال عرب میں دریائے فرات اور قسریں کے درمیان زبد کے مقام پر ۵۱۲ء کا ایک کتبہ ملا ہے جس میں بنسب آلانہ لا عیزہ آلانہ لا شکورہ آلانہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ یہ ساری باتیں بتاتی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے انبیاء سابقین کی تعلیمات کے آثار عرب سے بالکل مٹ نہیں گئے تھے اور کم از کم اتنی بات یاد دلانے کے لئے بہت سے ذرائع موجود تھے کہ ”تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے“ (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد سوم صفحات ۳۶۳-۳۶۵)۔

### تنبیہ

قارئین کرام! آپ کو تواریخ کے علاوہ یمن میں چوتھی پانچویں صدی مسوی ۳۷۸ء اور ۳۶۵ء پر اور شمال غرب میں دریائے فرات اور قسریں کے درمیان زبد کے مقام پر ۵۱۲ء کے جو کتبات آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات کے سلسلہ میں برآمد ہوئے ہیں ان سب پر مکمل اعتماد ہے مگر محدثین پر نہیں۔ کیوں؟

### عبارت نمبر ۲۰

یمنی کھنڈروں کے مثلاً ۵۴۲ء یا ۵۴۳ء کے قدیم کتبات پر بھی اعتماد

تفہیم القرآن ۳ ۱۹۲ سب ۳۳

حاشیہ ۲۹۔ ”اصل میں لفظ سنیل الغریم استعمال کیا گیا ہے۔ عرم جنوبی عرب کی زبان کے لفظ عرمن سے ماخوذ ہے جس کے معنی ”بند“ کے ہیں۔ یمن کے کھنڈروں میں جو قدیم کتبات موجود زمانے میں دستیاب ہوئے ہیں ان میں یہ لفظ اس معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ۵۴۳ء یا ۵۴۴ء کا ایک

کتبہ جو یمن کے حبشی گورنر ابرہہ نے سد مارب کی مرمت کرانے کے بعد نصب کرایا تھا اس میں وہ اس لفظ کو بار بار بند کے معنی میں استعمال کرتا ہے۔ لہذا ایل العرم سے مراد وہ سلاب ہے جو کی بند کے ٹوٹنے سے آئے۔“

### تنبیہ

سیل العرم سے کون سیلاب مراد ہے؟ اس کے لئے یمن کے حبشی گورنر ابرہہ نے بار بار جس معنی میں اس لفظ کو استعمال کیا ہے اس پر اعتماد کر کے جناب نے تفسیر کی ہے۔ سبحان اللہ! ”جدید تحقیق“ کے نام پر اصول تفسیر اور احتیاط و پرہیزگاری کی حدوں کو توڑ کر ب کچھ جائز ہو جاتا ہے؟ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا کے خطاب میں شاید جناب مودودی صاحب نے اپنے آپ کو نہیں سمجھا ہوگا؟

### عبارت نمبر ۳۱

فروری ۱۹۶۳ء اردو ڈائجسٹ پر اعتماد

تفہیم القرآن ۳ ۳۰۸ الصف ۳۷

حاشیہ ۸۲۔ ”یعنی جب حضرت یونس نے اپنے تصور کا اعتراف کر لیا اور وہ ایک بندہ مومن و گامت کی طرح اس کی تسبیح میں لگ گئے تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے ان کو ساحل پر اگل دیا۔ ساحل ایک پٹیل میدان تھا جس میں کوئی روئیدگی نہ تھی نہ کوئی ایسی چیز تھی جو حضرت یونس پر سایہ کرتی نہ وہاں غذا کا کوئی سامان موجود تھا۔ اس مقام پر بہت سے عقلیت کے مدعی حضرات یہ کہتے سنے جاتے ہیں کہ مچھلی کے پیٹ میں جا کر کسی انسان کا زندہ نکل آنا غیر ممکن ہے لیکن پچھلی صدی کے اواخر میں اس نام نہاد عقلیت کے گڑھ (انگلستان) کے سواٹل سے قریب ایک واقعہ پیش آچکا ہے جو ان کے دعوے کی تردید کر دیتا ہے۔ اگست ۱۸۹۱ء میں ایک جہاز Star of the East پر کچھ مجھیرے ویٹل کے شکار کے لئے گہرے سمندر میں گئے۔ وہاں انہوں نے ایک بہت بڑی مچھلی کو جو ۲۰ فٹ لمبی ۵ فٹ چوڑی اور سون ڈیڑھی تھی سخت زخمی کر دیا۔ مگر اس سے جنگ کرتے ہوئے جیڑ بار طے نامی ایک مجھیرے کو اس کے ساتھیوں کی آنکھوں کے سامنے مچھلی نے نکل لیا۔

دوسرے روز وہی پھٹی اس جہاز کے لوگوں کو مری ہوئی مل گئی۔ انہوں نے  
بیشکل اسے جہاز پر چڑھایا اور پھر طویل جدوجہد کے بعد جب اس کا پیٹ  
چاک کیا تو بارٹلے اس کے اندر سے زندہ برآمد ہو گیا۔ یہ شخص پھٹی کے پیٹ  
میں پورے ۶۰ گھنٹے رہا تھا (ارڈو انجسٹ فروری ۱۹۶۳ء)۔ خود کرنے کی  
بات ہے کہ اگر معمولی حالات میں فطری طور پر ایسا ممکن ہے تو غیر معمولی  
حالات میں اللہ تعالیٰ کے معجزے کے طور پر ایسا ہوتا کیوں غیر ممکن ہے؟

(بلا تبصرہ)

### عبارت نمبر ۴۲

یمن کے تین ہزار کھنڈرات و آثار قدیمہ کی جدید  
تحقیقات عربی روایات رومی و یونانی تواریخ پر آپ کو  
اعتماد ہے مگر محدثین پر نہیں

تفہیم القرآن ۳ ۱۹۶ ۳۴۳

”یمن میں بکثرت کھنڈرات ملے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ  
سارا ملک ان دیوتاؤں اور خصوصاً اللہ کے مندروں سے بھرا ہوا تھا اور  
براہم واقعہ پر ان کے شکرے ادا کئے جاتے تھے۔ آثار قدیمہ کی جدید  
تحقیقات کے سلسلے میں یمن سے تقریباً ۳ ہزار کھنڈرات فراہم ہوئے ہیں جو  
اس قوم کی تاریخ براہم روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے ساتھ عربی روایات اور  
رومی و یونانی تواریخ کی فراہم کردہ معلومات کو اگر جمع کر لیا جائے تو اچھی  
خاصی تفصیل کے ساتھ اس کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ ان معلومات کی  
رو سے اس کی تاریخ کے اہم ادوار حسب ذیل ہیں:

(بلا تبصرہ)

### عبارت نمبر ۴۳

آپ کے قیاس اور شبہ کی تقویت (۱۹۶۵ء میں آثار قدیمہ  
کی تلاش کرنے والی) ایک امریکی جماعت سے ہوئی۔

سبحان اللہ!

تفہیم القرآن ۵ ۲۸ الذریت ۵۱

حاشیہ ۳۵۔ ”اس سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ جنوب کا حصہ پہلے اس بحیرے  
کی سطح سے بلند تھا۔ بعد میں کسی وقت دھنس کر اس کے نیچے چلا گیا۔ اس کے  
دھنسے کا زمانہ بھی دو ہزار برس قبل مسیح کے لگ بھگ معلوم ہوتا ہے اور یہی  
تاریخی طور پر حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کا زمانہ ہے۔ ۱۹۶۵ء میں آثار  
قدیمہ کی تلاش کرنے والی ایک امریکی جماعت کو اللسان پر ایک بہت بڑا  
قبرستان ملا ہے۔ جس میں ۲۰ ہزار سے زیادہ قبریں ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا  
ہے کہ قریب میں کوئی بڑا شہر ضرور آباد ہوگا۔ مگر کسی ایسے شہر کے آثار اس  
باس کہیں موجود نہیں ہیں جس سے متصل اتنا بڑا قبرستان بن سکتا ہو۔ اس  
سے بھی یہ شبہ تقویت پاتا ہے کہ جس شہر کا یہ قبرستان تھا وہ بحیرے میں غرق  
ہو چکا ہے۔ بحیرے کے جنوب میں علاقہ ہے اس میں اب بھی ہر طرف تباہی  
کے آثار موجود ہیں اور زمین میں گندھک والی کول تار اور قدرتی گیس کے  
اٹنے و خاتمہ پائے جاتے ہیں جنہیں دیکھ کر گمان ہوتا ہے کہ کسی وقت بحلیوں  
کے مرنے سے یا زلزلے کا لاوا نکلنے سے یہاں ایک جہنم پھٹ پڑی ہوگی  
(مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد سوم اشعار حاشیہ ۱۱۳)“

(بلا تبصرہ)

## عبارت نمبر ۴۴

۱۔ الاحقاف کے متعلق آپ کا اغلب گمان کیا ہے؟

۲۔ ۱۸۳۳ء کے یورپائی فوجی آدمی پر اعتماد

تفہیم القرآن ۴ ۶۱۵ الاحقاف ۴۶

حاشیہ ۲۵۔ "الاحقاف کی موجودہ حالت کو دیکھ کر کوئی شخص یہ گمان بھی نہیں کر سکتا کہ کبھی یہاں ایک شاندار تمدن رکھنے والی طاقت و قوم آباد ہوگی۔

اغلب سے کہ ہزاروں برس پہلے یہ ایک شاداب علاقہ ہوگا اور بعد میں آب و ہوا کی تبدیلی نے اسے ریگزار بنا دیا ہوگا آج اس کی حالت یہ ہے کہ ایک لقمہ و دق ریگستان ہے جس کے اندر دو فی صد حصوں میں جانے کی بھی کوئی ہمت نہیں رکھتا۔ ۱۸۳۳ء میں یورپ کا ایک فوجی آدمی اس کے جنوبی کنارے سے پہنچ گیا تھا۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت موت کی شمالی سطح مرتفع پر سے گھڑے ہو کر دیکھا

جائے تو یہ صحرا ایک ہزار فٹ نشیب میں نظر آتا ہے۔ اس میں جگہ جگہ ایسے سفید قطعے ہیں جن میں اگر کوئی چیز گر جائے تو وہ ریت میں غرق ہوتی چلی جاتی ہے اور بالکل بوسیدہ ہو جاتی ہے۔ عرب کے بڑے اس علاقے سے بہت ڈرتے ہیں اور کسی قیمت پر وہاں جانے کے لئے راضی نہیں ہوتے۔ ایک موقع پر جب بڑے واسے وہاں لے جانے پر راضی نہ ہوئے تو وہ اکیلا وہاں گیا۔ اس کا بیان ہے کہ یہاں کی ریت بالکل باریک صوف کی طرح ہے۔

میں نے دور سے ایک شاقول اس میں پھینکا تو وہ ۵ منٹ کے اندر اس میں غرق ہو گیا اور اس رسی کا سراگل گیا جس کے ساتھ وہ بندھا ہوا تھا مفصل معلومات کے لئے ملاحظہ ہو۔

The Unveling of Arabic. R.H.K. Mam London 1937,

The Empty Quarter Phiby London 1933

تنبیہ

واضح رہے کہ اس سے قبل ہی حاشیہ ۲۵ میں آپ نے مزار ہو علیہ السلام پر شریک

ہونے والے ہزاروں آدمی کی شرکت کے علاوہ مقامی باشندوں کی مقامی روایات پر بھی اعتماد کیا ہے سبحان اللہ۔ اب کہاں گئی آپ کی شان تحقیق؟ کہاں گئی آنجناب کی عقل مرتج؟ جو محدثین کرام کے بیان کردہ اسناد و متون کو مضم نہیں کر پاتی ہے؟

## عبارت نمبر ۴۵

بائبل کے ایک مشہور جرمن عالم ریورینڈ ہربرٹ ہاگ کی تحریر سے استدلال

تفہیم القرآن ۵ ۵۲۹ التباہین

حاشیہ ۵۔ "آج خود کیسے تک علماء یہ کہنے لگے ہیں کہ بائبل میں اس عقیدے کی کوئی بنیاد موجود نہیں ہے۔ چنانچہ بائبل کا ایک مشہور جرمن عالم ریورینڈ ہربرٹ ہاگ اپنی تازہ کتاب Is Original Sin InScripture میں لکھتا ہے کہ ابتدائی دور کے عیسائیوں میں کم از کم تیسری صدی تک یہ عقیدہ سرے سے موجود ہی نہ تھا کہ انسان پیدا ہوا ہی گنہگار ہے اور جب یہ خیال لوگوں میں پھیلنے لگا تو دو صدیوں تک عیسائی اہل علم اس کی تردید کرتے رہے۔ مگر آخر کار پانچویں صدی میں سینٹ آگسٹائن نے اپنی منطق کے زور سے اس بات کو مسیحیت کے بنیادی عقائد میں شامل کر دیا کہ "نوع انسانی نے آدم کے گناہ کا وبال وراثت میں پایا ہے اور مسیح کے تقارے کی بدولت نجات پانے کے سوا انسان کے لئے کوئی راہ نجات نہیں ہے"

تنبیہ

غور کیجئے کہ جناب مودودی صاحب اپنے مزعومات کے اثبات کے لئے کسی کی بھی تحریر اور قول لینے میں ہچکچاہٹ اور درج نہیں محسوس کرتے بس ان کے نظریات اور مزاج و افکار کی تصدیق ہوتی چاہئے خواہ کہیں سے بھی ہو جائے۔ یہی ہے آنجناب کی جدید تحقیقی اسلوب اور عصر حاضر کا نیا طریقہ استدلال؟ چنانچہ لگے بندھے حدود و قیود



مودودی مرحوم کی بھی پسندیدہ کتاب ہوگئی۔ ورنہ اس کو ملاحظہ کرنے کی دعوت دینا (وہ بھی اوسط درجہ کے لوگوں کو) کہاں تک مقبول ہے؟

اور بتلایئے کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا پر انگلستان کے علماء کو اعتماد ہے۔ تو جناب مولانا مودودی صاحب نے اس پر کیوں اعتماد کیا؟ اسی لئے کہ جدید تحقیقی اسلوب سے قرآن پاک کی تفہیم کی جارہی ہے؟ یعنی قارئین کرام انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کو ملاحظہ کر لیں گے تو روح قرآن تک پہنچ جائیں گے؟ سبحان اللہ۔

### عبارت نمبر ۴۷

سائنس دانوں کی پیش کردہ ان تفصیلات پر آپ نے اعتماد تو کیا مگر ماخذ نہیں بتلایا

تفہیم القرآن ۶ ۲۲۷ النباء ۷۸

حاشیہ ۱۰۔ ”مراد ہے سورج۔ اصل میں لفظ وحاج استعمال ہوا ہے جس کے معنی نہایت گرم کے بھی ہیں اور نہایت روشن کے بھی اس لئے ترجمہ میں ہم نے دونوں معنی درج کر دیے ہیں۔ اس مختصر سے فقرے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت کے جس عظیم الشان نشان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کا قطر زمین کے قطر سے ۱۰۹ گنا اور اس کا حجم زمین کے حجم سے ۳ لاکھ ۳۳ ہزار گنا زیادہ بڑا ہے۔ اس کا درجہ حرارت ایک کروڑ چالیس لاکھ ڈگری سنٹی گریڈ ہے۔ زمین سے ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل دور ہونے کے باوجود اس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ انسان اگر برہنہ آنکھ سے اس کی طرف نظر جمائے کی کوشش کرے تو اپنی بینائی کھو بیٹھے اور اس کی گرمی کا حال یہ ہے کہ زمین کے بعض حصوں میں اس کی تابش کی وجہ سے درجہ حرارت ۱۳۰ ڈگری فahren ہائٹ تک پہنچ جاتا ہے۔“

### تنبیہ

جس طرح تفہیم ج ۶ ص ۲۲۷ حاشیہ ۱۱ میں شہابیوں کی حقیقت کے متعلق آپ

سے نکل کر جدید تحقیقی اسلوب نے کیا گل کھلایا؟ اور کیسا صاف راستہ آپ کو نبھائی دیا کہ بائبل کے ایک مشہور جرمن عالم کی کتاب سے استدلال کیا گیا اور اس کو ”جدید تحقیقی اسلوب“ کے نام سے امت مسلمہ کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی گئی ہے کیا یہ دین کو مضحکہ بنانا ہے یا نہیں؟ کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ

”بخاری کی روایات کو محض صحت سند کے زور پر لوگوں کے حلق سے اتارنے کی کوشش کرنا دین کو مضحکہ بنانا ہے۔“ تفہیم جلد ۳ ص ۳۲۷ حاشیہ ۳۶

### عبارت ۴۶

سائنس دانوں کے سب سے زیادہ مقبول نظریہ پر اعتماد کرنے کے بعد انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا ملاحظہ کرنے کی دعوت

تفہیم القرآن ۶ ۳۳ الملک ۶۷

حاشیہ ۱۱۔ ”رہا یہ سوال کہ ان شہابیوں کی حقیقت کیا ہے تو اس کے بارے میں انسان کی معلومات اس وقت تک کسی قطعی تحقیق سے قاصر ہیں۔ تاہم جس قدر بھی حقائق اور واقعات جدید ترین دور تک انسان کے علم میں آئے ہیں اور زمین پر گرے ہوئے شہابیوں کے معائنے سے جو معلومات حاصل کی گئی ہیں ان کی بناء پر سائنس دانوں میں سب سے زیادہ مقبول نظریہ یہ نکلا ہے کہ یہ شہابیے کسی سیارے کے انجماد کی بدولت نکل کر خلا میں گھومتے رہتے ہیں اور پھر کسی وقت زمین کی کشش کے دائرے میں آکر ادھر کا رخ کر لیتے ہیں (ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا، ایڈیشن ۶، ۱۹۷۱ء۔ جلد ۱۵۔ لفظ

“(Meteorites)“

### تنبیہ

کتاب انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا انگلستان کے بہت سے علماء کی مستحق تالیف اور ان کی پسندیدہ کتاب ہے (بائبل سے قرآن تک ج ۱ ص ۵۲۲) اسی لئے غالباً آنجناب

نے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کو ماخذ بتلایا ہے اسی طرح سائنس دانوں کی پیش کردہ تفصیلات کا ماخذ بھی آپ کو بتلانا ضروری تھا۔ تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو تاکہ جتنا کہ محدثین و مفسرین کی تحقیقات پر اعتماد نہ کر کے کن کن انگریزوں کی تحقیقات پر اعتماد کر رہے ہیں؟ اور کن کن لوگوں کی تحقیقات سے آپ نے تفہیم کے لکھنے میں مدد لی ہے.....؟

### عبارت نمبر ۳۸

۱۔ آپ نے یہاں مؤرخین کی روایات پر بھی جرح و قدح کیوں نہیں کیا؟

۲۔ اسلامی مؤرخین کے بیانات کی تصدیق اور مزید تفصیلات دوسرے تاریخی ذرائع سے کیوں؟

تفہیم القرآن ۶ ۲۹۷ البروج ۸۵

۱۔ ”سب سے مشہور واقعہ نجران کا ہے جسے ابن ہشام طبری (ابن خلدون اور صاحب تحف البلدان وغیرہ اسلامی مؤرخین نے بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمیم (یعنی) کا بادشاہ شبان اسعد ابو کرب ایک مرتبہ بحر گیا جہاں یہودیوں سے متاثر ہو کر اس نے دین یہود قبول کر لیا اور بنی قریظہ کے دو یہودی عالموں کو اپنے ساتھ لیمن لے گیا۔ وہاں اس نے بڑے پیار سے یہودیت کی اشاعت کی۔ اس کا بیٹا ذونواس اس کا چاشین ہوا اور اس نے نجران پر جو بنوئی عرب میں عیسائیوں کا گڑھ تھا حملہ کیا تاکہ وہاں سے عیسائیت کا خاتمہ کر دے اور اس کے باشندوں کو یہودیت اختیار کرنے پر مجبور کرے (ابن ہشام کہتا ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کے اصل دین پر قائم تھے) نجران پہنچ کر اس نے لوگوں کو دین یہود قبول کرنے کی دعوت دی مگر انہوں نے انکار کیا اس پر اس نے بکثرت لوگوں کو آگ سے بھرے ہوئے گڑھوں میں پھینک کر جلا دیا اور بہت سوں کو قتل کر دیا یہاں تک کہ مجموعی

طو پر ۲۰ ہزار آدمی مارے گئے۔ اہل نجران میں سے ایک شخص دوس ڈو ثعلبان بھاگ نکلا اور ایک روایت کی رو سے اس نے قیصر روم کے پاس جا کر اور دوسری روایت کی رو سے حبش کے بادشاہ نجاشی کے پاس جا کر اس ظلم کی شکایت کی۔ پہلی روایت کی رو سے قیصر نے حبش کے بادشاہ کو لکھا اور دوسری روایت کی رو سے نجاشی نے قیصر بحری بیڑا فرام کرنے کی درخواست کی۔ بہر حال آخر کار حبش کی ۷۰ ہزار فوج ارباط نامی ایک جنرل کی قیادت میں یمن پر حملہ آور ہوئی ذونواس مارا گیا یہودی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور یمن حبش کی عیسائی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔

۲۔ اسلامی مؤرخین کے بیانات کی نہ صرف تصدیق دوسرے تاریخی ذرائع سے ہوتی ہے بلکہ ان سے بہت سی مزید تفصیلات کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یمن پر سب سے پہلے عیسائی حبشیوں کا قبضہ ۳۳۰ء میں ہوا تھا اور ۳۷۵ء تک جاری رہا تھا۔ اس زمانے میں عیسائی مشنری میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ اسی کے قریب دور میں ایک زاہد و مجاہد اور صاحب کشف و کرامت عیسائی سیاح فیمنون (Faymiyun) نامی نجران پہنچا اور اس نے وہاں کے لوگوں کو بت پرستی کی برائی سمجھائی اور اس کی تبلیغ سے اہل نجران عیسائی ہو گئے۔ ان لوگوں کا نظام تین سردار چلاتے تھے۔ ایک سید جو قبائلی شیوخ کی طرح بڑا سردار اور خادجی معاملات معاہدات اور فوجوں کی قیادت کا ذمہ دار تھا۔ دوسرا عاقب جو داخلی معاملات کا نگران تھا۔ اور تیسرا اسقف (بشپ) جو مذہبی پیشوا ہوتا تھا۔ جنوبی عرب میں نجران کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ ایک بڑا تجارتی اور صنعتی مرکز تھا۔ سرچڑے اور اسلحہ کی صنعتیں یہاں چل رہی تھیں۔ مشہور حملہ یرمائی بھی یہیں تیار ہوتا تھا۔ اسی بنا پر محض مذہبی وجوہ سے نہیں بلکہ سیاسی اور معاشی وجوہ سے بھی ذونواس نے اس اہم مقام پر حملہ کیا۔ نجران کے سید حارثہ کو جسے سریانی مؤرخین Arethas لکھتے ہیں قتل کیا اس کی بیوی روم کے سامنے اس کی دو بیٹیوں کو مار ڈالا اور اسے ان کا خون پینے پر مجبور کیا پھر اسے بھی قتل کر دیا۔ اسقف پال (Paul) کی ہڈیاں قبر سے نکال کر جلا دیں۔ الخ“

ص ۲۹۶ پر آپ نے محدثین کے روایت کردہ واقعہ کو بیان کرنے کے بعد اسلامی مؤرخین کی روایات بیان کی ہیں لیکن اسلامی مؤرخین کے بیانات پر آپ کو مکمل اعتماد نہیں ہوا تو عیسائی مصنفین و مؤرخین کی تحریرات سے اس کی تصدیق کی اور ان ہی کی عیسائی مؤرخین کے بیانات پر اعتماد کر کے مزید تفصیلات کا بھی پتہ چلایا آپ لکھتے ہیں "اسلامی مؤرخین کے بیانات کی نہ صرف تصدیق دوسرے تاریخی ذرائع سے ہوتی ہے بلکہ ان سے بہت سی مزید تفصیلات کا بھی پتہ چلتا ہے۔"

اب مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ جس طرح آپ محدثین کی روایات پر تنقید کرتے ہیں تو اسی طرح مؤرخین کی ان اضطرابی روایات پر جرح و قدرح و تنقید کیوں نہیں کی؟ یعنی احادیث شریفہ اور حضرات محدثین سے الرجی؟ اور تواریخ و مؤرخین سے غیر معمولی محبت و شفقت کیوں ہے؟ پھر اگر اس کو دیکھا جائے کہ آنجناب محدثین کی روایات کے مقابلہ میں اسلامی مؤرخین کی روایات پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں تو اسلامی مؤرخین کے بیانات کی تصدیق عیسائی مصنفین سے کیوں کی؟ کیا اس کا صاف مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر عیسائی مصنفین کی تحریرات سے اسلامی مؤرخین کے بیانات کی تصدیق نہ ہوتی تو آپ حضرات محدثین کی طرح اسلامی مؤرخین پر بھی قطعاً اعتماد نہ کرتے اور نہ ان کے بیانات سے استدلال کرتے جس کا خلاصہ اور نچوڑ یہ نکلا کہ آپ کے نزدیک اصل عیسائی مصنفین کی تحریرات ہیں اسی وجہ سے ان کو تصدیق و تائید میں پیش کی ہیں۔ ورنہ بتلایا جائے کہ عیسائی تحریرات سے اسلامی مؤرخین کے بیانات کی صداقت کو پرکھنے اور جانچنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

اور ان سب کا خلاصہ یہ نکلا کہ اصولی طور پر آپ محدثین کی روایات پر اعتماد ہی نہیں کرتے اور اگر کہیں مصلحت کرتے ہیں تو ان سے زیادہ مؤرخین کی روایات پر اعتماد کرتے ہیں اور اسلامی مؤرخین سے زیادہ عیسائی مصنفین کی تحریرات پر اندازہ لگایا جائے کہ جناب مودودی صاحب نے قرآن کے نام پر مسلمان کو کیسا ایفون کھلایا ہے؟

۱۔ عیسائی تواریخ اور عیسائی مصنفین (جن کے نام بھی شمار کرائے ہیں) اگر مسلمان مؤرخین کے بیان کی تصدیق نہ کرتے تو آپ کو محدثین کی طرح اسلامی مؤرخین پر بھی اعتماد کبھی بھی نہ ہوتا۔

۲۔ حسن غراب کے کتبے پر اعتماد کے علاوہ عیسائی تحریرات پر اعتماد پیدا کرنے کی سعی بلیغ

تفہیم القرآن ۶ ۲۹۸ البروج ۸۵  
"مجموعی طور پر ۲۰ سے چالیس ہزار تک مقتولین کی تعداد بیان کی جاتی ہے۔ یہ واقعہ اکتوبر ۵۲۳ء میں پیش آیا تھا آخر کار ۵۲۵ء میں حبشیوں نے یمن پر حملہ کر کے ذوق اس اور اس کی خیر سلیط کا خاتمہ کر دیا۔ اس کی تصدیق حسن غراب کے کتبے سے ہوتی ہے جو یمن میں موجود زمانہ کے محققین کے آثار قدیمہ کو ملتا ہے۔"

چھٹی صدی عیسوی کی متعدد عیسائی تحریرات میں اصحاب الاخذہ کے اس واقعہ کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں جن میں سے بعض عین زمانہ حادثہ کی لکھی ہوئی ہیں اور بعض شاہدوں سے سن کر لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے تین کتابوں کے مصنف اس واقعہ کے ہم عصر ہیں۔ ایک پرکوپس دوسرا کوسماس انڈیکوپلوستس (Cosmos Indicopleustis) جو نجاشی ایلےسبوآن (Elesboan) کے حکم سے اس زمانے میں بطلیموس کی یونانی کتابوں کا ترجمہ کر رہا تھا اور جس کے ساحلی شہر ادولیس (Adolus) میں مقیم تھا۔ تیسرا یوحنا ملالا (Johannes Malala) جس سے بعد کے متعدد مؤرخین نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ اس کے بعد یوحنا افسوسی



جس میں نصاریٰ نجران کی تہذیب کا قصہ اس واقعہ کے معاصر راوی اسقف مارشمون (Simeon) کے ایک خط سے نقل کیا ہے جو اس نے درجلہ کے ابٹن (Abbot von Gabula) کے نام لکھا تھا اور مارشمون نے اپنے خط میں یہ واقعہ ان اہل یمن کے آنکھوں دکھنے بیان سے روایت کیا ہے جو اس موقع پر موجود تھے۔ یہ خط ۱۸۸۱ء میں روم سے اور ۱۸۹۰ء میں شہدائے مسیحیت کے حالات کے سلسلے میں شائع ہوا ہے۔ یہ یقینی طریق ڈیوونیسس (Patriarch Dionysius) اور ذکر یاد لکھی (Zacharia of Mitylene) نے اپنی سریانی تاریخیوں میں بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ یعقوب مروی کی کتاب در باب نصاریٰ نجران میں بھی یہ ذکر موجود ہے۔ الرعا (Edessa) کے اسقف پولس (Pulus) نے نجران کے ہلاک شدگان کا سرشیر لکھا جواب بھی دستیاب ہے۔ سریانی زبان کی تصنیف کتاب الحمرین کا انگریزی ترجمہ (Book of the Himyrites) ۱۹۲۳ء میں لندن سے شائع ہوا ہے اور وہ مسلمان مؤرخین کے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ برٹش میوزم میں اس عہد اور اس سے قریبی عہد کے کچھ جشی مخلوطات بھی موجود ہیں جو اس قصے کی تائید کرتے ہیں۔ لکھی نے اپنے سفر نامے (Arabian Highlands) میں لکھا ہے کہ نجران کے لوگوں میں اب تک وہ جگہ معروف ہے جہاں اصحاب الاغذہ و کا واقعہ پیش آیا تھا۔ انخرق کے پاس ایک جگہ چٹانوں میں کھدی ہوئی کچھ تصویریں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور کتبہ نجران جس جگہ واقع تھا اس کو بھی آج کل کے اہل نجران جانتے ہیں۔

قارئین کرام! تفہیم القرآن کے اس صفحہ ۲۹۸ کو بغور ملاحظہ فرمایا جائے کہ عیسائی تحریرات کی توثیق کی جناب مودودی صاحب نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے سوال یہ ہے کہ محدثین کرام کی تحقیقات و تحریرات کے باب میں آپ کا یہ زور کہاں چلا جاتا ہے؟ آپ فرماتے ہیں:

”چھٹی صدی عیسوی کی متعدد عیسائی تحریرات میں اصحاب الاخدود کے اس واقعہ کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں جن میں سے بعض عین زمانہ حادثہ کی کھلی ہوئی ہیں اور یہی شامروں سے سن کر لکھی گئی ہیں ان میں سے تین کتابوں کے

مصنف اس واقعہ کے ہم عصر ہیں ایک پرکوپیس دوسرا کوساس  
ایڈیکوپیس جس جو نباشا ایسوعان کے عہد سے اس زمانے میں بظاہر کی  
یونانی کتابوں کا ترجمہ کر رہا تھا.....

آپ کی اس پوری تحریر و عبارت سے عیسائی تحریرات کی عظمت و اہمیت اور حقانیت دلوں میں اترتی ہے کاش! ان ہی اسلوب تحریر سے محدثین کے بیان کردہ اسناد و فتون پر بھی آپ کلام کرتے تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

”اصحاب الاخذود“ کے بابت احادیث و توارخ کی روشنی میں آپ نے جو کچھ تحریر کیا تھا کیا وہ کافی نہیں تھیں؟ جس کی وجہ سے قَتْلِ اَصْحَابِ الْاِخْذُودِ کی تفسیر و تفصیل متعدد عیسائی تحریرات سے کی گئی؟ آخر عیسائی تحریرات سے قرآن کی تفصیلات و تصدیقات کیوں؟

قارئین کرام! غور فرمائیے کہ جناب مودودی صاحب قرآن کریم اور احادیث شریفہ کے مقابلہ میں تواریخ کو ہر جگہ کیوں بیان کرتے ہیں سوال یہ ہے کہ قرآن پاک اور احادیث شریفہ کے مقابلہ میں تاریخ کا مقام و درجہ کیا ہے؟ کیا تاریخ کا یہ درجہ ہے کہ قرآن اور حدیث کی طرح اس پر بھی عقیدہ کی بنیاد رکھی جائے؟ کیا قرآن و حدیث کی طرح تاریخ سے بھی ہر چیز کا حکم بیان کر سکتے ہیں؟ کیا جس طرح قرآن و حدیث سنذا و متنا ہر طرح سے محفوظ ہیں اسی طرح تاریخ بھی ہر طرح کی کمزوریوں سے محفوظ اور پاک ہے؟ یعنی جس طرح سے قرآن و حدیث کی حفاظت کے لئے قوانین و اصول وضع کئے گئے ہیں کیا اسی طرح سے تاریخ کے لئے بھی قوانین وضع کئے گئے ہیں؟

”مقام صحابہ“ نامی کتاب میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ”دیوبندی تحریروں“

فرماتے ہیں:

”معلماء اسلام نے فنِ تاریخ کی جو خدمتیں کی ہیں وہ اس کی اسلامی اہمیت کی شاہد ہیں۔ (اور مسلمان ہی درحقیقت اس فن کو باقاعدہ فن

بنانے والے ہیں) مگر ہر فن کا ایک مقام اور درجہ ہوتا ہے فن تاریخ کا یہ درجہ نہیں کہ صحابہ کرام کی ذات و شخصیات کو قرآن و سنت کی انصاف سے صرف نظر کر کے صرف تاریخی روایات کے آئینہ میں دیکھا جائے اور اس پر عقیدہ کی بنیاد رکھی جائے جس طرح فن طب کی کتابوں سے اشیاء کے حلال حرام یا پاک ناپاک ہونے کے مسائل و احکام ثابت نہیں کئے جاسکتے اگرچہ طب کی یہ کتابیں اکابر علماء ہی کی تصنیف ہوں۔ تاریخی حیثیت کا گزور پہلو قسوں اور پنگاموں کے حالات اور ان میں مشہور ہونے والی روایات کا جن لوگوں کو تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ شہر میں کسی جگہ کوئی پنگامہ پیش آجائے تو اسی زمانے اور اسی شہر کے رہنے والے بڑے بڑے ثقہ لوگوں کی روایتوں کا مجموعہ نہیں رہتا کیونکہ جس شخص سے انہوں نے سنا تھا اس کو مستند سمجھ کر اس کی روایت بیان کر دی مگر ہوتا یہ ہے کہ اس مستند نے بھی خود واقعہ دیکھا نہیں کسی دوسرے سے سنا اور یوں روایت در روایت ہو کر ایک بالکل بے سرو پا افواہ ایک مستند علیہ روایت کی صورت اختیار کر گیتی ہے۔

(مودودی صاحب اکابر امت کی نظر میں ص ۱۵۳)

قارئین کرام! اس لئے قرآن پاک و احادیث شریفہ کی نصوص قطعیہ سے آنکھیں بند کر کے جناب سید مودودی صاحب کا صرف تاریخی روایات کی بنیاد پر (خواہ وہ تو ایچ اسلامی ہوں یا اسرائیلی) قرآن کی تفہیم کس طرح درست قرار دی جاسکتی ہے.....؟

## عبارت نمبر ۵۰

۱۔ یونانی اور سریانی مؤرخین کے بیانات و تحریرات پر اعتماد

۲۔ گلینر کے نقل کردہ کتبہ پر بھی اعتماد

تفہیم القرآن ۶ ۳۶۳ الفیل ۱۰۵

”یعنی پر جو جی فوج حملہ آور ہوئی تھی اس کے متعلق عرب مؤرخین کے بیانات مختلف ہیں۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ وہ دو امیروں کی قیادت میں تھے ایک از یاطہ دوسرا ابراہیم اور محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ اس فوج کا امیر از یاطہ تھا یا ہم لڑنے کے مقابلے میں از یاطہ مارا گیا ابراہیم ملک پر قابض ہو گیا اور پھر اس نے شاہ جیش کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ اسی کو یمن پر اپنا نائب مقرر کر دے۔ اس کے برعکس یونانی اور سریانی مؤرخین کا بیان ہے کہ جیش یمن

کے بعد جب جیشوں نے مزاحمت کرنے والے یعنی سرداروں کو ایک ایک کر کے قتل کرنا شروع کر دیا تو ان میں سے ایک سردار آشوش (جسے یونانی مؤرخین Esymphaeus لکھتے ہیں) نے جیشوں کی اطاعت قبول کر کے اور جزیہ ادا کرنے کا عہد کر کے شاہ جیش سے یمن کی گورنری کا پروانہ حاصل کر لیا۔ لیکن جیش فوج نے اس کے خلاف بغاوت کر دی اور ابراہیم کو اس کی جگہ گورنر بنا دیا۔ یہ شخص جیش کی بندرگاہ ادولیس کے ایک یونانی تاجر کا غلام تھا جو اپنی ہوشیاری سے یمن پر قبضہ کرنے والی جیش فوج میں بڑا اثر و رسوخ حاصل کر لیا گیا تھا۔ شاہ جیش نے اس کی سرکوبی کے لئے جو فوجیں بھیجیں وہ یا اس سے مل گئیں یا اس نے ان کو شکست دے دی۔ آخر کار شاہ جیش کے مرنے کے بعد اس کے جانشین نے اس کو یمن پر اپنا نائب السلطنت تسلیم کر لیا (یونانی مؤرخین اس کا نام ابراہیم Abrames اور سریانی مؤرخین ابراہام Abraham لکھتے ہیں۔ ابراہیم غالباً اسی کا جیشی تلفظ ہے کیونکہ عربی میں تو اس کا تلفظ ابراہیم ہے)

یہ شخص رفتہ رفتہ یمن کا خود مختار بادشاہ بن گیا مگر برائے نام اس نے شاہ جیش کی بلا دہی تسلیم کر رکھی تھی اور اپنے آپ کو مغضوب الملک (نائب شاہ) لکھتا تھا۔ اس نے جو اثر و رسوخ حاصل کر لیا تھا اس کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ جب ۵۲۳ء میں وصیہ ماریہ کی مرمت سے فارغ ہوا تو اس نے ایک عظیم الشان جشن منایا جس میں قیصر روم شاہ ایران شاہ حیرہ اور شاہ فسان کے سزا و شریک ہوئے۔ اس کا مفصل تذکرہ اس کتبے میں درج ہے جو ابراہیم نے سد ماریہ پر لگایا تھا۔ یہ کتبہ آج بھی موجود ہے اور گلینر (Glaser) نے اس کو نقل کیا ہے (مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد چہارم) تفہیم سورہ سبا حاشیہ ۳۷

(عنوان کی وجہ سے بلا تبصرہ ہی مدعا واضح ہے)

یعنی یہ کہ مؤرخین کی بیان کردہ تواریخ میں تو حضرات محدثین کی نقل کردہ اسناد سے زیادہ اختلاف و تنقید کی گنجائش ہے تو آپ نے جس طرح اسناد و متون حدیث کو مجروح کیا ہے بعینہ اسی طرح تواریخ کو مجروح کیوں نہیں کیا؟ اور جب احادیث پر اعتماد نہیں تو تواریخ پر اعتماد کیوں کیا؟

## نواں باب

# تفہیم القرآن میں بائبل اور قرآن کی بعینہ ایک تصویر

## عبارت نمبر ۵۱

یہ سب (یعنی کتب محرفہ بائبل وغیرہ اور قرآن پاک)

ایک ہی ”الکتاب“ کے مختلف ایڈیشن ہیں

تفہیم القرآن ۱ ۲۷۸ المائدہ ۵

حاشیہ ۷۸۔ ”پس حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں مؤید ہیں، تردید کرنے والی نہیں، تصدیق کرنے والی ہیں، بلکہ اصل حقیقت اس سے کچھ بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی ”الکتاب“ کے مختلف ایڈیشن ہیں۔“

### تنبیہ

میری کتاب میں اس عنوان کے شروع میں ایک باب ہے ”انٹرویو کی جملہ عبارات تفہیم میں“ اس کے ذیل میں راقم الحروف نے تفہیم القرآن ج ۱ کے ص ۲۷۸ کے متعلق کلام کر چکا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہاں ملاحظہ کر لیں۔

## عبارت نمبر ۵۲

بائبل سے حضرت ایوبؑ کی کردار کشی کے بعد قرآن مجید اور

یہ صحیفہ ایک ہی ہیں۔ گزارش ہے کہ تفہیم ج ۲ ص ۲۶۵

حاشیہ ۵۸ کو بھی اس حاشیہ ۲۰۵ کے ساتھ ملاحظہ کیا جائے

تفہیم القرآن ۱ ۲۲۲-۲۲۵ النساء

حاشیہ ۲۰۵۔ ”اس کے بالکل برعکس وہ ساری کتاب ہمیں یہ بتاتی ہے کہ حضرت ایوبؑ اپنی مصیبت کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے خلاف سرایا شکایت ہے تو نے تھے حتیٰ کہ ان کے ہم نشین انہیں اس امر پر مطمئن کرنے کی کوشش



کرتے تھے کہ خدا ظالم نہیں ہے مگر وہ کسی طرح مان کر نہ دیتے تھے۔

(۱) ان صحیفوں کے علاوہ بائبل میں انبیاء بنی اسرائیل کے (۲) اصحاف اور بھی درج ہیں جن کا بیشتر حصہ صحیح معلوم ہوتا ہے (۳) خصوصاً یسعیاہ یرمیاہ حزقی ایل عاموس اور بعض دوسرے صحیفوں میں بکثرت مقامات ایسے آتے ہیں جنہیں پڑھ کر آدمی کی روح وجد کرنے لگتی ہے۔ (۴) ان میں الہامی کلام کی شان صریح طور پر محسوس ہوتی ہے۔ ان کی اخلاقی تعلیم ان کا شرک کے خلاف جہاد ان کا توحید کے حق میں پر زور استدلال اور ان کی بنی اسرائیل کے اخلاقی زوال پر (۵) سخت تنقیدیں پڑھتے وقت آدمی محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اناجیل میں حضرت مسیح کی تقریریں اور قرآن مجید اور یہ صحیفہ ایک ہی سرچشمے سے نکلی ہوئی سوتلیں ہیں۔“

### تنبیہ

۱۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان عبارات سے پہلے کی عبارات بھی آپ ملاحظہ کر لیں کہ کس طرح آپ نے بائبل کی تعریف کے ساتھ اس پر تنقید بھی کی ہے ایک طرف بائبل کی کتاب زبور میں آپ کو ”فی الواقع کلام حق کی روشنی محسوس ہوتی ہے“ تو دوسری طرف اسی کے ساتھ اس میں اچھی خاصی آمیزش بھی اور آخری کے دو باب کو ”صریحا الحاقی“ بتلاتے ہیں مگر اس کے باوجود ”ان امثال کا بڑا حصہ صحیح و برحق معلوم ہوتا ہے۔“

بالکل یہی بات بائبل کی کتاب ایوب کے متعلق عرض کرتے ہیں کہ اس میں حکمت کے بہت سے جواہر ہیں مگر اس کو پڑھتے وقت آپ کو یہ یقین نہیں آیا کہ واقعی حضرت ایوب کی اس کتاب کی نسبت صحیح ہے۔ اب قارئین کرام غور فرمائیں کہ آپ کی ان عبارت سے کیا سمجھا جائے کہ بیک وقت آپ نے بائبل کی تعریف و تنقید کیوں کی؟ بظاہر اس کی یہی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ آپ مسلمانوں اور یہودیوں دونوں کی نظروں میں ہر دل عزیز کی خواہاں ہیں۔ اس طرح پر کہ بائبل کی تعریف کر دی تو یہودی خوش ہو گئے اور اسی کے ساتھ بائبل پر تنقید کی تو مسلمان خوش ہو گئے اس لئے آپ نے ایک یہ سے حسب معمول سابقہ دو شکار کرنا چاہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آجنگاہ کو اس طریقہ

کار میں کامیابی ملی ہے یا نہیں؟ اور آپ کا یہ انداز صحیح بھی ہے یا نہیں؟ بہر حال آپ نے اس حاشیہ ۲۰۵ میں جو کچھ لکھا ہے اس کی عبارت یوں ہے:

”موجودہ بائبل میں زبور کے نام سے جو کتاب پائی جاتی ہے وہ ساری کی ساری زبور داؤد نہیں ہے اس میں بکثرت مزامیر دوسرے لوگوں کے بھی بھردے گئے ہیں اور وہ اپنے اپنے مصنفین کی طرف منسوب ہیں البتہ جن مزامیر پر تصریح ہے کہ وہ حضرت داؤد کے ہیں ان کے اندر فی الواقع کلام حق کی روشنی محسوس ہوتی ہے۔ اس طرح بائبل میں امثال سلیمانی کے نام سے جو کتاب موجود ہے اس میں بھی اچھی خاصی آمیزش پائی جاتی ہے اور اس کے آخری دو باب تو صریحا الحاقی ہیں۔ مگر اس کے باوجود ان امثال کا بڑا حصہ صحیح و برحق معلوم ہوتا ہے ان دو کتابوں کے ساتھ ایک اور کتاب حضرت ایوب کے نام سے بھی بائبل میں درج ہے لیکن حکمت کے بہت سے جواہر اپنے اندر رکھنے کے باوجود اسے پڑھتے ہوئے یہ یقین نہیں آتا کہ واقعی حضرت ایوب کی طرف اس کتاب کی نسبت صحیح ہے اس لئے کہ قرآن میں اور خود اس کتاب کی ابتداء میں حضرت ایوب کے جس مبر عظیم کی تعریف کی گئی ہے اس کے بالکل برعکس وہ ساری کتاب ہمیں یہ بتاتی ہے۔“

قارئین کرام! آپ غور فرمائیں کہ کس خوبصورتی کے ساتھ جناب مودودی صاحب نے اپنے مافی الضمیر (دل کی بھڑاس) کو بائبل کے سہارے سے بیان کیا ہے۔ آخر آپ کو کیا ضرورت پیش آئی کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی کردار کشی نقل کریں؟ اگر بائبل میں وہ بات لکھی تھی تو اس کو قرآن کی آزادتر جمانی تفہیم القرآن میں بھی لکھنا ضروری تھا؟ اس لئے تاکہ بائبل اور قرآن ایک ہو جائے؟ یا دونوں روایات ساتھ ساتھ پڑھیں جائیں؟ کیا اسی لئے آپ نے تفہیم میں محدثین مفسرین سے ہٹ کر آزادتر جمائی کی ہے؟ اس کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ

۲۔ ”ان صحیفوں کے علاوہ بائبل میں انبیاء بنی اسرائیل کے ۱۷ اصحاف اور بھی درج ہیں جن کا بیشتر حصہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔“

۳۔ ”خصوصاً یسعیاہ یرمیاہ حزقی ایل عاموس اور بعض دوسرے

صحیفوں میں تو بکثرت مقامات ایسے آتے ہیں کہ جنہیں پڑھ کر (مودودی صاحب چھے) آدمی کی روح وجد کرنے لگتی ہے۔

۳۔ "ان میں الہامی کلام کی شان صریح طور پر محسوس ہوتی ہے۔۔۔۔۔"

۵۔ "اور ان کی بنی اسرائیل کے اخلاقی زوال پر سخت تنقیدیں پڑھتے وقت (مودودی صاحب جیسا) آدمی یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ انجیل میں حضرت مسیح کی تقریریں اور قرآن مجید اور یہ صحیفے ایک ہی سرچشمے سے نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔"

قارئین کرام! اس کے آگے آپ کو یہ بھی ضرور لکھنا چاہئے کہ لیکن قرآن مجید محفوظ ہے اور یہ سب صحیفے غیر محفوظ ہیں۔

مگر آپ نے اس ضروری عبارت کا اضافہ کیوں نہیں کیا؟ اور صاف لفظوں میں کیوں نہیں لکھا؟ کہ قرآن پاک محفوظ ہے اور بائبل کی یہ کتابیں قطعاً محفوظ نہیں ہیں جب ہم نے اس حقیقت کا سراغ لگایا تو تفہیم ج ۲ ص ۲۶۵ حاشیہ ۵۸ آیت پاک وَعِنْدَهُ اُمُّ الْكِتَابِ کے تحت میں معلوم ہو گیا کہ جناب سید مودودی صاحب نے حفاظت قرآن اور تحریف بائبل کے مسئلہ کو یہاں کیوں نہیں بیان کیا؟ چنانچہ آئندہ صفحات میں حاشیہ ۵۸ کو پڑھئے کہ آپ نے مخالفین کے اعتراضات میں سے ۵ اعتراضات کو بڑی تفصیل سے ذکر کئے ہیں مگر ان اعتراضات کا ایک جواب بھی آپ نے نہیں دیا بلکہ جواب نما ایک جملہ لکھ کر حاشیہ ۵۸ ہی کو ختم کر دیا۔

"یہاں ان کا مختصر جامع جواب دے کر چھوڑ دیا گیا ہے۔"

غور طلب بات یہ ہے کہ یہودیوں کے ۵ سوالات تو مفصلاً آپ نے تفہیم میں ذکر کئے ہیں اور ایک بھی جواب نہیں دیا اور جو ایک جواب نما جملہ مذکورہ آپ نے لکھا ہے تو وہ مختصر جواب تو اللہ نے قرآن میں دیا ہے۔ تفہیم القرآن میں تو ایک مختصر جواب بھی نہیں۔ قرآن الگ کتاب ہے اور تفہیم القرآن الگ کتاب ہے اور مزید آپ کے مخالف و کذب بیانی کی باتوں میں اس جگہ ایک بات غور طلب یہ ہے کہ اعتراضات تو نقل کریں یہاں اور تفصیلی جوابات کے لئے لکھیں کہ

"ان اعتراضات کے جوابات بعد کی سورتوں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ دئے گئے ہیں۔"

یہاں کا انصاف اور قاعدہ ہے؟ ہوتا تو یہ چاہئے کہ جس طرح مخالفین اور یہودیوں کے اعتراضات اس جگہ آپ نے تفصیل سے نقل کئے ہیں اسی طرح ان کے تفصیلی منہ توڑ جوابات بھی اسی جگہ نقل کرتے۔ مجھے بتلایا جائے کہ بعد کی سورتوں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ کس کس سورہ میں ان اعتراضات کے جوابات جناب مودودی صاحب نے دئے ہیں؟ کم از کم ان مواقع کو قید صفحات و حواشی کے ساتھ متعین کر دیا جاتا تو بھی ایک بات تھی۔ اب عام اوسط درجہ کے لوگوں کو تفہیم القرآن کی ۶ ضخیم جلدات میں تلاش کرنے کی طاقت کہاں ہے؟ خود راقم الحروف نے تفہیم میں جب ان سوالات کو پہلی مرتبہ پڑھا تھا تو قرآن کے متعلق سخت اضطراب و شش و پنج اور بے چینی کا شکار ہو گیا تھا۔ نعوذ باللہ وہ تو بعد میں تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ آزاد ترجمانی اور حاشیہ دونوں ہی سرے سے مخالفہ آئینہ اور دراصل جناب مولانا مودودی صاحب نے یہودیوں کی وکالت میں مسلمانوں کے "ایمان قرآن" کے ساتھ ساتھ "ایمان تقدیر" کو بھی تباہ و برباد کرنے کی اس حاشیہ میں کوشش کی ہے اسی وجہ سے صرف ایسے سوالات لکھے ہیں جن سے ایک مومن کا ایمان متزلزل ہو جائے۔ اور ان کے جوابات نداد۔

یہ ہے اس حقیقت کا سراغ جو زیر بحث تفہیم ج ۱ ص ۲۲۵ حاشیہ ۲۰۵ کی آخری سطر میں سوال پیدا ہوا تھا کہ آپ نے اس جگہ اس سطر کے آگے یہ کیوں نہیں لکھا کہ قرآن پاک کی طرح بائبل کی یہ کتابیں قطعاً نہیں ہیں کیونکہ قرآن محفوظ ہے اور غیر محرف ہے اور بائبل محرف ہونے کے علاوہ غیر محفوظ بھی ہے یعنی حفاظت قرآن اور تحریف بائبل کے اہم مسئلہ کی وضاحت نہ کرتے ہوئے صرف ایک ہی سرچشمے سے نکلی ہوئی سوتیں ہیں چنانچہ تفہیم ج اول ص ۱۴۲۳ اور ص ۲۲۵ حاشیہ ۲۰۵ اور تفہیم ج دوم ص ۲۶۵ حاشیہ ۵۸ دونوں ملا کر پڑھئے۔ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ حاشیہ ۵۸ میں صرف ۵ سوالات کو نقل

کرنے کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ جناب سید مودودی صاحب نے ہر طرح سے بائبل کی کتابوں کو قرآن کی صف میں لانے کی بھرپور کوشش کی ہے ہم قارئین کرام کی سہولت کے لئے تفہیم ج ۲ ص ۲۶۵ حاشیہ ۵۸ کو بھی نقل کرتے ہیں۔

### عبارت نمبر ۵۳

گزارش ہے کہ تفہیم ج اول ص ۲۲۲-۲۲۵ حاشیہ ۲۰۵ کے ساتھ ملا کر اس حاشیہ کو ملاحظہ کیا جائے تو خود بخود بات واضح ہو جائے گی کہ تقدیر مبرم میں شبہ ہونے کی وجہ سے آپ نے ان ۱۵ اعتراضات کے جوابات نہیں دئے

### سبحان اللہ

تفہیم القرآن ۲ ص ۲۶۵ الرد ۱۳

حاشیہ ۵۸۔ ”یہ بھی مخالفین کے ایک اعتراض کا جواب ہے وہ کہتے تھے کہ پہلے آئی ہوئی کتابیں جب موجود تھیں تو اس نئی کتاب کی کیا ضرورت تھی؟ تم کہتے ہو کہ ان میں تحریف ہو گئی ہے اب وہ منسوخ ہیں اور اس نئی کتاب کی بیرونی کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر خدا کی کتاب میں تحریف کیسے ہو سکتی ہے؟ خدا نے اس کی حفاظت کیوں نہ کی؟ اور کوئی خدائی کتاب منسوخ کیسے ہو سکتی ہے؟ تم کہتے ہو کہ یہ اسی خدا کی کتاب ہے جس نے توراۃ و انجیل نازل کی تھیں۔ مگر یہ کیا بات ہے کہ تم بار بار طریقہ توراۃ کے بعض احکام کے خلاف ہے؟ مثلاً بعض چیزیں جنہیں توراۃ والے حرام کہتے ہیں تم انہیں حلال سمجھ کر کھاتے ہو۔ ان اعتراضات کے جوابات بعد کی سورتوں میں زیادہ تفصیل کے ساتھ دئے گئے ہیں۔ یہاں ان کا صرف ایک مختصر جامع جواب دے کر چھوڑ دیا گیا ہے۔ ”ام الکتاب“ کے معنی ہیں اصل کتاب یعنی وہ منبع و سرچشمہ جس سے تمام کتب آسمانی نکل ہیں۔“

قارئین کرام! اس حاشیہ ۵۸ کی عبارات سخت قسم کی تلخیص آمیز ہیں۔ اس میں حق اور ناحق دونوں قسم کی باتوں کو آپس میں آپ نے اس طرح ملا دیا ہے کہ عام آدمی کے لئے دونوں کے درمیان تمیز کرنا بہت مشکل ہے کیونکہ اس میں آپ نے صرف ام الکتاب کے معنی بتلائے ہیں اور کتب سماویہ کے مفہوم کی وضاحت نہیں فرمائی ہے۔ حالانکہ ام الکتاب کے مفہوم و معنی کے ساتھ کتب سماویہ کے مفہوم و معنی کی وضاحت کے بغیر بات کچھ کی کچھ ہو گئی ہے۔ بلکہ تعجب ہوتا ہے کہ اس حاشیہ میں جناب سید مودودی صاحب نے ”لوح محفوظ“ کا لفظ کیوں نہیں ذکر فرمایا؟ آپ نے یہاں ام الکتاب کا معنی یہ تحریر کیا کیا ہے۔

”اصل کتاب“ یعنی وہ منبع و سرچشمہ جس سے تمام کتب آسمانی نکل ہیں۔“

لیکن کتب سماویہ کے معنی نہیں بتلائے اس لئے راقم الحروف تحریر کرتا ہے۔

### آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا مفہوم و مطلب

یعنی لوح محفوظ جو اصل کتاب ہے اس سے نقل شدہ کتابیں اور صحیفے جن کو اللہ نے حضرت جبریل کے ذریعہ سے اپنے اپنے وقت کے انبیاء اور رسولوں کے پاس انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ جن میں قرآن پاک کے علاوہ آج کوئی بھی کتاب و صحیفہ لوح محفوظ سے نقل شدہ اصل ام الکتاب کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دنیا دار والا سبب ہے اور اسباب کی تاثیر کا ایک طبعی اندازہ ہے کسی بھی قوم نے اسباب کے تحت اگلی کتابوں کی حفاظت نہیں کی کہ وہ ہر طرح کی گرد و دوسے محفوظ رہیں۔ صرف مسلمانوں نے شروع سے لے کر آج تک اپنے نبی آخر الزماں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی آخری کتاب کی حفاظت اسباب کے دائرہ میں اس طرح کی ہے اور آئندہ بھی کرے گی کہ جس کی دنیا کی کوئی بھی قوم مثال نہیں پیش کر سکتی کہ قرآن پاک اصل ام الکتاب لوح محفوظ کے عین مطابق ہے اور بقیہ آسمان سے نازل ہونے والی پہلی کتابوں میں ان کے ماننے والوں نے زبردست تحریف و تبدیل کی ہے۔ اس لئے آج



کی پوزیشن میں وہ کتب سابقہ اصل ام الکتاب لوح محفوظ کے مطابق نہیں ہیں۔

اس لئے جناب سید مودودی صاحب نے یہودیوں کے جو پانچ اعتراضات نقل کئے ہیں وہ صحیح نہیں ہیں چونکہ ان کے پاس ان کی کسی بھی کتاب کی سند متصل نہیں ہے جس کی بنیاد پر کوئی بات واجب التسلیم ہوا کرتی ہے اور الحمد للہ ہم مسلمانوں کے پاس دین اسلام کی قرآن کی احادیث نبویہ کی ہر چیز کی سند متصل موجود ہے۔ اس لئے ان کی کتابیں محفوظ نہیں ہیں چونکہ اسباب کے تحت انہوں نے سند متصل کے ذریعہ سے ان کی حفاظت نہیں کی اور ان کی کتابوں کو اللہ نے اپنی حکمت کے موافق منسوخ کر دیا اور قیامت تک کے لئے آنے والے انسانوں کی ہدایت کے لئے اس نے آخری کتاب تاریخ قرآن پاک نازل فرمائی۔ کیونکہ ان کی مرضی و مشیت ہے کہ جس حکم کو چاہے منسوخ کر دے جیسے چاہے باقی رکھے جس قوم کو چاہے مٹائے جسے چاہے اس کی جگہ جمادے جن اسباب کی تاثیر چاہے بدل ڈالے جن کی چاہے نہ بدلے۔ غرض ہر قسم کی تبدیل و تغیر و موثبات نسخ احکام اس کے ہاتھ میں ہے قضا و قدر کے تمام دفاتر کی اصل لوح محفوظ ام الکتاب اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی بھی اب اللہ جل شانہ سے پوچھنے والا کون ہے کہ اس نے یہ کام کیوں کئے؟ اس نے کچھلی کتابوں کو منسوخ کیوں کیا؟ اس کتاب کو تاریخ کیوں بنایا؟ اس نے کچھلی کتابوں کی حفاظت کیوں نہیں کرائی؟ اور اس کتاب تاریخ قرآن پاک کی حفاظت کیوں کرائی؟ پہلی کتابوں کی موجودگی میں اس کتاب آخر کو کیوں ہزل کیا؟ اس کی کیا ضرورت تھی؟ کچھلی کتابوں میں کس طرح تحریف ہو گئی؟ کیا وہ آسمانی کتابیں تھیں؟ خدا کی کتاب میں کس طرح تحریف ہو سکتی ہے؟

یہ اعتراضات وہی کر سکتا ہے جس کو تقدیر مبرم پر یقین نہ ہو جو تقدیر مبرم کو نہ مانتا ہوگا اور جسے تقدیر مبرم کے متعلق شبہ ہوگا وہی شخص ان اعتراضات کو نقل کرے گا۔ جیسا کہ خود جناب سید مودودی صاحب کو تقدیر مبرم کے متعلق شبہ ہے اسی لئے آپ نے یہودیوں کے اعتراضات کو نقل کئے ہیں اور ان کا جواب نہیں دیا ہے تاکہ دوسرے لوگوں کے ایمان بھی خراب ہو جائیں اور آپ کی طرح کبھی لوگ تقدیر کے متعلق شکوک

و شبہات میں گرفتار ہو جائیں۔ چنانچہ ترجمہ شیخ الہند میں حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے اسی آیت میں حضرت شاہ صاحب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

”دنیا میں ہر چیز اسباب سے ہے بعض اسباب ظاہر ہیں بعض چھپے ہیں۔ اسباب کی تاثیر کا ایک طبی اندازہ ہوتا ہے جب اللہ چاہے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کرے جب چاہے ویسی ہی رکھی۔ آدمی بھی منکر سے مرتا ہے اور بھی گولی سے بچتا ہے اور ہر ایک اندازہ ہر چیز کا اللہ کے علم میں ہے جو ہرگز نہیں بدلتا اندازہ کو تقدیر کہتے ہیں۔ دو تقدیر ہوئیں ایک بدلتی ہے اور ایک نہیں بدلتی جو تقدیر بدلتی ہے اس کو محلی اور جو نہیں بدلتی اس کو مبرم کہتے ہیں جن احادیث و آثار سے بعض فاضل (جناب مودودی صاحب جیسے از ناظر) کو قضا و مبرم کے بدلنے کا شبہ ہوا ہے ان کے متعلق یہاں تفصیل کا موقع نہیں۔ انشاء اللہ مستقل تفسیر میں لکھا جائے گا اگر خدا نے توفیق دی جو اللہ الوفی والمستعان (ترجمہ سورہ رعد ص ۳۳ حاشیہ ۲ مطبوعہ شاہ فہد پرنٹنگ پریس مدینہ منورہ)

قارئین کرام از میر بحث حاشیہ ۵۸ کے تحت ام الکتاب کے معنی میں جو جملہ آپ نے تحریر کیا ہے ”وہ منبع اور سرچشمہ جس سے تمام کتب آسمانی نکلی ہیں“ اس کی شرح تفہیم ج اول ص ۳۲۵ حاشیہ ۲۰۵ کی آخری سطر میں اس طرح کی ہے کہ

”اناجیل میں حضرت مسیح کی تقریریں اور قرآن مجید اور یہ صحیفہ ایک ہی سرچشمہ سے نکلی ہوئی ہوتی ہیں“

اس پر پھر وہی سوال لوٹ آیا کہ آپ نے ان دونوں حاشیوں میں حفاظت قرآن اور تحریف بائبل کے اہم بنیادی و اعتقادی مسئلہ کی وضاحت کیوں نہیں کی اور دونوں جگہ اس اہم موضوع پر روشنی ڈالنے سے کیوں اعراض کیا؟

سوا اس کی وجہ ہم بتلا چکے ہیں کہ جناب سید مودودی صاحب کو تقدیر مبرم کے متعلق شبہ ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی ان عبارات سے قرآن پاک اور کتب محزنہ بائبل وغیرہ کی ایک تصویر پیش کرنے کی کوشش کی ہے ان دونوں وجہ سے آپ نے یقیناً یہودیوں کے صرف ۵ اعتراضات جواب کے بغیر نقل کئے۔

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب کی یہی وہ ضروریات تھیں جن کی

وجہ سے تفہیم القرآن لکھنے کی ضرورت محسوس کی جیسا کہ دیباچہ تفہیم کے سر پر تحریر کرتے ہیں

”لیکن کچھ ضرورتیں ایسی ہیں جو لفظی ترجمے سے پوری نہیں ہوتیں اور نہیں ہو سکتیں انہیں کو میں نے ترجمانی کے ذریعہ سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے“

جناب کی وہ ضرورتیں کیا ہیں؟ ان کو ہم کیوں رکھا؟ ان کی وضاحت کیوں نہیں کی؟ آپ کے اس ابہام و عدم وضاحت کی وجہ سے حقیقت کا سراغ لگانے کی خاطر ہم نے تفہیم القرآن کا بنظر غائر مطالعہ کیا تو مجھے آپ کی ضرورتیں یہی سمجھ میں آئیں کہ احادیث شریفہ کے مضمون و متن پر بے اعتمادی ہے کہیں محدثین کی بیان کردہ اسناد پر سب اعتمادی ہے تو کہیں بائبل اور قرآن پاک کی ایک تصویر پیش کی جا رہی ہے۔ اور کہیں اقتدیر ہی پر شبہ ہے جیسا کہ زیر بحث ص ۵۸ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا وغیرہ۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَتْرَكُ مَنْ حَكِيمٍ حَبِيبٍ

علاوہ ازیں اس جگہ جناب مودودی صاحب نے امت محمدیہ کے ”متنبی بالقبول“ کی اہمیت کو بھی محفوظ نہیں رکھا ہے اور نہ ہی دونوں کتابیں ”قرآن اور بائبل“ کے متعلق اہل فن کا یہ اصول آپ کے ذہن میں رہا ہو کہ جو کتابیں شاذ و نادر افراد کے ہاتھوں میں رہی ہوں جیسے بائبل کی تمام کتابیں اور وہ کتابیں یعنی جو قرآن پاک اور احادیث نبوی جن کو پوری امت نے متواتر قرار دے کر علی الاعین والرائس رکھا دونوں قسم کی کتابیں قطعاً ایک حیثیت نہیں رکھتیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
وَقَدْ نَزَّلَ الْحَقُّ الْكِتَابَ فِي ثَمَرِ الْقُرْآنِ الْمُبِينِ

عبارت نمبر ۵۴

بائبل کے متعلق جناب سید مودودی کی تحریرات میں

انتہائی تضاد بیاباں

تفہیم القرآن ۳ ۵۸۲ اٹل ۲۷

حاشیہ ۵۶۔ ”یہودی رتبوں کی روایات میں حضرت سلیمان اور ملکہ سبا کا قصہ اپنی بیشتر تفصیلات میں قرآن سے ملتا جلتا ہے۔ ملکہ خدا کا عائب ہونا پھر آکر سبا اور اس کی ملکہ کے حالات بیان کرنا حضرت سلیمان کا اس کے ذریعہ سے خط بھیجنا۔ ملکہ کا عین اس وقت وہ خط ملکہ کے آگے کرانا جب کہ وہ آفتاب کی پرستش کو جا رہی تھی ملکہ کا اس خط کو دیکھ کر اپنے وزراء کی کونسل منعقد کرنا پھر ملکہ کا ایک قیمتی ہدیہ حضرت سلیمان کے پاس بھیجنا خود یہ و ظہر پہنچ کر ان سے ملنا ان کے محل میں پہنچ کر یہ خیال کرنا کہ حضرت سلیمان پانی کے حوض میں بیٹھے ہیں اور اس میں اترنے کے لئے پانی بچہ چڑھا لیا۔ (۲) یہ سب ان روایات میں اسی طرح مذکور ہے جس طرح قرآن میں بیان ہوا ہے۔ مگر ہدیہ وصول ہونے پر حضرت سلیمان کا جواب ملکہ کے تخت کو اٹھا کر ملکہ کے ہر موقع پر ان کا خدا کے آگے بھجنا اور آخر کار ملکہ کا ان کے ہاتھ پر ایمان لانا یہ سب باتیں

(۳) بلکہ خدا پرستی اور توحید کی ساری باتیں ہی ان روایات میں ناپید ہیں۔“

تنبیہ

۱۔ ”یہودی رتبوں کی روایات میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کا قصہ اپنی بیشتر تفصیلات میں قرآن سے ملتا جلتا ہے۔“

۲۔ ”یہ سب ان روایات میں اسی طرح مذکور ہے جس طرح قرآن میں بیان ہوا ہے۔“

۳۔ ”بلکہ خدا پرستی اور توحید کی ساری باتیں ہی ان روایات میں ناپید ہیں“  
قارئین کرام! جناب مودودی صاحب کی دو رخی باتیں اور تضاد بیانی اس

حاشیہ ۵۶ میں بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ کہ ایک طرف تو جناب والا اس جگہ تفہیم القرآن میں یہودیوں کی روایات کردہ بیشتر تفصیلات قرآن پاک سے ملتی جلتی ہونے کی بنیاد پر نقل کرتے ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ یہودی روایات اور قرآن کے بیانات ایک ہی طرح کے ہیں مگر دوسری جانب اسی عبارت کے آخر میں فرماتے ہیں کہ توحید اور خدا پرستی کی ساری باتیں بائبل کی روایات میں تائید ہیں جب کہ ابھی آپ نے چند صفحات قبل تفہیم قرآن اول ص ۴۲۵ نساء حاشیہ ۲۰۵ کی آخری سطور میں جناب کی یہ تحریر پڑھی ہے جس میں جناب مودودی صاحب کی روح وجد کرنے لگی اور جناب کو بائبل میں الہامی کلام کی شان صریح طور محسوس ہونے لگی اس کے آگے ہی آپ نے تحریر کیا ہے کہ

”ان کی (بائبل کی کتابوں کی) اخلاقی تعلیم ان کا شرک کے خلاف جہاد ان کا توحید کے حق میں پُر زور استدلال.....“

دیکھئے اس عبارت میں آپ نے فرمایا کہ

”بائبل کی کتابیں توحید کے حق میں پُر زور استدلال کرتی ہیں“

اور زیر بحث ص ۵۸۲ حاشیہ ۵۶ میں فرمایا ہے کہ

بائبل کی روایات میں خدا پرستی اور توحید کی ساری باتیں تائید ہیں

بتلایا جائے کہ جناب کی ان دونوں عبارات میں سخت تضاد بیانی ہے یا نہیں؟ آپ نے ایک جگہ بائبل کو توحید کے حق میں اور دوسری جگہ توحید کے خلاف کیوں بتلایا؟ ہمارے نزدیک ان متضاد بیانات کی بڑی قطعی وجہ یہ ہے کہ ہر بات کے مستند ہونے کا ذریعہ صرف صحیح اور متصل اسناد ہوتی ہے اور ان سے جناب مولانا سید مودودی نے ہر جگہ صرف نظر کر کے صرف اپنی ”ناقدا نہ بصیرت“ اور اپنی مخصوص زبان اور اپنے ذوق پر اعتماد کر لیا ہے حالانکہ ذوق اور ناقدا نہ بصیرت کا مرتبہ اسناد کے بعد ہی معتبر ہو سکتا ہے۔

۳۔ پھر اسی زیر بحث حاشیہ ۵۶ کی ایک اور تضاد بیانی ملاحظہ فرمائیے آپ نے یہ حاشیہ ۵۶ شروع کرتے ہی تحریر کیا ہے۔

”حضرت سلیمان اور ملکہ سبا کا یہ قصہ بائبل کے عہد متیق وجہ یہ

اور روایات یہود میں مختلف طریقوں سے آیا ہے مگر قرآن کا بیان ان

سب سے مختلف ہے“ پھر ص ۵۸۲ کے شروع ہی صفحہ میں تحریر کرتے ہیں کہ

”یہودی ربیوں کی روایات میں حضرت سلیمان اور ملکہ سبا کا قصہ اپنی بیشتر تفصیلات میں قرآن سے ملتا جلتا ہے۔“

دیکھئے ص ۵۸۱ میں یہودی روایات کو قرآن سے مختلف بتلایا اور ص ۵۸۲ میں حصلاً ان ہی یہودی روایات کو قرآن سے ملتا جلتا تحریر کیا بتلایئے! کہ یہ صریح تضاد بیانی نہیں تو کیا ہے؟ معلوم نہیں کہ جناب سید مودودی کو ان دورخی باتوں سے کیا فائدہ معلوم ہوا ہے؟ جس کی بنیاد پر تفہیم القرآن میں آپ نے بائبل میں نقل کردہ یہودی ظالموں کی حضرت سلیمان علیہ السلام کی افتراء پروازیوں کو نقل کیا ہے۔

قارئین کرام! غور فرمائیے کہ بائبل اور تفہیم القرآن میں اب کوئی فرق باقی رہا؟ جس طرح بائبل میں ان ظالموں نے حضرت سلیمان پر ۸ الزامات لگائے ہیں بالکل اسی طرح جناب سید مودودی صاحب نے بھی بائبل کے ان ۸ الزامات کو تفہیم القرآن میں نقل کیا ہے تاکہ جن لوگوں نے بائبل میں ان الزامات کا مطالعہ نہ کیا ہو وہ جناب کی تفہیم میں ملاحظہ کر لیں۔

۵۔ جناب سید مودودی صاحب اس کے مقصد میں تحریر کرتے ہیں کہ ہم نے تفہیم القرآن میں بائبل سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے خلاف یہودیوں کے الزامات اس لئے نقل کئے ہیں تاکہ خود دیکھیں اور مسلمانوں کو بھی دکھائیں

کہ قرآن نے بنی اسرائیل پر کتنا بڑا احسان کیا ہے اور بنی اسرائیل کتنے احسان فراموش ہیں کہ اس پر قرآن کے لانے والے کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔“

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب کا یہ انداز کتنا پیارا ہے؟ کہ قرآن کا احسان اور یہودیوں کی احسان فراموشی کے لئے آپ کو یہی ایک طریقہ پسند آیا؟ کہ یہودیوں کے انداز پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو سب کچھ کہہ ڈالا لکھ مارا۔ اور اخیر میں عنوان بنایا کہ ہم نے کسی کے احسان شناسی اور کسی کے احسان فراموشی کا اندازہ کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ کہ آپ نے اپنے پیارے انداز میں ہی اپنے مانی الضمیر (دل کی بھڑاس) کو نکالا قاتلہم اللہ۔ کیا یہی اچھا ہوتا کہ احسان شناسی اور



احسان فراموشی کے لئے یہ طریقہ اختیار نہ کر کے قرآنی طریقہ اختیار کیا جاتا اگر راقم الحروف بھی اسی انداز سے نقل کرے کہ جناب مودودی صاحب العیاذ باللہ (۱) حرام النسل نہیں ہیں۔ (۲) یہودیوں کے پس خوردہ کھانے والے نہیں ہیں (۳) انگریزوں کے میموں کے تھوک چاٹنے والے نہیں ہیں۔ (۴) آپ غرور حکومت اور (۵) غرور قتل و دناش کے نشہ میں چور نہیں ہیں (۶) آپ کے متعلق کیے کہہ دیا جائے کہ آنجناب نے زن مریدی (۷) و عیش پرستی (۸) اور شرک و بت پرستی کے علاوہ یہودیوں کی انتہائی بھی کی ہے تو بتلائیے ہمارے اس انداز تحریر سے ارباب جماعت اسلامی کو تکلیف تو نہیں ہوگی؟ کیونکہ راقم الحروف نے ان صفات ثنائیہ (آٹھ باتوں) کی جناب مودودی صاحب کی ذات والا صفات میں نفی کی ہے۔ اور اگر ارباب جماعت اسلامی کو ہمارے اس انداز تحریر سے تکلیف ہوگی اور یقیناً ہوگی تو بتلایا جائے کہ ہمارے اس انداز تحریر میں اور جناب سید مودودی صاحب کی ان عبارات کے انداز تحریر میں کیا فرق ہے؟ کہ راقم الحروف تو سورہ دلمامت و لغت ٹھہرے؟ اور جناب مودودی صاحب کی ان عبارات کو صحافت و انشاء پرداز کی آئینہ میں دیکھا جائے؟ کہ ان کا یہ طریقہ جدید تحقیق اسلوب کے مطابق ہے۔ ”ملی اپنے بچے کے گلہ کو آہستہ ہی پکڑتی ہے“ اس کہاوت کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ کیونکہ یہ معاملہ جناب سید مودودی مرحوم کا ہے۔

### عبارت نمبر ۵۵

قرآن اور انجیل کے ارشادات کا پس منظر ایک ہی ہے

تفہیم القرآن ۳ ۷۱۸ الحکبوت ۲۹

حاشیہ ۹۹۔ ”قرآن اور انجیل کے ان ارشادات کا پس منظر ایک ہی ہے۔ دعوت حق کی راہ میں ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے جس میں ایک حق پرست آدمی کے لئے اس کے سوا چارہ نہیں رہتا کہ عالم اسباب کے تمام سہاروں سے قطع نظر کر کے محض اللہ کے بھروسے پر جان جو کھوں کی بازی لگا دے“

### تنبیہ

آیت پاک ”وَكَانَ مِنْ دَابَّةٍ لَا تُحِيلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ“ پ ۲۱ عنکبوت کی تشریح کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ۱۔ ”ٹھیک یہی بات ہے جو سید بن علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمائی تھی“ ۲۔ غور فرمائیں کہ قرآن اور انجیل کے ارشادات کے پس منظر کو ایک قرار دینے کا لازمی نتیجہ کیا ہے؟ اور جناب سید مودودی صاحب نے دونوں کو ایک کرسٹل کی کوشش کیوں کی ہے؟

### عبارت نمبر ۵۶

بائبل میں بھی یہ واقعہ قرآن ہی کی طرح بیان کیا گیا ہے

تفہیم القرآن ۵ ۲۳۹ القمر ۵۴

۲۲۔ ”اس قصے کی تفصیلات سورہ ہود (آیات ۷۷ تا ۸۳) اور سورہ حجر (آیات ۶۱ تا ۷۷) میں گزر چکی ہیں۔“ ”صدا کا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر عذاب بھیجے گا فیصلہ فرمایا تو چند فرشتوں کو نہایت خوبصورت لوگوں کی شکل میں حضرت لوط کے ہاں مہمان کے طور پر بھیج دیا۔ ان کی قوم کے لوگوں نے جب دیکھا کہ ان کے ہاں ایسے خوبصورت مہمان آئے ہیں تو وہ ان کے گھر پر چڑھ دوڑے اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ان مہمانوں کو بدکاری کے لئے ان کے حوالہ کر دیں۔ حضرت لوط نے ان کی بے انجمنیت سماعت کی کہ وہ اس ذلیل حرکت سے باز رہیں۔ مگر وہ نہ مانے اور گھر میں گھس کر زبردستی مہمانوں کو نکال لینے کی کوشش کی اس آخری مرحلے پر یکا یک ان کی آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ پھر فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ وہ اور ان کے گھر والے صبح ہونے سے پہلے اس بستی سے نکل جائیں اور ان کے نکلتے ہی اس قوم پر ایک بولناک عذاب نازل ہو گیا بائبل میں بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:.....“

مستنبیہ

دیکھئے! اس ص ۲۳۹ میں بھی آپ نے اس قصے کی تفصیلات کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد آخر میں یہ تحریر کیا ہے کہ:

۱۔ "بائبل میں بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ اے۔"

اس عبارت سے بھی آپ نے قرآن پاک اور محرف بائبل کی یکسانیت دکھلانے کی کوشش کی ہے کہ جب بائبل بھی قرآن ہی کی طرح واقعہ بیان کرتی ہے تو قرآن کے ساتھ بائبل کو پڑھنے اور قرآن کی طرح بائبل کو سمجھنے میں کیا مضائقہ ہے؟

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

### عبارت نمبر ۵

انجیل برناباس کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں

تفہیم القرآن ۵ ۳۶۹ القف ۶۱

حاشیہ ۸۔ "ان کی نمازوں کا جو ذکر بکثرت مقامات برناباس نے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشا اور تہجد کے اوقات تھے جن میں وہ نماز پڑھتے تھے اور ہمیشہ نماز سے پہلے وضو فرماتے تھے۔ انبیاء میں سے وہ حضرت داؤد سلیمان کو نبی قرار دیتے ہیں حالانکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ان کو انبیاء کی فہرست سے خارج کر رکھا ہے۔ حضرت اسماعیل کو وہ ذبح قرار دیتے ہیں اور ایک یہودی عالم سے اقرار کرتے ہیں کہ نبی الواقع ذبح حضرت اسماعیل ہی تھے اور بنی اسرائیل نے زبردستی کھینچ لیا کہ ان کے حضرت اسماعیل کو ذبح بنا رکھا ہے۔ آخرت اور قیامت اور جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔"

مستنبیہ

انجیل برناباس کی غیر معمولی تعریف کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ:

۱۔ "توحید رسالت اور آخرت کے ٹھیک وہی عقائد (برناباس) پیش کرتے ہیں جن کی تعلیم انبیاء نے دی ہے۔ اے۔"

۲۔ پھر لکھتے ہیں کہ "ان کی نمازوں کا جو ذکر بکثرت مقامات پر برناباس نے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشا اور تہجد کے اوقات تھے۔ اے۔"

۳۔ "آخرت اور قیامت اور جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔"

لہذا قرآن پاک اور موجودہ انجیل برناباس دونوں تعلیمات دین کے معاملہ میں ایک ہوئے؟ مجھے تعجب اور بہت ہی زیادہ تعجب کے ساتھ افسوس بھی ہے کہ جناب سید مودودی صاحب نے جس قدر انجیل برناباس کی تعریف کی ہے اور جتنا انجیل برناباس پر مرث کر اعتماد کیا ہے اس کا عشر عشر بھی محدثین کی بیان کردہ اسناد و متون احادیث شریفہ پر کیوں اعتماد نہیں کیا؟

علاوہ ازیں جناب نے زیر بحث اس صفحہ ۶۳۹ میں آخرت و قیامت جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات کو قرآن کے "قریب قریب" کے الفاظ سے محتاط انداز میں بیان کیا ہے جب کہ تفہیم ج ۳ سورہ نمل حاشیہ ۵۶ ص ۵۸۲ کے حوالے سے ابھی پچھلے صفحات میں رالم الحروف لکھ چکا ہے کہ آپ نے وہاں صاف صاف تحریر فرمایا ہے کہ "خدا پرستی اور توحید کی ساری باتیں ان روایات میں ناپید ہیں۔"

لہذا تفہیم ج ۵ ص ۳۶۹ حاشیہ ۸ کی یہ عبارت بھی آپ کی تضاد بیانی کی ایک واضح مثال ہے۔ کہ اس جگہ بھی بائبل کی کتابوں کو آپ نے قرآن کے قریب قریب بیان کیا ہے جب کہ اس سے قبل لکھ چکے ہیں کہ ان روایات میں توحید اور خدا پرستی کی ساری باتیں ہی ناپید ہیں۔ فی اللعجب۔

تنبیہ

دیکھئے! اس ص ۲۳۹ میں بھی آپ نے اس قصے کی تفصیلات کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد آخر میں یہ تحریر کیا ہے کہ:

۱۔ "بائبل میں بھی یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ اے۔"

اس عبارت سے بھی آپ نے قرآن پاک اور محرف بائبل کی یکسانیت دکھانے کی کوشش کی ہے کہ جب بائبل بھی قرآن ہی کی طرح واقعہ بیان کرتی ہے تو قرآن کے ساتھ بائبل کو پڑھنے اور قرآن کی طرح بائبل کو سمجھنے میں کیا مضائقہ ہے؟ لاجول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم۔

### عبارت نمبر ۵

انجیل برناباس کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں

تفسیر القرآن ۵ ۳۶۹ القف ۶۱

حاشیہ ۸۔ "ان کی نمازوں کا جو ذکر بکثرت مقامات برناباس نے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فجر، عصر، مغرب، عشا اور تہجد کے اوقات تھے جن میں وہ نماز پڑھتے تھے اور ہمیشہ نماز سے پہلے وضو فرماتے تھے۔ انبیاء میں سے وہ حضرت داؤدؑ سلیمانؑ کو نبی قرار دیتے ہیں حالانکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ان کو انبیاء کی فہرست سے خارج کر رکھا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کو وہ ذبح قرار دیتے ہیں اور ایک یہودی عالم سے اقرار کراتے ہیں کہ نبی الواقع ذبح حضرت اسماعیلؑ ہی تھے اور بنی اسرائیل نے زبردستی سمجھنا تھا کہ ان کے حضرت اسحاقؑ کو ذبح بنا رکھا ہے۔ آخرت اور قیامت اور جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔"

تنبیہ

انجیل برناباس کی غیر معمولی تعریف کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ:

۱۔ "توحید رسالت اور آخرت کے ٹھیک وہی عقائد (برناباس) پیش کرتے ہیں جن کی تعلیم انبیاء نے دی ہے۔ اے۔"

۲۔ پھر لکھتے ہیں کہ "ان کی نمازوں کا جو ذکر بکثرت مقامات پر برناباس نے کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہی فجر، عصر، مغرب، عشا اور تہجد کے اوقات تھے۔ اے۔"

۳۔ "آخرت اور قیامت اور جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔"

لہذا قرآن پاک اور موجودہ انجیل برناباس دونوں تعلیمات دین کے معاملہ میں ایک ہوئے؟ مجھے تعجب اور بہت ہی زیادہ تعجب کے ساتھ افسوس بھی ہے کہ جناب سید مودودی صاحب نے جس قدر انجیل برناباس کی تعریف کی ہے اور جتنا انجیل برناباس پر مرث کر اعتماد کیا ہے اس کا عشر عشر بھی محدثین کی بیان کردہ اسناد و متون احادیث شریفہ پر کیوں اعتماد نہیں کیا؟

علاوہ ازیں جناب نے زیر بحث اس صفحہ ۶۳۹ میں آخرت و قیامت جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات کو قرآن کے "قریب قریب" کے الفاظ سے محتاط انداز میں بیان کیا ہے جب کہ تفسیر ج ۳ سورہ نمل حاشیہ ۵۶ ص ۵۸۲ کے حوالے سے ابھی پچھلے صفحات میں راقم الحروف لکھ چکا ہے کہ آپ نے وہاں صاف صاف تحریر فرمایا ہے کہ "خدا پرستی اور توحید کی ساری باتیں ان روایات میں ناپید ہیں۔"

لہذا تفسیر ج ۵ کا ص ۳۶۹ حاشیہ ۸ کی یہ عبارت بھی آپ کی تضاد بیانی کی ایک واضح مثال ہے۔ کہ اس جگہ بھی بائبل کی کتابوں کو آپ نے قرآن کے قریب قریب بیان کیا ہے جب کہ اس سے قبل لکھ چکے ہیں کہ ان روایات میں توحید اور خدا پرستی کی ساری باتیں ہی ناپید ہیں۔ فی اللعجب۔



## عبارت نمبر ۵۸

انجیل پولوسی سے قرآن کے بیان کی توثیق کا کیا مطلب؟

تفسیر القرآن ۵ ۴۷۱ القف ۶۱

اسی طرح یہ انجیل پولوسی مسیحیت کی جزاکاٹ دیتی ہے اور قرآن کے بیان کی پوری توثیق کرتی ہے۔ حالانکہ نزول قرآن سے ۱۱۵ سال پہلے اس کے ان بیانات ہی کی بنا پر مسیحی پادری اسے رد کر چکے تھے۔

۱۲۔ اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ (۲) انجیل برناباس درحقیقت انجیل اربعہ سے زیادہ معتبر انجیل ہے مسیح علیہ السلام کی تعلیمات اور سیرت اور اقوال کی صحیح ترجمانی کرتی ہے اور یہ عیسائیوں کو اپنی بدقسمتی سے کہ اس انجیل کے ذریعہ سے اپنے عقائد کی صحیح اور حضرت مسیح کی اصل تعلیمات کو جاننے کا جو موقع ان کو ملتا تھا اسے محض ضد کی بنا پر انہوں نے ٹھکرایا۔ (۳) اس کے بعد ہم پورے اطمینان کے ساتھ وہ بشاراتیں نقل کر سکتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں برناباس نے حضرت عیسیٰ سے روایت کی ہیں۔ ان بشارتوں میں ہمیں حضرت عیسیٰ حضور کا نام لیتے ہیں، کہیں "رسول اللہ" کہتے ہیں، کہیں آپ کے لئے "مسح" کا لفظ استعمال کرتے ہیں، کہیں قابل تعریف Admirable کہتے ہیں اور کہیں صاف صاف ایسے فقرے ارشاد فرماتے ہیں جو بالکل لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے ہم معنی ہیں۔ (۴) ہمارے لئے ان ساری بشارتوں کو نقل کرنا مشکل ہے کیونکہ وہ اتنی زیادہ ہیں۔ اور جگہ جگہ مختلف چیزوں اور ساق و ساق میں آتی ہیں کہ ان سے ایک اصحا خاصہ رسالہ مرتب ہو سکتا ہے۔ مبالغہ نہ ہو محض بطور نمونہ ان میں سے چند کو نقل کرتے ہیں۔

تنبیہ

۱۔ "اس طرح یہ انجیل پولوسی مسیحیت کی جزاکاٹ دیتی ہے اور قرآن کے بیان کی پوری توثیق کرتی ہے۔"

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب نے انجیل پولوسی سے قرآن کے بیان کی توثیق کی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ انجیل پولوسی سے اگر قرآن کی توثیق نہ ہوتی تو جناب سید مودودی صاحب کس طرح بیان قرآن کو صحیح مانتے؟ نعوذ باللہ معلوم نہیں

کہ آپ نے انجیل کو قرآن پر کیوں پیش کیا ہے؟ جب کہ قرآن جیسی محکم و غیر محرف مضبوط کتاب تاریخ کو انجیل پولوسی کے علاوہ بائبل کی تمام کتابوں پر پیش کر کے ان کتابوں کی اصلیت کو دیکھنا، جانچنا اور پرکھنا چاہئے کہ قرآن پاک ان کتابوں کی کہاں تک توثیق کرتا ہے؟ جہاں جہاں قرآن پاک سے ان کتابوں میں بیان کردہ واقعات و تفصیلات کی توثیق ہوتی ہے وہ سچ ہے اور جن جن واقعات و بیانات کی قرآن سے توثیق نہ ہوتی ہے اس کو جھوٹا اور مردود قرار دیتے مگر آپ نے اس حقیقی فرق کو بالکل ہی فراموش کر دیا کہ قرآن کو انجیل پر پیش کیا جائے؟ یا انجیل کو قرآن پر؟ اگر قرآن پاک کو انجیل و کتب محرفہ پر پیش کریں گے تو قرآن اصل قرار پائے گا اور اگر ان کتب محرفہ بائبل وغیرہ کو قرآن پر پیش کریں گے نعوذ باللہ جیسا کہ جناب سید مودودی صاحب نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے تو یہ کتابیں اصل ہو کر قرآن پاک ان کے ماتحت ہو گا نعوذ باللہ پولوسی اور اس کی کتابوں و خطوط کے متعلق اظہار الحق کا ترجمہ "بائبل سے قرآن تک" ص ۱۰۱ میں ملاحظہ فرمائیں اس میں مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ پولوسی فرقہ "پولس کا تعارف پولس کے ساتھ حواریوں کا طرز عمل پولس کے مخالفین پولس کے خطوط پولس کے حالات اور اس کے عیسائی ہونے کا واقعہ بیان کیا ہے جسکے نتیجہ میں جناب سید مودودی صاحب کی یہ عبارت

"انجیل پولوسی مسیحیت کی جزاکاٹ رہی ہے"

بھی غلط ثابت ہوئی ہے کہ آپ نے اصل بات سے ناواقفیت کی بناء پر یہ لکھ دیا ہے۔

۲۔ "اس بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انجیل برناباس درحقیقت

انجیل اربعہ سے زیادہ معتبر انجیل ہے۔"

یعنی انجیل اربعہ بھی آپ کے نزدیک معتبر ہے مگر انجیل برناباس سے کم ہے۔

۳۔ "اس کے بعد ہم پورے اطمینان کے ساتھ وہ بشاراتیں نقل کر سکتے ہیں"

سید مودودی صاحب کے لئے انجیل برناباس کی تمام بشاراتوں کو نقل کرنا مشکل ہو گیا تو ان کی چند روایات آپ نے پورے اطمینان کے ساتھ نقل کی ہیں اس جگہ سوال یہ ہے کہ احادیث شریفہ اور محدثین کی اسناد و روایات کے متعلق جناب والا کا یہ پورا اطمینان کہاں رخصت ہو جاتا ہے؟ درحقیقت آپ نے قرآن کے نام پر انجیل کو پڑھانے کی ایک کامیاب کوشش کی ہے۔ ورنہ غیروں کی روایات پر مکمل اطمینان؟ اور انہوں کی نقل کردہ روایات پر مکمل بے اعتمادی کا کیا مطلب ہے؟

## دسواں باب

تفہیم میں بائبل ملاحظہ کرنے کی  
ترغیب و دعوت کیوں؟

## عبارت نمبر ۵۹

توراة اور انجیل کے حسب ذیل مقامات ملاحظہ کی دعوت

تفہیم القرآن ۲ ۸۵ الاعراف ۷

حاشیہ ۱۱۳۔ ”مثال کے طور پر توراة اور انجیل کے حسب ذیل مقامات ملاحظہ

ہوں جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق صاف اشارات موجود ہیں:

استثناء باب ۱۸ آیت ۱۵-۱۹۵ متی باب ۲۱ آیت ۳۳-۳۶ یوحنا باب ۱

آیت ۱۹-۲۱ یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵-۱۷ ادا آیت ۲۵-۳۰ یوحنا باب ۱۵

آیت ۲۵-۲۶ یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۵۷۔“

تنبیہ

جب استثناء متی یوحنا مذکورہ یہ کتابیں بھی مستند نہیں تو عامۃ الناس کو تفہیم القرآن میں جناب نے ملاحظہ کرنے کی دعوت کیوں دی؟ یعنی انتہائی اہم اور بنیادی سوال یہ ہے کہ ان کتب محرفہ کا حوالہ جناب مودودی صاحب نے قرآن پاک کی تفسیر میں بطور تائید نقل کیا ہے حالانکہ یہ وہ کتابیں ہیں جو سرے سے قرآن کے نقطہ نظر ہی کے خلاف ہیں۔ تو ان محرف کتابوں کے مودودی صاحب کس طرح نمائندہ بن گئے؟

## عبارت ۶۰

تفہیم القرآن میں بائبل و تلمود کی ان بے ہودہ روایات کو نقل کر کے خود اپنی تحریر ہی سے آپ بے شرم بن گئے۔

تفہیم القرآن ۳ ۹۵ طہ ۲۰

حاشیہ ۱۹۔ ”اس واقعے کو بائبل اور تلمود میں جس طرح بیان کیا گیا ہے اسے

بھی ایک نظر دیکھ لیجئے تاکہ اندازہ ہو کہ قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کا ذکر کس

شان سے کرتا ہے اور نبی اسرائیل کی روایات میں ان کی کیسی تصویر پیش کی گئی

## تنبیہ

جناب سید مودودی صاحب نے اس ص ۹۵ میں بائبل اور تلمود کی روایت کی بنیاد پر حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی بھرپور کردار کشی نقل کی ہے اور مقصد یہ بیان کیا ہے تاکہ ان کو اور قارئین تفہیم القرآن کو قرآن کا اور بائبل و تلمود کی روایات کا اندازہ ہو۔ سبحان اللہ! سبحان اللہ کیا کہنا جناب کے اندازہ کا۔ بائبل کے محرف ہونے کا تو علم سب ہی کو ہے پھر آپ نے اس کی روایات کا اندازہ ہی کیوں کیا؟ سوال غور طلب یہ ہے کہ جناب نے بائبل و تلمود کی بے ہودہ روایات کا اندازہ کرنے کے لئے یہی طریقہ کیوں اختیار کیا کہ جس سے ایک نبی کی توہین و تذلیل ہو؟ اگر یہ ناپاک تصویر یہودیوں نے بائبل میں پیش کی تھی تو جناب نے بائبل سے نقل کر کے تفہیم القرآن میں پیش کر کے اپنی بے شری کا ثبوت کیوں پیش کیا؟ کیونکہ بائبل کے یہ قصے قرآن میں تو نہیں ہیں البتہ تفہیم القرآن میں ہیں۔ اس لئے اس حاشیہ ۱۹ کے اخیر میں جو عبارت آپ نے لکھی ہے۔ اس کے مصداق خود آپ ہی ہیں کہ

”یہ کتابیں ہیں جن کے متعلق بے شرم لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ان سے یہ قصے نقل کر لئے گئے ہیں۔“

جیسا کہ خود جناب مودودی صاحب نے بھی اپنی ذاتی تفہیم میں نقل کر کے بے شری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اور بے شرم لوگوں کی بے شری کو تقویت پہونچائی ہے۔

## عبارت نمبر ۶۱

قوم بنی اسرائیل کے سلوک کا اندازہ کرنے کے لئے بائبل پر صرف ایک نظر ڈال لینا کافی ہے

تفہیم القرآن ۳ ۱۳۵ الاحزاب ۳۳ حاشیہ ۱۱۹۔ ”دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ“ اے مسلمانو! تم

یہودیوں کی سی حرکتیں نہ کرو۔ تمہاری روش اپنے نبی کے ساتھ وہ نہ ہونی چاہئے جو بنی اسرائیل کی روش موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی“ بنی اسرائیل خود مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ ان کے سب سے بڑے محسن تھے۔ جو کچھ بھی یہ قوم بنی انہیں کی بدولت بنی۔ ورنہ مصر میں اس کا انجام ہندوستان کے شوروں سے بھی بدتر ہوتا۔ لیکن اپنے محسن اعظم کے ساتھ اس قوم کا جو سلوک تھا اس کا اندازہ کرنے کے لئے بائبل کے حسب ذیل مقامات پر صرف ایک نظر ڈال لینا کافی ہے:

کتاب خروج۔ ۲۰:۵۔ ۲۱:۱۳۔ ۱۲:۱۲۔ ۲:۱۶۔ ۳:۱۷۔ ۳:۱۷۔

کتاب ممتحنی۔ ۱۱:۱۱۔ ۱۵:۱۱۔ ۱۱:۱۳۔ ۱۰:۱۶۔ ۱۶:۱۶۔ ۵:۱۰۔

قرآن مجید بنی اسرائیل کی اسی محسن کشی کی طرف اشارہ کر کے مسلمانوں کو متنبہ کر رہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طرز عمل اختیار کرنے سے بچو ورنہ پھر اسی انجام کے لئے تیار ہو جاؤ جو یہودی دیکھ چکے ہیں اور دیکھ رہے ہیں الخ“

## تنبیہ

قارئین کرام! دیکھئے! کس کس بہانہ سے جناب سید مودودی صاحب عامۃ الناس کو بائبل ملاحظہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں کیا جس طرح سے آپ کے لئے بائبل پر صرف ایک نظر ڈال لینا ہی کافی ہو گیا۔ اور قوم بنی اسرائیل کی محسن کشی کا اندازہ کر لیا۔ اسی طرح اوسط درجہ کے وہ حضرات جن کے لئے بطور خاص یہ تفہیم لکھی گئی ہے ان میں بھی اتنی صلاحیت ہے کہ وہ بھی آپ کی طرح بائبل پر صرف ایک نظر ڈالتے ہی سب کچھ اندازہ کر لیں گے؟ کیا یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی یہ طریقہ کار اپنایا ہے کہ موجودہ اناجیل و بائبل کی صداقت کو جانچنے کے لئے قرآن پاک کے مختلف مقامات پر صرف ایک نظر ڈال لینے ہی کو کافی سمجھنے کی دعوت دی ہو؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی ہی میں ہے تو پھر جناب مودودی صاحب نے ایسا کیوں کیا؟



## عبارت نمبر ۶۲

کاش علامہ ابن کثیر اور محمد بن کعب قرظی کی ان دونوں باتوں پر جناب سید مودودی صاحب بھی غور فرمالیتے تو بائبل کو نہ پیش کرتے

تفسیر القرآن ۳۰ ۲۹۷ الطہ ۳۷  
حاشیہ ۶۶۔ ”بڑی قربانی“ سے مراد جیسا کہ بائبل اور اسلامی روایات میں بیان ہوا ہے ایک میٹھا ہے جو اس وقت اللہ تعالیٰ کے فرشتے نے حضرت ابراہیم کے سامنے پیش کیا تاکہ بیٹے کے بدلے اس کو ذبح کر دیں اسے بڑی قربانی کے لفظ سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ وہ ابراہیم جیسے وفادار بندے کے لئے فرزند ابراہیم جیسے صابر و جاں نثار کے کاغذ یہ تھا اور اسے اللہ تعالیٰ نے ایک بے نظیر قربانی کی نیت پوری کرنے کا وسیلہ بنایا تھا۔ اس کے علاوہ اسے ”بڑی قربانی“ قرار دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سنت جاری کر دی کہ اسی تاریخ کو تمام اہل ایمان دنیا بھر میں جانور قربان کریں اور وفاداری و جاں نثاری کے اس عظیم الشان واقعہ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

حاشیہ ۶۷۔ یہاں پہنچ کر یہ سوال ہمارے سامنے آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے جن صاحب زادے کو قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوئے تھے اور جنہوں نے اپنے آپ کو خود اس قربانی کے لئے پیش کر دیا تھا وہ کون تھے۔ سب سے پہلے اس سوال کا جواب ہمارے سامنے بائبل کی طرف سے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ: ”خدا نے ابراہام کو آذایا اور اسے کہا اے ابراہام... تو اپنے بیٹے اسحاق کو جو تیرا لکھوتا ہے اور جسے تو پیارا کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا“ (پیدائش ۲۲: ۱-۲) اس بیان میں ایک طرف تو یہ کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

حضرت اسحاق کی قربانی مانگی تھی اور دوسری طرف یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ وہ اکلوتے تھے۔ حالانکہ خود بائبل ہی کے دوسرے بیانات سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسحاق اکلوتے نہ تھے۔ اس کے لئے ذرا بائبل ہی کی حسب ذیل تصریحات ملاحظہ ہوں:

تنبیہ

۱۔ ”بائبل اور اسلامی روایات میں بیان ہوا ہے“

اسلامی روایات تو مسلمانوں کے نزدیک حجت ہے لیکن بائبل کی روایات تو حجت نہیں۔ لیکن آپ نے اسلامی روایات کے ساتھ ساتھ بائبل کا بھی ذکر کیا؟ اس لئے کہ جناب مودودی صاحب کے نزدیک اسلامی روایات ہی کی طرح بائبل کی روایات معتبر ہیں۔ سبحان اللہ!

۲۔ ”(جناب مودودی صاحب کے سامنے) بائبل کی طرف سے جواب آتا ہے“

حالانکہ آپ کی تحریر کے مطابق خود بائبل ہی کے دوسرے بیانات بائبل کے خلاف ہیں تو اس صورت حال میں آپ کو بائبل سے جواب لینے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ پھر جب بائبل کے بیانات ہی مختلف ہیں تو اس کا جواب قابل قبول اور واجب تسلیم کس طرح ہوگا؟ ۳۔ ”اس کے لئے ذرا بائبل ہی کی حسب ذیل تصریحات ملاحظہ ہوں“

جب اس بیان سے آپ پر ”بائبل کی تضاد بیانی صاف کھل گئی“ جیسا کہ ص ۲۹۸ میں اس جملہ کو تحریر کیا ہے تو اس کو تفسیر القرآن میں نقل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

۴۔ اسی حاشیہ ۶۷ کے آخر میں علامہ ابن کثیر کے حوالہ سے ایک سوال کہ آخر مسلمانوں میں یہودی پروپیگنڈہ و اسرائیلیات کی باتیں کس طرح پھیل گئیں؟ مسلمانوں نے یہودیوں کی دھاندلی کو کیسے قبول کر لیا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے ص ۳۰۱ پر تحریر کرتے ہیں:

”حالانکہ اس امت کو ان کے اس ذخیرہ معلومات میں سے کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی“ پھر محمد بن کعب قرظی کی ایک روایت نقل کر کے اپنے سوال پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے تحریر کرتے ہیں!

”اور مسلمان چونکہ علمی معاملات میں ہمیشہ غیر متعصب رہے ہیں اس لئے ان میں سے بہت سے لوگوں نے یہودیوں کے بیانات کو جو وہ قدیم صحیفوں کے حوالہ سے تاریخی روایات کے بھیس میں پیش کرتے تھے محض ایک علمی حقیقت سمجھ کر قبول کر لیا۔ اور یہ محسوس نہ کیا کہ اس میں علم کے بجائے تعصب کا فرما ہے۔“

اب راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر جناب سید مودودی صاحب اپنی ہی نقل کردہ علامہ ابن کثیر اور محمد بن کعب قرطبی کی ان دونوں باتوں پر غور فرمائیے تو ان کو یقیناً معلوم ہو جاتا کہ تفہیم القرآن میں جو بائبل اور کتب محرفہ سے انہوں نے بھرپور استفادہ کیا ہے اور قدیم صحیفوں کے حوالہ سے آپ نے تاریخی روایات کی بھیس میں آیات قرآنیہ کی تشریحات و تفصیلات کی ہیں۔ اس میں بھی علم کے بجائے اسلامی مزاج کے خلاف کچھ اور ہی چیز ہے یعنی قرآن پاک کی حقانیت مجروح ہو کر بائبل و کتب محرفہ کی حقانیت کو تسلیم کرنی پڑتی ہے جب کہ صورت واقعہ یہی ہے کہ تفسیر قرآن کے لئے آپ کے پیش کردہ بائبل کے اس ذخیرہ معلومات میں سے قطعاً کسی بھی چیز کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جس کا آپ نے بھی اعتراف کیا ہے

شعر

خدا نے عقل بھی دی تھی شعور بھی لیکن  
کوئی قدم بھی سلیقہ سے تم اٹھا نہ سکے

عبارت نمبر ۶۳

وَإِنَّ إِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ کی تفصیلات بائبل سے نقل کرنے کے کیا معنی؟

الصفحت ۳۷

۳۰۴

تفہیم القرآن ۳

حاشیہ ۷۔ ”اس خط میں حضرت الیاس نے جو کچھ فرمایا اتحادہ پورا ہوا۔ پہلے

یہورام کی ریاست بیرونی حملہ آوروں کی تاخت سے تباہ ہوئی اور اس کی بیویوں بچوں کو دشمن پکڑ لے گئے پھر وہ خود انتروپوں کے مرض سے ہلاک ہوا۔ چند سال کے بعد حضرت الیاس پھر اسرائیل تشریف لے گئے اور انہوں نے انہی اب کو اور اس کے بعد اس کے بیٹے اخزیاء کو راہ راست پر لانے کی مسلسل کوشش کی مگر جو بدی سامریہ کے شاہی خاندان میں مگر کر چکی تھی وہ کسی طرح نہ نکلی۔ آخر کار حضرت کی بددعا سے انہی اب کا گم ختم ہو گیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو دنیا سے اٹھا لیا۔

ان واقعات کی تفصیل کے لئے بائبل کے حسب ذیل ابواب ملاحظہ ہوں:  
۱۔ سلاطین باب ۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۱۔ ۲۲۔ سلاطین باب ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔ ۵۔ ۶۔ ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰۔ ۱۱۔ ۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵۔ ۱۶۔ ۱۷۔ ۱۸۔ ۱۹۔ ۲۰۔ ۲۱۔ ۲۲۔ ۲۳۔ ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶

مترجمین و مفسرین کے کام میں رہ گئی تھی؟ یا طالعین قرآن کی کسی ایسی ضرورت کو پورا کر رہی ہے جو پچھلے تراجم و تفاسیر سے پوری نہیں ہوئی تھی؟ جیسا کہ تفہیم القرآن ص ۵ شروع ہی دیا چہ میں آپ نے تحریر کیا ہے۔ کیا سابق مترجمین و مفسرین کے کام میں جو تفسیر کی وجہ آپ ایک مدت سے محسوس کر رہے تھے وہ بھی بائبل ہے؟ کیا اس کے ذریعہ سے عام تعلیم یافتہ لوگوں میں روح قرآن تک پہنچنے اور اس کتاب پاک کے حقیقی مدعا سے روشناس ہونے کی طلب پیدا ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ جناب سید مودودی صاحب کی یہ کوشش فہم قرآن میں نہیں بلکہ فہم بائبل میں بہت زیادہ مددگار ثابت ہوئی ہے اور یہی آپ کی خوش نصیبی کی بات ہوگی؟

۳۔ ان واقعات کی تفصیل کے لئے بائبل کے حسب ذیل ابواب ملاحظہ

ہوں: سلاطین باب ۱۷-۱۸-۲۱-۲۲ سلاطین باب ۱-۲-۲۱-۲۲ تواریخ باب ۲۱

یقیناً ان واقعات کی تفصیل اردو اور فارسی تراجم قرآن میں نہیں تھی ان ہی احساسات نے آپ کو اس کوشش پر مجبور کیا کہ مطالعہ بائبل کے ثمرات ہدیہ ناظرین کریں۔ آخر ۵۵ سالہ مطالعہ کے نچوڑ میں جو کچھ بھی آپ کی تحقیقات ہیں ان کا اظہار بھی تو ضروری اور لازمی تھا۔



# گیارہواں باب

## بیان بائبل کی بنیاد پر

جناب سید مودودی صاحب

کے قیاسات و تفہیمات

و معلومات



## نوٹ

اصول تفسیر کی مستند ترین کتاب ”الفوز الکبیر“ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی فرماتے ہیں:

”فصل فی بیان الآثار المرویۃ فی کتب التفسیر لاهل الحدیث وما یعلق بها“ میں فرماتے ہیں ”و یحفظ ہما نکتان الاولی ان الاصل فی ہذا الباب ایراد القصص المسموعة بلا تصرف عقل... الخ“

حاصل عبارت یہ ہے کہ قرآنی قصص میں جن امور کی طرف اشارات و تعریضات نہ پائی جاتی ہوں عقل و قیاس کے ذریعہ ان امور کی تفسیر و تعین کے درپے نہیں ہونا چاہئے بلکہ اصل واقعہ کے بیان پر اکتفاء کرنا چاہئے۔

(الفوز العظیم ص ۱۳۰)

اب جناب مودودی صاحب مرحوم کی عبارات اور آئندہ صفحات میں آنے والی ان کی تحریرات تفہیم میں قارئین کرام کو ہم نے دکھلایا ہے کہ کس کس طرح آنجناب والا نے قرآن کے اشارات و تعریضات کی عدم تعین کو محض اپنے قیاسات و تہمیدات اور بائبل کے بیانات سے متعین کیا ہے؟ اور قرآن کے بیان کردہ اصل واقعات پر اکتفاء نہیں کیا ہے اس اصولی نکتہ کے لحاظ سے جناب سید مودودی صاحب کی طرح جن مفسرین نے بھی قرآن سے متعلق غیر ضروری تفصیلات جن کی طرف آیات میں اشارے نہیں ہیں اور ان کی تعین نہیں ہے اپنی اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے وہ محض ظنی اور احتمالی اقوال ہیں اس لئے وہ نظر انداز کئے جائیں گے۔

## عبارت نمبر ۶۳

بائبل کی کتاب خروج سے لفظ قَمَلَ کے بارے میں قیاس

تفہیم القرآن ۲ ۷۳ الاعراف

حاشیہ ۹۶۔ ”اصل میں لفظ قَمَلَ استعمال ہوا ہے جس کے کئی معنی ہیں۔ جون چھوٹی کھمی، چھوٹی بڑی، پھھر سُر سُر وغیرہ (۱) غانا۔ جامع لفظ اس لئے

استعمال کیا گیا ہے کہ بیک وقت جوڑوں اور پھروں نے آدمیوں پر اور سُر سُر یوں (کھن کے کیڑوں) نے غلہ کے ذخیروں پر حملہ کیا ہوگا۔ (۲) (تقابل کے لئے ملاحظہ ہو بائبل کی کتاب خروج باب ۱۲: ۴۲)۔

## تنبیہ

دیکھئے! یہاں پر فعل کا جامع لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے؟ اس کے لئے آنجناب بائبل کی کتاب خروج سے قیاس کرتے ہیں اور قرآن و بائبل کو تقابلی طور پر ملاحظہ کرنے کی دعوت بھی دیتے ہیں فرماتے ہیں

”غالبا یہ جامع لفظ اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ... الخ“

(تقابل کے لئے ملاحظہ ہو بائبل کی کتاب خروج باب ۱۱: ۱۲)

## عبارت نمبر ۶۵

بعید از قیاس ہونے کے باوجود بائبل اور تلمود کے بیانات کیوں نقل کئے گئے؟

تفہیم القرآن ۲ ۳۸۷ یوسف ۱۲

حاشیہ ۱۱۔ ”یہ بیان بھی بائبل اور تلمود کے بیان سے مختلف ہے۔ ان کی روایت یہ ہے کہ برادران یوسف اپنے مویشی چرانے کے لئے سکیم کی کی طرف گئے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے خود حضرت یعقوب نے ان کی تلاش میں حضرت یوسف کو بھیجا تھا، مگر یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت یعقوب نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے حسد کا حال جاننے کے باوجود انہیں آپ اپنے ہاتھوں موت کے منہ میں بھیجا ہو۔ اس لئے قرآن کا بیان ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔“

## تنبیہ

”جب قرآن کا بیان ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے“

تو بائبل اور تلمود کا بیان قرآن پاک سے مختلف ہونے اور آپ کے قیاس سے بعید ہونے کے باوجود کیوں نقل کیا؟

## عبارت نمبر ۶۵

جناب سید مودودی صاحب کو اسرائیلی لٹریچر کی طرف  
کیوں رجوع کرنا پڑا؟

تفہیم القرآن ۳ ۴۳ الکہف ۱۸

حاشیہ ۶۲۔ ”قرآن مجید جس طرح اس کا ذکر کرتا ہے اس سے ہم کو چار باتیں وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہیں:

(۱) اس کا لقب ذوالقرنین (غوی معنی ”دو سینگوں والا“) کم از کم یہودیوں میں جن کے اشارے سے کفار مکہ نے اس کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا ضرور معروف ہوتا چاہئے۔ اس لئے لامحالہ ہمیں معلوم کرنے کے لئے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ وہ ”دو سینگوں والے“ کی حیثیت سے کس شخصیت یا سلطنت کو جانتے تھے۔

(۲) وہ ضرور کوئی بڑا فرماں روا اور فاتح ہوتا چاہئے جس کی فتوحات مشرق سے مغرب تک پہنچی ہوں اور تیسری جانب شمال یا جنوب میں بھی وسیع ہوئی ہوں۔ ایسی شخصیتیں نزول قرآن سے پہلے چند ہی گزری ہیں اور لامحالہ انہی میں سے کسی میں اس کی دوسری خصوصیات ہمیں تلاش کرنی ہوں گی۔

(۳) اس کا صداق ضرور کوئی ایسا فرماں روا ہونا چاہئے جس نے اپنی مملکت کو باج و داماجوج کے حملوں سے بچانے کے لئے کسی پہاڑی درے پر ایک مستحکم دیوار بنائی ہو۔ اس علامت کی تحقیق کے لئے ہمیں یہ بھی معلوم کرنا ہوگا کہ یا جوج و داماجوج سے مراد کون سی قومیں ہیں اور پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ ان کے علاقے سے متصل کون سی ایسی دیوار بھی دنیا میں بنائی گئی ہے اور وہ کس نے بنائی ہے۔

(۴) اس میں مذکورہ بالا خصوصیات کے ساتھ ایک خصوصیت بھی پائی جانی چاہئے کہ وہ خدا پرست اور عادل فرماں روا ہو کیونکہ قرآن یہاں سب سے بڑھ کر اس کی اسی خصوصیت کو نمایاں کرتا ہے۔

ان میں سے پہلی علامت آسانی کے ساتھ خورس پر چسپاں کی جاسکتی ہے

کیونکہ بائبل کے صحف دانی ایل میں دانائیل نبی کا جو خواب بیان کیا گیا ہے اس میں وہ یونانیوں کے عروج سے قبل میڈیا اور فارس کی متحدہ سلطنت کو ایک میڈیہ کی شکل میں دیکھتے ہیں جس کے دو سینگ تھے یہودیوں میں اس ”دو سینگوں والے“ کا بڑا چچا تھا کیونکہ اسی کی نگر نے آخر کار بابل کی سلطنت کو پاش پاش کیا اور نبی اسرائیل کو اسیری سے نجات دلائی۔ (تفہیم القرآن سورہ نبی اسرائیل حاشیہ ۸)

تفہیم

۱۔ ”اس لئے لامحالہ ہمیں یہ (ذوالقرنین کی حیثیت) معلوم کرنے کے لئے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔“

۲۔ ”بائبل کے صحف دانی ایل کی بنیاد پر مختلف رائیں قائم کرنے کے بعد ان میں سے پہلی علامت آسانی کے ساتھ خورس پر چسپاں کی جاسکتی ہے“

۳۔ آیت پاک وَتَسْأَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقُرْنَيْنِ (پ ۱۶ الکہف آیت ۸۳) میں ”ذوالقرنین“ کے مطلق قدیم مفسرین کی رائے کی ترویج کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

”قدیم زمانے میں باہوم مفسرین کا میلان سکندر کی طرف تھا لیکن قرآن میں اس کی جو صفات و خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ مشکل ہی سے سکندر پر چسپاں ہوتی ہیں“

۴۔ ”جدید زمانے میں تاریخی معلومات کی بناء پر مفسرین کا میلان زیادہ تر ایران کے فرماں روا خورس (خسر یا سائرس) کی طرف ہے اور یہ نسبتاً زیادہ قرین قیاس سے۔“

واضح رہے کہ یہ جدید زمانے کی تاریخی معلومات رکھنے والے مفسر خود جناب سید مودودی صاحب ہی ہیں جو ۱۴ سطروں کے بعد خود اپنی ہی ان تحریروں میں ظاہر ہو جاتے ہیں کہ

۵۔ ”ان میں سے پہلی علامت کو آسان کے ساتھ خورس پر چسپاں کی جاسکتی ہے۔۔۔۔۔۔“

۶۔ ”دوسری علامت بڑی حد تک اس پر چسپاں ہوتی ہے مگر پوری طرح نہیں۔۔۔۔۔۔“

۷۔ پھر ص ۴۴ پر لکھتے ہیں کہ

”آخری علامت قدیم زمانے کے معروف فاتحوں میں اگر کسی پر چپاں کی جاسکتی ہے تو وہ خورس ہی ہے... ایل“  
۸۔ اور بائبل کی کتاب عزرا اس بات پر شاہد ہے کہ وہ ضرور ایک خدا پرست اور خدا ترس بادشاہ تھا... ایل“

۹۔ پھر کہتے ہیں کہ

”اس بناء پر ہم یہ تو ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ نزول قرآن سے پہلے جتنے مشہور فاتحین عالم گزرے ہیں ان میں سے خورس ہی کے اندر ذوالقرنین کی علامات زیادہ پائی جاتی ہیں لیکن یقین کے ساتھ اسی کو ذوالقرنین قرار دینے کے لئے ابھی مزید شہادتوں کی ضرورت ہے تاہم دوسرا کوئی فاتح قرآن کی بتائی ہوئی علامات کا اتنا بھی مصداق نہیں ہے جتنا خورس ہے... ایل“

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب کی ان عبارات و تحریرات کو پڑھ جائیے ان سب کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرات متقدمین مفسرین کرام کی رائے سکندر کے متعلق غلط ہے ان کی رائے قرآن کی بیان کردہ صفات و خصوصیات کے خلاف ہے البتہ آپ نے بائبل کی کتاب عزرا اور اسرائیلی لٹریچر کے تاریخی بیان سے خورس کے بارے میں جو تحقیقات پیش کی ہیں وہ عینہ قرآن کے منشاء کے مطابق ہیں سبحان اللہ! جیسا کہ خود ہی نے اعتراف کیا ہے کہ  
”تاہم دوسرا کوئی فاتح قرآن کی بتائی ہوئی علامات کا اتنا بھی مصداق نہیں ہے جتنا خورس ہے“

اب ہم جناب مودودی صاحب کی رائے کی بنیاد (کتاب دانیال اور کتاب عزرا) کی مختصر حقیقت پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کرام اندازہ کر سکیں کہ جناب کو اسرائیلی لٹریچر سے کس قدر شناسائی ہے۔ اور ان دونوں کتابوں کا کیا وزن ہے؟ کتاب دانیال ایل: کے متعلق اظہار الحق کا ترجمہ ”بائبل سے قرآن تک“ میں لکھا ہے کہ ”فرقہ کیسٹوٹک اس گانے اور دونوں مذکورہ ابواب کو تسلیم کرتا ہے مگر فرقہ“ پرولنسٹ اس کی تردید و تکذیب کرتا ہے“

اس کے حاشیہ (۱) میں جناب مودودی حضرت علامہ مفتی محمد تقی صاحب عثمانی زید مجدہ و تحریر فرماتے ہیں

”چنانچہ پرولنسٹ بائبل میں یہ کتاب صرف ۱۲ ابواب چٹل ہے“ (ص ۲۵۶)  
کتاب عزرا: کتاب عزرا کے متعلق اظہار الحق کا ترجمہ ”بائبل سے قرآن تک“ میں لکھا ہے

”السفر الاول لعزرا“ اس کا نام اردو میں عزرا اور انگریزی میں Ezra ہے غالب یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام ہیں اس کتاب میں خسرو (Cyrus) شاہ فارس (جسے تورات میں خورس کہا گیا ہے) کا بنو کد نصر کے حملہ کے بعد یروشلیم کو دوبارہ تعمیر کرنا اور پھر حضرت عزیر کا جلاوطن یہودیوں کو اپنے وطن واپس لانا اور ان کا اپنے گناہوں سے استغفار کرنا مذکور ہے اسی ضمن میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کا ذکر بھی آیا ہے اس میں کل دس باب ہیں ۱۲ آیتیں ص ۳۰۸

اس کتاب عزرا کے متعلق صاحب اظہار الحق لکھتے ہیں:  
”جمہور قدامت پسین کے نزدیک معتد اور معجز و تسلیم شدہ تھیں البتہ سامری فرقہ کے نزدیک صرف سات کتابیں مسلم ہیں... ایل“

(بائبل سے قرآن تک ج اول ص ۲۱۲)  
قارئین کرام! ایسی تردید و تکذیبی و اختلافی کتاب پر جناب سید مودودی صاحب نے اپنی رائے کی بنیاد رکھتے ہوئے متقدمین مفسرین کی رائے کے بارے میں لکھ مارا کہ

”قرآن میں اس کی جو صفات و خصوصیات بیان کی گئی ہیں وہ مشکل ہی سے سکندر پر چپاں ہوتی ہیں۔“

خود جناب مودودی صاحب کی رائے کا کیا حال ہے؟ جس کی بنیاد بائبل کی کتاب دانیال اور عزرا پر ہے۔ فَبَالْحَيِّ اللّٰہِ اَلْمُسْتَسْخِی پتہ چلا کہ بائبل کی کتابیں ہی دراصل مودودی صاحب کے نزدیک روح قرآن ہیں جن سے تفہیم میں مستند ماخذ کی حیثیت سے آپ نے استدلال کیا ہے۔

علاوہ ازیں قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ جناب سید مودودی صاحب نے اس موقع پر بھی انتحال کیا ہے جو ایک زبردست علمی خیانت ہے یعنی زیر بحث حاشیہ ۲۶



میں ذوالقرنین کے متعلق آپ کی خورس کی رائے کی مکمل تحریرات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جناب نے بہت ہی محنت کر کے بڑی جدوجہد سے یہ اپنی ذاتی تحقیق پیش کی ہے۔ حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے دراصل یہ رائے حافظ ابن جریر کی ہے دیکھئے ترجمہ شیخ الہند کے فوائد عثمانی میں اس آیت کے حاشیہ ۴ کو۔

”اس بادشاہ کو ذوالقرنین اس لئے کہتے ہیں کہ دنیا کے دو کناروں (مشرق و مغرب) پر پھریا تھا بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب اسکندر رومی کا ہے اور بعض کے نزدیک کوئی مقبول خدا پرست اور دین دار بادشاہ اس سے پہلے گزرا ہے حافظ بن جریر نے فتح الباری میں متعدد وجوہ و دلائل سے اسی دوسرے قول کو ترجیح دی ہے۔“

لیکن جناب سید مودودی صاحب نے کہیں پر بھی حافظ ابن جریر کی طرف اس تحقیق کو منسوب نہیں کیا شاید اس لئے کہ آپ نے بائبل کی کتاب و انیال و عزراہ وغیرہ سے اس بادشاہ و فرماں روا کا نام خورس متعین و مشخص کر کے اس تحقیق میں ایک قسم کی جدت پیدا کر دی ہے۔ کہ حافظ ابن جریر نے خورس کا نام متعین نہیں کیا ہے۔

۱۰۔ ذوالقرنین کا مصداق خورس کو ظہرانے اور متعین کرنے پر ہی ساری باتیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ اس بادشاہ کا سفر فتوحات کہاں تک ہوا؟ یعنی ان کی سلطنت کی حد کہاں تک تھی؟ اس ذوالقرنین بادشاہ سے اللہ تعالیٰ نے بحیثیت نبی خطاب فرمایا؟ یا بحیثیت مقبول ولی کے ان پر الہام ہوا؟ اس بادشاہ کا تیسرا سفر جس قوم کی طرف ہوا وہ قوم یا جوج و ماجوج تھی یا کوئی اور دوسری قوم اس بادشاہ نے جو انتہائی مستحکم دیوار تعمیر کی تھی وہ کیسی تھی؟ جس کو سد سکندری سے مفسرین تعبیر کرتے ہیں ان سب سوالات کے متعلق تفہیم القرآن ج ۳ ص ۳۴ تا ۴۷ حاشیہ ۶۲ تا ۷۱ میں جو کچھ جناب سید مودودی صاحب نے تحریر کیا ہے وہ سب کی سب بائبل ہی کی تواریخ کی بنیاد پر ہیں اور ان میں صاف صاف حدیثوں کا انکار اور نصوص کی تاویلات بعیدہ کی گئی ہیں نعوذ باللہ من الکفر و الشک بعد الیقین۔ بادشاہ ذوالقرنین کی فتوحات کے متعلق لکھتے ہیں:

”اس کی فتوحات بلاشبہ مغرب میں ایشیا تک گئے کوہک اور

شام کے سوا مل تک اور مشرق میں باختر (بلخ) تک وسیع ہوئیں مگر شمال یا جنوب میں اس کی کسی بڑی قوم کا سرانجام بھی تک تاریخ سے نہیں ملا ہے حالانکہ قرآن صراحت کے ساتھ ایک تیسری قوم کا بھی ذکر کرتا ہے تاہم اس قوم کا پیش آنا بعد از قاس نہیں ہے کیونکہ تاریخ کی رو سے خورس کی سلطنت شمال میں کاکیشا (قفقاز) تک وسیع تھی۔“ (تفہیم ج ۳ ص ۳۴)

قارئین کرام! ائمہ اتبع سنتنا پر جناب سید مودودی صاحب کے قیاس کی بنیاد کیا ہے؟ خط کشیدہ عبارت قابل غور ہے اس کے لئے ملاحظہ کیجئے ترجمہ شیخ الہند کے فوائد عثمانی کو آپ فرماتے ہیں:

”رہائے انھیں کا یہ شبہ کہ ہم نے تمام زمین کو جہاں ڈالا مگر کہیں اس کا پتہ نہیں ملا اور اسی شر کے جواب کے لئے ہمارے مخالفین نے پتہ بتلانے کی کوشش کی ہے اس کا صحیح جواب وہی ہے جو علامہ آلوسی بغدادی نے دیا ہے کہ ہم کو اس کا موقع معلوم نہیں اور ممکن ہے کہ ہمارے اور اس کے درمیان بڑے بڑے سمندر جائل ہوں اور یہ دعویٰ کرتا کہ ہم تمام خشکی و تری پر محیط ہو چکے ہیں واجب التسلیم نہیں مطلقاً جائز ہے کہ جس طرح اب سے بائبل سو برس پہلے تک ہم کو چوتھے براعظم (امریکہ) کے وجود کا پتہ نہ چلا اب بھی کوئی پانچواں براعظم ایسا موجود ہو جہاں تک ہم رسائی حاصل نہ کر سکے ہوں اور تھوڑے دنوں بعد ہم وہاں تک یا وہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں۔ سمندر کی دیوار اعظم جو آسٹریلیا کے شمال مشرقی ساحل پر واقع ہے آج کل برطانوی سامنٹس داں ڈاکٹری ایم ٹیک کے زیر ہدایات اس کی تحقیقات جاری ہے“ (ترجمہ شیخ الہند ص ۴۰۵ حاشیہ ۲)

اس اقتباس سے پتہ چلا کہ بادشاہ ذوالقرنین کی فتوحات کے متعلق آیت پاک پر آپ نے جو قیاس کیا ہے اس قیاس کی بنیاد مخالفین کے شبہات پر جس کے متعلق علامہ آلوسی نے جواب دیا کہ شرعاً و عقلاً مخالفین کے یہ شبہات واجب التسلیم نہیں ہیں۔

۱۱۔ یا جوج و ماجوج سے کون قوم مراد ہے؟ اس کے متعلق جناب تحریر کرتے ہیں:

”تیسری علامت کے بارے میں یہ تو قریب قریب متفق ہے کہ یا جوج و ماجوج سے مراد روس اور شمالی چین کے وہ قبائل ہیں جو تاریخی منگولی نہیں“

میں جب چھیل چکیں گے تو کہیں گے کہ انشاء اللہ تعالیٰ کل بالکل آ رہا کر دیں گے چنانچہ اس روز پھر وہ دیو نہ ہوگی اور اگلے روز اس کو توڑ کر نکال دیں گے۔

آٹھویں یہ کہ یا جوج و ما جوج کی قوت باوجود آدمی ہونے کے آدمیوں سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے اور عدد میں بھی بہت زیادہ ہیں تو یہاں یہ کہ وہ یہی علیہ السلام کے وقت میں نکلیں گے اور اس وقت عیسیٰ علیہ السلام بوجی الہی خاص خاص لوگوں کو لے کر کوہ طور پر چلے جاویں گے باقی لوگ اپنے اپنے طور پر قلعہ بند اور محفوظ مکانوں میں بند ہو جائیں گے دسویں کہ وہ دفعہ غیر معمولی موت سے مر جاویں گے اول کے پانچ اوصاف قرآن سے اور اخیر کے پانچ اوصاف احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتے ہیں..... الخ۔"

قارئین گرام! اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ جناب سید مودودی صاحب نے تفہیم ص ۳۴ میں قرآن و احادیث میں ذکر کردہ ان اوصاف مذکورہ کا کیوں انکار کیا ہے؟ ۱۲۔ جناب سید مودودی صاحب نے ذوالقرنین کے متعلق بائبل اور اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کر کے خورس کو متعین کرتے ہوئے حضرت ذوالقرنین کے متعلق غریب قیاس آرائیاں کی ہیں چنانچہ تفہیم ص ۳۵ حاشیہ ۶۴ میں تحریر کرتے ہیں:

اس کی تائید یہ بات بھی کرتی ہے کہ قرآن یہاں بحر کے بجائے سین کا لفظ استعمال کرتا ہے جو سمندر کے بجائے جمیل یا خلیج ہی پر زیادہ صحت کے ساتھ بولا جاسکتا ہے۔

دیکھ لیجئے کہ جناب مودودی صاحب نے خویش کو مراد لینے میں قرآن پاک کے لفظ عین سے کس طرح قیاس کیا ہے؟ جب کہ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ تفہیم میں آپ نے روح قرآن کو پیش کیا ہے تو کیا اسی قیاس آرائی کا نام روح قرآن ہے؟ العیاذ باللہ جو کچھ جناب کا قیاس ہو گا وہ ہی روح قرآن ہو گا؟ سبحان اللہ

۱۳۔ اس کے بعد اسی حوالہ مذکورہ کے حاشیہ ۶۵ میں مصلحتاً ہی تحریر کرتے ہیں

”متروری نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات براہ راست وحی یا الہام کے

ذریعہ ہی سے ذوالقرنین کو خطاب کر کے فرمائی ہوتی کہ اس سے ذوالقرنین کا نبی یا محدث ہونا لازم آئے بلکہ یہ ارشاد ذہابن حال کے واسطے سے ہو سکتا ہے اور یہ قرین قیاس ہے۔

آپ نے یہ عبارت اس لئے تحریر کی ہے تاکہ خورس کی نبوت یا محدثیت ثابت نہ کرنی پڑ جائے کیونکہ آپ ذوالقرنین کا مصداق خورس کو ٹھہرا چکے ہیں۔ اس لئے آپ وحی اور الہام کے دونوں طریقے کو ذوالقرنین کے لئے ضرور نہیں مان رہے ہیں۔ لیکن حضرت اقدس مفسر تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ

”ظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کوئی مقبول بزرگ بادشاہ ہیں خواہ نبی ہوں یا ولی ہوں کسی دوسرے نبی کے متبع پھر ولایت کی صورت میں یہ مکالمات بطور الہام ہوئی ہو یا کسی نبی کے ذریعہ سے“

دیکھ لیجئے! صاف واضح ہے کہ جناب سید مودودی صاحب نے اس حاشیہ میں کن کن حقائق و تفصیلات کی تردید کی ہے؟

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ جناب سید مودودی صاحب نے تفہیم ج ۳ ص ۲۳ تا ۲۷ حاشیہ ۶۲ تا ۷۱ میں حضرت ذوالقرنین کے مصداق میں خورس کو چسپاں کرنے کے لئے اسرائیلی لٹریچر کی طرف رجوع کر کے بائبل کی بیان کردہ تواریخ کی بنیاد پر قرآن و احادیث کا کس طرح انکار کیا ہے۔

قاتلہم اللہ انی یوفی کون۔

## عبارت نمبر ۶۶

آپ کی بائبل پرستی میں کیا اب بھی کوئی شک ہے؟

تفہیم القرآن ۲

۳۳۰

یوسف

حاشیہ ۶۸ ”بائبل کا بیان ہے کہ سب افراد خاندان جو اس موقع پر مصر گئے تھے اس تعداد میں دوسرے گھرانوں کی ان لڑکیوں کو شمار نہیں کیا گیا ہے جو حضرت یعقوب کے ہاں بیاہی ہوئی آئی تھیں۔ اس وقت حضرت یعقوب

کی عمر ۱۳۰ سال تھی اور اس کے بعد وہ مصر میں ۷۱ سال زندہ رہے۔

اس موقع پر ایک طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل

جب مصر میں داخل ہوئے تو حضرت یوسف سمیت ان کی تعداد ۶۸ تھی اور جب تقریباً ۵۰ سال کے بعد وہ مصر سے نکلے تو وہ لاکھوں کی تعداد میں تھے۔

بائبل کی روایت ہے کہ خروج کے بعد دوسرے سال بیابان سینا میں حضرت

موسیٰ نے ان کی جو مردم شماری کرائی تھی اس میں صرف قابل جنگ مردوں کی

تعداد ۶۰۳۵۵۰ تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت مرد بچے سب ملا کر وہ کم

از کم ۲۰ لاکھ ہوں گے۔ کیا کسی حساب سے ہانچ سو سال میں ۶۸ آدمیوں کی

اتنی اولاد ہو سکتی ہے؟ مصر کی کل آبادی اگر اس زمانے میں ۲ کروڑ فرض کی

جائے (جو یقیناً بہت مبالغہ آمیز اندازہ ہوگا) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف

بنی اسرائیل وہاں ۱۰ فیصدی تھے۔ کیا ایک خاندان محض تناسل کے ذریعہ سے

اتنا بڑھ سکتا ہے؟ اس سوال پر غور کرنے سے ایک اہم حقیقت کا انکشاف ہوتا

ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ۵۰ سو برس میں ایک خاندان تو اتنا نہیں بڑھ سکتا لیکن

بنی اسرائیل پیغمبروں کی اولاد تھے۔ ان کے لہذا حضرت یوسف جن کی

بدولت مصر میں ان کے قدم جتے خود پیغمبر تھے۔ ان کے بعد چار پانچ صدی

تک ملک کا اقتدار انہی لوگوں کے ہاتھ میں رہا۔ اس دوران میں یقیناً انہوں

نے مصر میں اسلام کی خوب تبلیغ کی ہوگی۔ اہل مصر میں سے جو لوگ اسلام

لائے ہوں گے ان کا مذہب ہی نہیں بلکہ ان کا تمدن اور پورا طریق زندگی غیر

مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے ہم رنگ ہو گیا ہوگا۔ مصریوں

نے ان سب کو اسی طرح اجنبی ٹھہرایا ہوگا جس طرح ہندوستان میں ہندوؤں

نے ہندوستانی مسلمانوں کو ٹھہرایا۔ ان کے اوپر اسرائیلی کا لفظ اسی طرح

چسپاں کر دیا گیا ہوگا جس طرح غیر عرب مسلمانوں پر ”عجمی“ کا لفظ آج

چسپاں کیا جاتا ہے۔ اور وہ خود بھی دینی و تہذیبی روابط اور شادی بیاہ کے

تعلقات کی وجہ سے غیر مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے وابستہ

ہو کر رہ گئے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصر میں قوم پرستی کا طوفان اٹھا تو

مظالم صرف بنی اسرائیل ہی پر نہیں ہوئے بلکہ مصری مسلمان بھی ان کے

ساتھ یکساں لپٹ گئے۔ اور جب بنی اسرائیل نے ملک چھوڑا تو مصری

مسلمان بھی ان کے ساتھ ہی نکلے اور ان سب کا شمار اسرائیلیوں ہی میں

ہونے لگا۔



ہمارے اس قیاس کی تائید بائبل کے متعدد اشارات سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر "غروب" میں جہاں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کا حال بیان ہوا ہے بائبل کا مصنف کہتا ہے کہ "ان کے ساتھ ایک ملی جلی مردہ بھی گئی" (۳۸:۱۲) اسی طرح "گنتی" میں وہ پھر کہتا ہے کہ "جو ملی جلی بھیڑان لوگوں میں تھی وہ طرح طرح کی حرص کرنے لگی" (۳:۱۱) پھر بتدریج ان غیر اسرائیلی مسلمانوں کے لئے "اجنبی" اور "پردہ لسی" کی اصطلاحیں استعمال ہونے لگیں۔ چنانچہ توراۃ میں حضرت موسیٰ کو جو احکام دئے گئے ان میں ہم کو یہ تصریح ملتی ہے:

### تنبیہ

۱۔ فَلَمَّا دَخَلُوا اَعْلٰی یُوسُفَ اَوْحٰی اِلَیْہِ اَبُوْہٖ (پ ۱۲ یوسف آیت ۹۹) کی تفصیل بیان بائبل کے مطابق اس حاشیہ ۶۸ میں آپ نے کی ہے۔

۲۔ "ایک طالب علم (یعنی خود جناب سید مودودی صاحب) کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔۔۔

آپ کے اس سوال کی بنیاد بائبل کی روایت ہے۔

۳۔ اور بائبل ہی کی روایت کی بنیاد پر

"اس سوال پر غور کرنے سے جناب والا کو ایک اہم حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے"

۴۔ سوال یہ ہے کہ جناب سید مودودی صاحب کے قیاس کی تائید کس سے ہوتی ہے؟ آپ لکھتے ہیں کہ

"ہمارے قیاس کی تائید بائبل کے متعدد اشاروں سے ہوتی ہے"

۵۔ آپ کو بائبل کی کن کتابوں کے احکام میں تصریح ملتی ہے؟ آپ لکھتے ہیں کہ "چنانچہ توراۃ میں حضرت موسیٰ کو جو احکام دئے گئے ہیں ان میں ہم کو تصریح ملتی ہے۔"

۶۔ جناب سید مودودی صاحب تفہیم القرآن لکھتے وقت بائبل کی کتاب استثناء کے الفاظ کے متعلق تحقیق کرنا چاہتے تھے مگر کامیابی نہیں ملی استثناء کی عبارت کا حوالہ نقل کرنے کے بعد اسی حاشیہ ۶۸ ص ۳۳۱ میں رقم طراز ہوئے ہیں:

"اب یہ تحقیق کرنا مشکل ہے کہ کتاب الہی میں غیر اسرائیلیوں کے لئے وہ اصل لفظ کیا تھا جسے مترجموں نے "پردہ لسی" بنا کر رکھ دیا ہے۔"

قارئین کرام! اس حاشیہ ۶۸ میں آپ نے غور فرمایا؟ کہ جناب نے آیت قرآنی کی تفصیل بیان کی تو بائبل کے بیان کے مطابق۔ آپ کے ذہن میں سوال پیدا ہوا تو بائبل کی روایت سے۔ ایک اہم حقیقت کا انکشاف ہوا تو اسی بائبل کی روایت پر غور کرنے سے۔ آپ کے قیاس کی تائید ہوئی تو بائبل کے متعدد اشاروں سے۔ آپ کو تصریح ملی تو بائبل کی کتاب گنتی میں۔ تحقیق کرنا مشکل ہوا تو بائبل کی کتاب استثناء کے الفاظ میں۔

کیا آپ کی ان تحریرات کے بعد بھی شک رہ جاتا ہے کہ جناب سید مودودی صاحب نے بائبل پرستی نہیں کی ہے؟

### عبارت نمبر ۶۷

جو آپ کا اغلب گمان ہے وہی بائبل کا بھی بیان ہے

(سبحان اللہ)

تفہیم القرآن ۳ ۳۳۰ ص

حاشیہ ۴۳۔ "یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمیں پر پاؤں مارتے ہی ایک چشرہ نکل آیا جس کا پانی پینا اور اس میں غسل کرنا حضرت ایوبؑ کے مرض کا علاج تھا۔ اغلب یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ کسی سخت جلدی مرض میں مبتلا تھے۔ بائبل کا بیان بھی یہی ہے کہ سر سے پاؤں تک ان کا سارے جسم پھوڑوں سے بھر گیا تھا"

(بلا تبصرہ)

## عبارت نمبر ۶۸

اس پوزیشن میں بائبل کا بیان کیوں نقل کیا گیا؟

تفہیم القرآن ۳ ۶۲۴ القصاص

حاشیہ ۲۸۔ "بائبل کا بیان یہاں قرآن کے بیان سے مختلف ہے۔ بائبل کہتی ہے کہ دوسرے دن کا جھگڑا دو اسرائیلیوں کے درمیان تھا لیکن قرآن کہتا ہے کہ یہ جھگڑا بھی اسرائیلی اور مصری کے درمیان ہی تھا (۲) قرین قیاس بھی یہی دوسرا بیان معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلے دن کے قتل کا راز فاش ہونے کی جو صورت آگے بیان ہو رہی ہے وہ اسی طرح رونما ہو سکتی ہے کہ مصری قوم کے ایک شخص کو اس واقعہ کی خبر ہو جائے۔ ایک اسرائیلی کے علم میں اس کے آجانے سے یہ امکان کم تھا کہ اپنی قوم کے پشتیبان شہزادے کے اتنے بڑے قصور کی اطلاع پاتے ہی وہ جا کر فرعون کی حکومت میں اس کی خبری کر دیتا۔"

## تنبیہ

ادیکھئے! جناب والا خود ہی رقم طراز ہیں

"بائبل کا بیان یہاں قرآن سے مختلف ہے"

۲۔ "قرین قیاس بھی یہی دوسرا بیان (یعنی قرآن کا) معلوم ہوتا ہے"

فہم قرآن کے لئے ان دو اعتراف حقیقت کے باوجود آپ نے بائبل کا بیان اس صورت حال میں کیوں نقل کیا؟ اس سے کیا سمجھا جائے؟

## عبارت نمبر ۶۹

مغربی مستشرقین کی تردید کے بہانے خود ہی بائبل سے قرآنی قصوں کا ماخذ ڈھونڈنے میں آپ کی کمال ہوشیاری

تفہیم القرآن ۳ ۶۳۰ القصاص

حاشیہ ۳۸۔ "یہ بھی ضروری نہیں کہ نبی کی بات سنتے ہی باپ نے فوراً حضرت

موسیٰ سے یہ بات کہہ دی ہو۔ قیاس چاہتا ہے کہ انہوں نے نبی کے مشورے پر غور کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی ہوگی کہ آدمی شریف سہی مگر جوان بیٹوں کے گھر میں ایک جوان سحرست و دانا آدمی کو یونہی ملازم رکھ چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ جب یہ شریف تعلیم یافتہ مہذب خاندانی آدمی ہے (جیسا کہ حضرت موسیٰ کا قصہ سن کر انہیں معلوم ہو چکا ہوگا) تو کیوں نہ اسے داماد بنا کر ہی گھر میں رکھا جائے۔ اس رائے پر پہنچنے کے بعد انہوں نے کسی مناسب وقت پر حضرت موسیٰ سے یہ بات کہی ہوگی۔

یہاں پھر بنی اسرائیل کی ایک کرم فرمائی ملاحظہ ہو جو انہوں نے اپنے جلیل القدر نبی اپنے سب سے بڑے حسن اور قوی ہمدرد کی ہے۔ تلمود میں کہا گیا ہے کہ "موسیٰ رعویل کے ہاں رہنے لگے اور وہ اپنے میزبان کی نبی منورہ پر نظر عنایت رکھتے تھے یہاں تک کہ آخر کار انہوں نے اس سے بیاہ کر لیا۔"

## تنبیہ

۱۔ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ نَبْنِيَّكَ إِنْ كُنْتَ إِحْسَدِي ابْنَتِي هُنْتِ عَلَيَّ أَنْ تَأْخُذَنِي تَتَّبِعِي جَحْجَح (قصص آیت ۲۷) کے متعلق سید مودودی صاحب کا قیاس کیا چاہتا ہے؟ اور کیوں چاہتا ہے؟ اس حاشیہ ۳۸ میں ملاحظہ فرمائیے کہ آنجناب نے اپنی جس اردوئے مبین میں حضرت شعیب و حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق گمان قائم کر کے کردار کشی کے عمدہ انداز میں یہ عبارت لکھی ہے اگر اسی طرح جناب سید مودودی کے بارے میں قیاس کیا جائے تو کیا معلوم ہوگا؟ یہاں بھی حسب سابق آنجناب نے پہلے تو "بنی اسرائیل کی کرم فرمائی"

کے عنوان پر بائبل کی کتاب تلمود سے حضرت موسیٰ کی زبردست کردار کشی نقل کی ہے اس کے بعد یہ حاشیہ ۳۸ کے آخری سطر میں مغربی مستشرقین سے سوال کے لباس میں اپنی اس نقل کردار کشی کو چھپانے کی کوشش کی ہے۔

"جو مغربی مستشرقین قرآنی قصوں کے ماخذ ڈھونڈتے پھرتے ہیں انہیں کہیں یہ کھلا فرق بھی نظر آتا ہے جو قرآن کے بیان اور اسرائیلی روایات میں پایا جاتا ہے"

قارئین کرام! اگر شروع حاشیہ میں آنجناب نے اس آیت پاک کے متعلق اپنے قیاس کی بات نہ لکھی ہوتی تو آخر میں مغربی مستشرقین سے سوال کرنے کے لباس میں آپ کی یہ کردار کشی چھپ سکتی تھی مگر اب جناب کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توہین و تذلیل و کردار کشی کی اپنی تصویر چھپانی بہت مشکل ہے۔

تاہم اگر مان ہی لیا جائے کہ آپ نے تلمود کی اور یہودی روایت جیوش انسائیکلو پیڈیا اسی لئے نقل کی ہے کہ مغربی مستشرقین کو قرآن پاک اور بائبل کا فرق دکھلائیں اور ان سے قرآنی قصوں کے مآخذ ڈھونڈنے کے متعلق سوال کریں تو برائے کرم پوری دیانت و امانت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے یہ بتلایا جائے کہ کیا اس طریقہ کار اور انداز تحریر سے قرآن و بائبل کا فرق واضح ہو جائے گا اور مغربی مستشرقین اس انداز تحریر سے مطمئن ہو جائیں گے؟ اور آئندہ وہ قرآنی قصوں کے مآخذ ڈھونڈنا بند کر دیں گے؟ اور ان کے سوال و اعتراض کا جواب ان کو مل جائے گا؟ جب کہ آیت پاک **يَجْعَلُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ** سے نہیں ملا؟ جواب نفی میں ہے اور بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جناب سید مودودی صاحب مغربی مستشرقین کے نام پر خود ہی بائبل کا مطالعہ کرنے کے بعد قرآنی قصوں کے مآخذ ہر جگہ بتلاتے ہیں تاکہ مغربی مستشرقین کو اعتراض کا مزید موقع فراہم ہو۔ اور آنجناب کا دامن بظاہر گرفت سے بھی پاک و صاف رہے۔ حالانکہ آپ کا مقصد اصلی نقل روایات بائبل سے صرف ”دلچسپی“ لینا ہے اور کچھ نہیں چنانچہ تفہیم ج اول ص ۱۵۶ الانعام حاشیہ ۵۵ اور تفہیم ج ۲ ص ۴۹۲ یوسف ۶۶ تفہیم ج ۳ ص ۱۳۵ طہ حاشیہ ۱۰۶ ان تینوں جگہ آپ نے ہی اپنے الفاظ میں نقل بائبل کا مقصد ”دلچسپی“ لینا ذکر کیا ہے پھر اس حاشیہ ۳۸ میں آنجناب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ”قومی ہیرو“ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ غور کیجئے کہ آج کی دنیا میں ”ہیرو“ کس کو کہتے ہیں؟ ممکن ہے کہ ارباب جماعت کے نزدیک ”ہیرو“ کا معنی کوئی اچھا سا ہو۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ فلموں اور سنیما میں کام کرنے والے مردوں کو ہیرو اور عورتوں کو ہیروئن کہا جاتا ہے اس اعتبار سے مجھے جناب مودودی صاحب ہی ”قومی ہیرو“ معلوم ہوتے ہیں۔

## عبارت نمبر ۷

آپ کی تعبیر کو مزید تقویت بائبل کی کتاب خروج سے ملتی ہے

القطف ۶۱

۴۶۰

تفہیم القرآن ۵

حاشیہ ۷۔ ”اس تعبیر کو مزید تقویت پیشین گوئی کے ان الفاظ سے ملتی ہے کہ ”یہ تیری (یعنی بنی اسرائیل کی) اس درخواست کے مطابق ہوگا جو تو نے خداوند اپنے خدا سے جمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہوتا کہ میں مر نہ جاؤں اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔“ اس عبارت میں حورب سے مراد وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پہلی مرتبہ احکام شریعت دئے گئے تھے اور بنی اسرائیل کی جس درخواست کا اس میں ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ اگر کوئی شریعت ہم کو دی جائے تو ان خوف ناک حالات میں نہ دی جائے جو حورب پہاڑ کے دامن میں شریعت دیتے وقت پیدا کئے گئے تھے۔ ان حالات کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے اور بائبل میں بھی۔ (ملاحظہ ہو البقرہ آیات ۵۵-۵۶-۶۳- الاعراف آیات ۱۵۵-۱۵۶-۱۵۷-۱۵۸-۱۵۹-۱۶۰-۱۶۱-۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۱۶۵-۱۶۶-۱۶۷-۱۶۸-۱۶۹-۱۷۰-۱۷۱-۱۷۲-۱۷۳-۱۷۴-۱۷۵-۱۷۶-۱۷۷-۱۷۸-۱۷۹-۱۸۰-۱۸۱-۱۸۲-۱۸۳-۱۸۴-۱۸۵-۱۸۶-۱۸۷-۱۸۸-۱۸۹-۱۹۰-۱۹۱-۱۹۲-۱۹۳-۱۹۴-۱۹۵-۱۹۶-۱۹۷-۱۹۸-۱۹۹-۲۰۰-۲۰۱-۲۰۲-۲۰۳-۲۰۴-۲۰۵-۲۰۶-۲۰۷-۲۰۸-۲۰۹-۲۱۰-۲۱۱-۲۱۲-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱



بائبل سے پہونچا کر قرآن اور بائبل دونوں کے ساتھ ساتھ حوالے دئے ہیں جس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ آپ کی تعبیر کی بنیاد بائبل پر ہے چونکہ آپ کے نزدیک بائبل اور قرآن دونوں ایک ہی ہیں اسی لئے آپ کو ان حالات کا ذکر قرآن کے ساتھ بائبل میں بھی مل گیا۔

### عبارت نمبر ۷

انجیل برناباس پر شک کرتے ہوئے اس کی غیر معمولی

صفات بھی بیان کی گئی

تفہیم القرآن ۵ ۳۶۸ القف ۶۱

”یہ برناباس کون تھا؟ بائبل کی کتاب اعمال میں بڑی کثرت سے اس نام کے ایک شخص کا ذکر آتا ہے جو قبرص کے ایک یہودی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مسیحیت کی تبلیغ اور پیروان مسیح کی مدد و اعانت کے سلسلے میں اس کی خدمات کی بڑی تعریف کی گئی ہے۔ مگر کہیں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ کب دین مسیح میں داخل ہوا اور ابتدائی مارہ حواریوں کی جو فہرست تین انجیلوں میں دی گئی ہے اس میں بھی کہیں اس کا نام درج نہیں ہے۔ اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ انجیل کا مصنف وہی برناباس ہے یا کوئی اور۔ متنی اور مرقس نے حواریوں (Apostles) کی جو فہرست دی ہے برناباس کی دی ہوئی فہرست اس سے صرف دو ناموں میں مختلف ہے۔ ایک تو ما جس کے بجائے برناباس خود اپنا نام دے رہا ہے دوسرا شمعون قنانی جس کی جگہ وہ یہوداہ بن یعقوب کا نام لیتا ہے۔ لوقا کی انجیل میں یہ دوسرا نام بھی موجود ہے۔ اس لئے یہ قاس کرنا صحیح ہوگا کہ بعد میں کسی وقت صرف برناباس کو حواریوں سے خارج کرنے کے لئے تو ما کا نام داخل کیا گیا ہے تاکہ اس کی انجیل سے چھپا چھڑایا جاسکے اور اس طرح کے تغیرات اپنی مذہبی کتابوں میں کر لینا ان حضرات کے ہاں کوئی ناجائز کام نہیں رہا ہے۔

(۱) اس انجیل کو اگر کوئی شخص تعصب کے بغیر کلی آنکھوں سے پڑھے اور نے عہد نئے کی جادوں انجیلوں سے اس کا مقابلہ کرے تو وہ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ (۲) ان جادوں سے بدرجہا برتر ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں (۳) اور اس طرح بیان ہوئے ہیں جسے کوئی شخص فی الواقع وہاں سب کچھ دیکھ رہا تھا (۴) اور ان واقعات میں خود شریک تھا۔ (۵) جادوں انجیلوں کی بے ربط داستانوں کے مقابلہ میں یہ تاریخی بیان زیادہ مربوط بھی ہے (۶) اور اس سے سلسلہ واقعات بھی زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے۔ (۷) حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اس میں جادوں انجیلوں کی نسبت زیادہ واضح اور مفصل اور مؤثر طریقے سے بیان ہوئی ہیں۔ (۸) توحید کی تعلیم شرک کی تردید صفات باری تعالیٰ عبادات کی رواج اور اخلاق فاضلہ کے مضامین اس میں بڑے ہی پُر زور اور مدلل اور مفصل ہیں۔ (۹) جن سبق آموز تمثیلات کے پیرائے میں مسیح نے یہ مضامین بیان کئے ہیں ان کا عشر عشر بھی جادوں انجیلوں میں نہیں پایا جاتا۔ (۱۰) اس سے یہ بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ آجناپ اسے شاگردوں کی تعلیم و تربیت کس حکیمانہ طریقے سے فرماتے تھے (۱۱) حضرت عیسیٰ کی زبان طرز زبان اور طبیعت و مزاج سے کوئی شخص (مثلاً مودودی صاحب از ناقل) اگر کچھ بھی آشنا ہو تو وہ اس انجیل کو بڑھ کر یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ یہ کوئی جعلی داستان نہیں ہے جو بعد میں کسی نے گڑھ لی ہو (۱۲) بلکہ اس میں حضرت مسیح انجیل ازلہ کی یہ نسبت اپنی اصلی شان میں بہت زیادہ نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ (۱۳) اور اس میں ان تضادات کا نام و نشان بھی نہیں ہے جو انجیل ازلہ میں ان کے مختلف اقوال کے درمیان پایا جاتا ہے۔

(۱۴) اس انجیل میں حضرت عیسیٰ کی زندگی اور آپ کی تعلیمات ٹھیک ٹھیک ایک نئی کی زندگی اور تعلیمات کے مطابق نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے آپ کو ایک نئی کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ تمام پچھلے انباء اور کتابوں کی تصدیق کرتے ہیں۔“

تنبیہ

۱۔ تعجب ہے کہ ایک طرف تو آپ نے انجیل برناباس کی اہمیت معلوم ہونے کے لئے اس

کا اس قدر تعارف کرایا ہے اور جس طرح بائبل کی دیگر چاروں اناجیل پر پوری تفہیم میں اور صرف اس ایک جگہ تفہیم میں ص ۳۶۷ میں فنی اعتبار سے تنقید کی ہے بالکل اسی طرح انجیل برناباس پر بھی تنقید وغیر معمولی تعریف بھی دونوں ساتھ ساتھ کی ہے آپ کہتے ہیں کہ "انجیل برناباس ان چاروں اناجیل سے بدرجہا برتر ہے"

لیکن پھر اس کے ساتھ ہی انجیل برناباس پر آپ نے شک کا بھی اظہار کیا ہے:- کہ "یہ برناباس کون تھا؟ وہ کب دین سک میں داخل ہوا؟ ابتدائی بارہ حواریوں کی فہرست میں کہیں بھی اس کا نام درج نہیں ہے اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ اس انجیل کا مصنف وہی برناباس ہے یا کوئی اور؟... الخ"

واللہ اعلم بالصواب کہ اناجیل و بائبل کی تعریف و تنقید کے اس پس منظر میں جناب سید مودودی صاحب کا کون سا راز چھپا ہوا ہے؟ اور انہوں نے طریق مطالعہ قرآن کے لئے ایسا کیوں کیا ہے؟

۲۔ (انجیل برناباس کے متعلق) "اس لئے یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ... الخ" دیکھئے جناب کا کمال! قرآن میں بھی قیاس کرتے ہیں اور انجیل میں بھی قیاس کرتے ہیں۔

۳۔ "اس انجیل کو اگر کوئی شخص تعصب کے بغیر کھلی آنکھوں سے پڑھے اور نئے عہد نامے کی چاروں انجیلیوں سے اس کا مقابلہ کرے تو وہ یہ محسوس کرے بغیر نہیں رہ سکتا... الخ"

اسی تفہیم ج ۵ ص ۳۶۳ پر بھی آپ نے اسی قسم کی عبارت سے اوسط درجہ کے لوگوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ انجیل کو تعصب کے بغیر کھلی آنکھوں سے پڑھیں اور نئے عہد ناموں کی چاروں انجیلیوں سے اس کا مقابلہ کریں۔

لیکن بتلایا جائے کہ جناب سید مودودی صاحب کی طرح بلا تعصب والی آنکھ اور صلاحیت عامۃ الناس کے پاس کہاں ہے؟ جس سے وہ انجیلیوں کا باہم مقابلہ کر کے صحیح اور غیر صحیح کی تیز کر سکیں گے؟

۴۔ جب انجیل برناباس کے متعلق آپ کو شک تھا تو اسی انجیل برناباس کی اس جگہ ص ۳۶۸ پر ۱۴ صفات حسنہ کیوں بیان کی گئیں؟

## عبارت نمبر ۷۲

انجیل کی عبارت میں کتنی چیزیں جناب والا کی بادی النظر میں نگاہ کو کھٹکتی ہیں؟

تفہیم القرآن ۵ ص ۴۷۴ القف ۶۱

حاشیہ ۸۔ "ان صاف اور مفصل پیشینگوئیوں میں صرف تین چیزیں ایسی ہیں جو بادی النظر میں نگاہ کو کھٹکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان میں اور انجیل برناباس کی متعدد دوسری عبارتوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حج ہونے کا انکار کیا ہے دوسری یہ کہ صرف انہی عبارتوں میں نہیں بلکہ اس انجیل کے بہت سے مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عربی نام "محمد" لکھا گیا ہے حالانکہ یہ انبیاء کی پیشین گوئیوں کا عام طریقہ نہیں ہے کہ بعد کی آنے والی کسی ہستی کا اصل نام لیا جائے تیسری یہ کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچ کہا گیا ہے۔

پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ صرف انجیل برناباس ہی میں نہیں بلکہ لوقا کی انجیل میں بھی یہ ذکر موجود ہے کہ حضرت عیسیٰ نے اپنے شاگردوں کو اس بات سے منع کیا تھا کہ وہ آپ کو سچ کہیں۔ لوقا کے الفاظ یہ ہیں: "اس نے ان سے کہا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں کہا خدا کا سچ۔ اس نے ان کو تاکید کر کے حکم دیا کہ یہ کسی سے نہ کہنا" (۲۱: ۲۰-۲۱) غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی اسرائیل جس سچ کے خنجر تھے اس کے متعلق ان کا خیال یہ تھا کہ وہ کموار کے زور سے دشمنان حق کو مغلوب کرے گا اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ سچ میں نہیں ہوں بلکہ وہ میرے بعد آنے والا ہے۔"

## تنبیہ

۱۔ "ان صاف اور مفصل پیشینگوئیوں میں (جناب مودودی صاحب کو)

صرف تین چیزیں ایسی ہیں جو بادی النظر میں نگاہ کو کھٹکتی ہیں... الخ"

تفہیم ۵ از ص ۳۶۱ تا ۳۷۴ میں حاشیہ ۸ کے تحت آپ نے اناجیل سے طویل

طویل مضامین لکھے ہیں۔ جس میں برناباس کی اصل انجیل جو سریانی زبان میں تھی اور جناب مودودی صاحب کو وہ اصل کتاب دستیاب بھی نہیں ہوئی جیسا کہ اسی حاشیہ ۸ ص ۴۷۵ کے اوپر کی سطروں میں آپ نے لکھا بھی ہے۔ اس نقلی جعلی انجیل برناباس کی بنیاد پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیوں کے الفاظ ثابت کرنے کے لئے عیسائیوں کی تواریخ کا آپ کو سہارا لینا پڑا ہے چونکہ آپ نے بائبل وانا جیل کی کتابوں کا گہرا مطالعہ فرمایا ہے اس لئے اس مطالعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جناب نے قرآن پاک کی آیات کی تفصیلات میں بھرپور طریقے سے انجیل کو نقل کیا تاکہ مسلمان اس کو بھی پڑھنے پر مجبور ہو جائیں ظاہر ہے کہ اگر آجناب والا کوشش کرتے کہ مسلمان انجیل پڑھ لیں تو کبھی بھی مسلمان انجیل کی تحریف کی وجہ سے پڑھنے کے لئے تیار نہ ہوتے اس لئے آجناب نے کمال ہوشیاری اور انتہائی چالاکی سے

”حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کی بشارت“

کے عنوان پر انجیل کو بڑی آسانی کے ساتھ مسلمانوں کے حلق سے اتروا دیا چونکہ اسی حاشیہ

۸ ص ۴۶۶ کے نیچے کی سطروں میں آپ تحریر کرتے ہیں کہ

”میں نے اسے (انجیل برناباس کے انگریزی ترجمے کو) لفظ بلفظ پڑھا ہے۔“

لہذا آجناب نے بڑی عرق ریزی و جانفشانی سے کوشش کر کے مسلمانوں کو بھی پڑھنے کی ترغیب کے ساتھ تدبیر بھی بتلا دی۔ تاکہ جس طرح سے آپ نے قرآن پاک کو بائبل وانا جیل پڑھ کر سمجھا ہے اسی طرح مسلمان بھی سمجھیں اور یہی آپ کا مقصد اعظم ہے اور اس کو خود ہی آپ نے تفہیم القرآن ج ۶ ص ۵۷۵ ”خاتمہ“ میں تحریر کیا ہے:

”جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں میری کوشش یہ رہی ہے کہ عام پڑھے لکھے لوگوں کو قرآن اس طرح سمجھاؤں جس طرح میں نے خود اسے سمجھا ہے۔ الخ۔“

سوال یہ ہے کہ جناب مودودی مرحوم نے کس طرح قرآن کو سمجھا ہے؟ اور پھر جو کچھ آجناب نے سمجھا ہے اس پر کس طرح اعتماد کر لیا جائے؟

آپ نے قرآن کو بائبل وانا جیل و یہودی روایات سے جس طرح سمجھا ہے وہ سب آپ ہی کی بعینہ عبارات و من و عن تحریرات میں قارئین کرام کے سامنے آچکی ہیں کہ اب انجیل کی ان عبارات میں کتنی چیزیں آپ کی بادی النظر میں نگاہ بصیرت کو کھٹکتی ہیں؟ جب انجیل کھٹک رہی تھی تو اس کو تفہیم القرآن میں کیوں جگہ دی گئی؟ صرف اور صرف مُبَشِّرُ اٰبْرٰهٖمَ وَاٰنٰیہٖ مِنْ بَعْدِیْ اَسْمٰءُ اَحْمَدُ پر مطلقاً اعتماد کیوں نہیں کیا گیا؟ لیکن جب راقم الحروف نے تفہیم القرآن میں جناب مولانا سید مودودی کی اس حقیقت کا سراغ لگایا کہ آپ نے جو بائبل وغیرہ سے بھرپور استفادہ کیا ہے اس تفہیم میں نقل بائبل کے مقاصد کیا ہیں؟ بحمد اللہ مجھے آجناب کے الفاظ و عبارات ہی میں مل گئے کہ محض دیکھنے کی خاطر آپ نے ایسا کیا ہے یہی آپ کا مقصد اصلی ہے۔ ہم نے آئندہ صفحات میں اپنے اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے تفہیم کی نین عبارات تفہیم کی تین جلدوں سے الگ الگ پیش کی ہیں ”بائبل سے تفسیر و تفصیل کے بیان میں“ ملاحظہ کیا جائے۔ فوائد عثمانی میں ہے

”یہ سچ ہے کہ نہ یہودی و نصاریٰ کی مجرمانہ غفلت اور مستند اند و مشہور نے آج دنیا کے ہاتھوں میں اصل تورات و انجیل وغیرہ کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا جس سے ہم کو ٹھیک پتہ لگ سکا کہ انبیاء سابقین خصوصاً حضرت مسیح علیہ السلام نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کن الفاظ میں اور کس عنوان سے بشارت دے دی تھی اور اس لئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ قرآن کریم کے صاف و صریح بیان کو اس تحریف شدہ بائبل میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے جھٹلانے لگے۔“ (ترجمہ شاہ ابند سورہ صف حاشیہ ۲)

قارئین کرام! فوائد عثمانی کی اس عبارت سے مجھے اپنے اشکال کو مٹا کر دینا ہے کہ جب تورات و انجیل کا کوئی بھی نسخہ بالاتفاق جمہور مسلمین اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے تو جناب مودودی صاحب کا اس سے استدلال کرنا اور پیشین گوئیوں کی عبارت نقل کرنا کس طرح صحیح ہے؟ یہ تو ان محرف کتابوں کا اعتماد بحال کرنا ہوا نعوذ باللہ۔ مزید افسوس درافسوس یہ ہے کہ جناب نے جب انجیل محرف کی عبارات نقل کرنا ہی ضروری سمجھا تھا تو



اس کی تحریف پر بھی اس طرح تفصیلی کلام کرتے؟ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ تفہیم ج ۵ ص ۴۵۹ تا ص ۴۷۵ سترہ صفحات میں انجیل کی عبارات نقل کرتے چلے گئے ہیں اور اس کی تحریف پر اسی طرح مفصلاً تنقید نہیں کی بلکہ انجیل برناباس کی غیر معمولی تعریف و صفات بیان کی ہیں چونکہ آپ کے نزدیک اناجیل اربعہ معتبر ذریعہ میں نہیں بلکہ قابل اعتماد ذریعہ انجیل برناباس ہے آپ لکھتے ہیں

”حقیقت یہ ہے کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰ کی پیشین گوئیوں کو نہیں خود حضرت عیسیٰ کے اپنے صحیح حالات اور آپ کی اصلی تعلیمات کو جاننے کا بھی معتبر ذریعہ دو چار انجیلیں ہیں جن کو سچی کلیسا نے معتبر و مسلم اناجیل قرار دے رکھا ہے بلکہ اس کا زیادہ قابل اعتماد ذریعہ انجیل برناباس ہے جسے کلیسا غیر قانونی اور مشکوک الصحت کہتا ہے“ (تفہیم ج ۵ ص ۴۶۶)

اس اعتراف حقیقت کے باوجود اناجیل سے تفصیلات کیوں پیش کی گئیں؟

### عبارت نمبر ۷۳

اصل انجیل برناباس دستیاب ہونے کی تمنا کیوں؟

تفہیم القرآن ۵ ص ۴۷۵ القصف ۶۱

”ظاہر ہے کہ اصل انجیل برناباس سریانی زبان میں ہوگی کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ اور ان کے ساتھیوں کی زبان تھی۔ اگر وہ اصل کتاب دستیاب ہوتی تو دیکھا جاسکتا تھا کہ اس میں آنحضرت ﷺ کا اسم گرامی کیا لکھا گیا تھا۔ (۲) ایسا جو کچھ قیاس کیا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اصل میں تو حضرت عیسیٰ نے لفظ ”محمدا“ استعمال کیا ہوگا جیسا کہ ہم اسحاق کے دیے ہوئے انجیل لوحا کے حوالے سے بتا چکے ہیں۔ پھر مختلف مترجموں نے اپنی اپنی زبانوں میں اس کے ترجمے کر دیے ہوں گے۔ اس کے بعد غالباً کسی مترجم نے یہ دیکھ کر کہ پیشین گوئی میں آنے والے کا جو نام بتایا گیا ہے وہ بالکل لفظ ”محمد“ کا ہم معنی ہے آپ کا یہی اسم گرامی لکھ دیا ہوگا۔ اس لئے صرف اس نام کی تصریح یہ شبہ پیدا کر دینے کے لئے ہرگز کافی نہیں ہے کہ پوری انجیل برناباس کسی مسلمان نے جعلی تصنیف کر دی ہے۔“

### تنبیہ

صاف پتہ چل گیا کہ جناب والا نے ص ۴۶۸ میں جس انجیل برناباس کی تعریف کے متعلق رطب اللسان ہیں وہ جعلی انجیل برناباس ہے اصلی نہیں۔ چنانچہ اس میں بھی آپ نے قیاس کا گھوڑا دوڑا دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح عیسائیوں کی بات (کہ پوری انجیل برناباس کسی مسلمان نے جعلی تصنیف کر دی ہے) غلط ہے بالکل اسی طرح اس جعلی و نقلی انجیل برناباس سے جناب مودودی صاحب کا استدلال و استشہاد بھی غلط ہے۔

### عبارت نمبر ۷۴

بائبل و تلمود سے جناب والا کو کیا معلوم ہوا؟

تفہیم القرآن ۳ ص ۶۱۹ القصف

حاشیہ ۱۶۔ ”بائبل اور تلمود سے معلوم ہوتا ہے کہ بچے کا نام ”موسیٰ“ فرعون کے گھر میں رکھا گیا تھا۔ یہ عبرانی زبان کا نہیں بلکہ قبطی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں ”میں نے اسے پانی سے نکالا“ قدیم مصری زبان سے بھی حضرت موسیٰ کے نام کی یہ تصریح صحیح ثابت ہوتی ہے۔ اس زبان میں ”موز“ پانی کو کہتے تھے اور ”ادشے“ کا مطلب تھا ”بچایا ہوا“۔

### عبارت نمبر ۷۵

بائبل کی بنیاد پر آپ کو یہ خیال ہوتا ہے

تفہیم القرآن ۳ ص ۶۳۲ القصف

حاشیہ ۴۱۔ ”اس سفر کا رخ طود کی جانب ہونے سے یہ خیال ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اپنے اہل و عیال کو لے کر مصر ہی جانا چاہتے ہوں گے۔ اس لئے کہ طور اس راستے پر ہے جو مدین سے مصر کی طرف جاتا ہے غالباً حضرت موسیٰ نے خیال کیا ہوگا کہ دس سال گزر چکے ہیں۔ وہ فرعون بھی مر چکا ہے

جس کی حکومت کے زمانے میں وہ مصر سے نکلے تھے۔ اب اگر خاموشی کے ساتھ وہاں چلا جاؤں اور اپنے خاندان والوں کے ساتھ رہ پڑوں تو شاید کسی کو میرا پیہ بھی نہ چلے۔

بائبل کا بیان یہاں واقعات کی ترتیب میں قرآن کے بیان سے بالکل مختلف ہے۔ وہ کہتی ہے کہ حضرت موسیٰ اپنے خسر کی بکریاں چراتے ہوئے ”بیابان کے پرلی طرف سے خدا کے پہاڑ حورب کے نزدیک“ آ نکلے تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان سے کلام کیا اور انہیں رسالت کے منصب پر مامور کر کے مصر جانے کا حکم دیا۔ پھر وہ اپنے خسر کے پاس واپس آ گئے اور ان سے اجازت لیکر اپنے بال بچوں کے ساتھ مصر روانہ ہوئے (خروج ۱:۳-۱۸:۳) اس کے برعکس قرآن کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ مدت پوری کرنے کے بعد اپنے اہل و عیال کو لے کر مدین سے روانہ ہوئے اور اس سفر میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت اور منصب نبوت پر تقرر کا معاملہ پیش آیا۔“

### تنبیہ

سوال یہ ہے کہ جب بائبل کا بیان یہاں واقعات کی ترتیب میں قرآن کے بیان سے بالکل مختلف ہے تو آپ نے اس کو تفہیم میں کیوں نقل کیا؟

### عبارت نمبر ۷۶

**بائبل کی کتاب اعمال سے آپ کو کیا معلوم ہوتا ہے؟**

تفہیم القرآن ۴ ۲۴۹ ایس ۳۶

”اس کے برعکس بائبل کی کتاب اعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ صلیب کے چند سال بعد عیسائی مبلغین پہلی مرتبہ وہاں پہنچے تھے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کو نہ اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہو نہ اللہ کے رسول نے مامور کیا ہو وہ اگر بطور خود تبلیغ کے لئے نکلے ہوں تو کسی تاویل کی رو سے بھی وہ اللہ کے رسول قرار نہیں پاسکتے۔ علاوہ برس بائبل کے بیان کی رو سے انطاکیہ پہلا شہر ہے جہاں کثرت سے غیر اسرائیلیوں نے دین مسیح کو قبول کیا اور مسیحی کلیسا کو

غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی۔ حالانکہ قرآن جس بستی کا ذکر یہاں کر رہا ہے وہ کوئی ایسی بستی نہیں جس نے رسولوں کی دعوت کو رد کر دیا اور بالآخر عذاب الہی کی شکار ہوئی۔ تاریخ میں اس امر کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ انطاکیہ پر ایسی کوئی تباہی نازل ہوئی ہو جسے انکار رسالت کی بنا پر عذاب قرار دیا جاسکتا ہو۔“

### تنبیہ

جب تاریخ سے بھی بائبل کا بیان غلط ثابت ہوا تو جناب نے اس غلط بیان بائبل کو قرآن کے مقابلہ میں کیوں ذکر کیا؟

### عبارت نمبر ۷۷

**انتہائی مبالغہ آمیز یہودی روایات سے آپ کو**

**کیا معلوم ہو جاتا ہے؟**

تفہیم القرآن ۳ ۶۶۲ القصص

حاشہ ۹۶۔ ”بائبل و کتب نبی ۱۶ میں اس کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس میں اس شخص کی دولت کا کوئی ذکر نہیں ہے مگر یہودی روایات یہ بتاتی ہیں کہ یہ شخص غیر معمولی دولت کا مالک تھا حتیٰ کہ اس کے خزانوں کی کنجیاں اٹھانے کے لئے تین سو نوچر درکار ہوتے تھے (جیوش انسائیکلو پیڈیا ج ۷ ص ۵۵۶) یہ بیان اگر انتہائی مبالغہ آمیز ہے لیکن اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اسرائیلی روایات کی رو سے بھی قارون اپنے وقت کا بہت بڑا دولت مند آدمی تھا۔“

”قارون اپنے وقت کا بہت بڑا دولت مند آدمی تھا۔“

### تنبیہ

اس کے ثبوت کے لئے آپ کو بائبل کی کتاب کنفی میں کوئی ذکر نہیں ملا تو جیوش انسائیکلو پیڈیا سے آپ نے استدلال کر لیا اور اسرائیلی روایات پر اعتماد کیا۔ سبحان اللہ۔

# بازھواں باب

تفہیم القرآن میں  
بائبل سے تفسیر و تفصیل  
کے بیان میں

عبارت نمبر ۷۸

آپ بائبل کے معنی ہی کو ترجیح دیتے ہیں

تفہیم القرآن ۲ ۷۳ الاعراف ۷

حاشیہ ۹۵۔ غالباً بارش کا طوفان مراد ہے جس میں ازلے ہی برے تھے۔  
اگرچہ طوفان دوسری چیزوں کا بھی ہو سکتا ہے لیکن بائبل میں ژالہ ماری کے  
طوفان کا ہی ذکر ہے اس لئے ہم اسی معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔

تنبیہ

دیکھئے اس میں جناب والا بائبل سے استشہاد و استدلال کر کے بائبل کے معنی  
ہی کو ترجیح دیتے ہیں جب کہ قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں نامی کتاب میں آپ کا عوی  
ہے کہ

تفسیر قرآن کے لئے لغت اور آیت قرآنی سے استشہاد کرتے ہیں اور کوئی  
بات ایسی نہیں بیان کرتے جس کا ثبوت لغت اور قرآن سے نہ ہو۔ لغت اور  
آیات قرآنی سے استشہاد کے بغیر لوگ میری ہر تشریح کو میری ذاتی رائے  
سمجھتے ہیں اور میری رائے کم از کم ان لوگوں کے لئے تو اطمینان کی موجب  
نہیں ہو سکتی جو مجھ سے اختلاف رکھتے ہوں (ایک سطر کے بعد لکھتے ہیں)  
اور کوئی ایسی بات نہ بیان کروں جس کا ثبوت لغت اور قرآن سے نہ ملتا ہو  
(ص ۱۳)۔ (اس جگہ لغت اور قرآنی استشہاد کہاں رخصت ہو گیا؟  
یہاں تو بائبل ہی کے معنی کو آپ نے ترجیح دی ہے)

قارئین کرام! جناب بائبل کے معنی ہی کو ترجیح دیتے ہیں تو یہ امت مسلمہ کے  
لئے اطمینان کا موجب کس طرح ہو سکتا ہے؟ پھر آپ کی رائے سے اختلاف مسلمان تو  
بہر حال کریں گے۔ یہودی نہ کریں تو نہ کریں کیونکہ بائبل سے استشہاد ہے۔



## عبارت نمبر ۷۹

سورہ مائدہ آیت ۱۲ کی پوری تفصیل آپ کو بائبل کی کتاب ”گنتی“ میں ملتی ہے

تفہیم القرآن ۲ ۸۷ الاعراف ۷

حاشیہ ۱۱۸۔ ”اشارہ ہے بنی اسرائیل کی اس تنظیم کی طرف جو سورہ مائدہ آیت ۱۲ میں بیان ہوئی ہے (۱) اور جس کی پوری تفصیل بائبل کی کتاب گنتی میں ملتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوہ سینا کے بیابان میں بنی اسرائیل کی مردم شماری کرائی پھر ان کے ۱۲ گھرانوں کو جو حضرت یعقوب کے دس بیٹوں اور حضرت یوسف کے دو بیٹوں کی نسل سے تھے الگ الگ گروہوں کی شکل میں منظم کیا اور ہر گروہ پر ایک ایک سردار مقرر کیا تاکہ وہ ان کے اندر اخلاقی و مذہبی وحدتی و معاشرتی اور فوجی حیثیت سے نظم قائم رکھے اور احکام شریعت کا اجراء کرتا رہے۔ نیز حضرت یعقوب کے بارہویں بیٹے لاوی کی اولاد کو جس کی نسل سے حضرت موسیٰ اور ہارون تھے (۲) ایک الگ جماعت کی شکل میں منظم کیا تاکہ وہ ان سب قبیلوں کے درمیان شہادت حق روشن رکھنے کی خدمت انجام دیتی رہے۔“

## عبارت نمبر ۸۰

بائبل کی کتاب احبار (باب ۲۶) اور استثناء (باب ۲۸)

...قرآن کے اس مختصر فقرے کی بہترین تفسیر ہے

تفہیم القرآن ۱ ۲۸۸ المائدہ ۵

حاشیہ ۹۶۔ ”بائبل کی کتاب احبار (باب ۲۶) اور استثناء (باب ۲۸) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک تقریر نقل کی گئی ہے جس میں انہوں نے بنی اسرائیل کو بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ اگر تم احکام الہی کی ٹھیک ٹھیک

پہر دی کرو گے تو کس کس طرح اللہ کی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے جاؤ گے اور اگر کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر نافرمانیاں کرو گے تو کس طرح بلائیں اور مصیبتیں اور تباہیاں ہر طرف سے تم پر جھوم کر دیں گی۔ حضرت موسیٰ کی تقریر قرآن کے اس مختصر فقرے کی بہترین تفسیر ہے۔“

## عبارت نمبر ۸۱

جناب سید مودودی صاحب مرحوم اپنی تحریر کے مطابق دونوں قسم کے آدمیوں میں سے کس قسم میں داخل ہیں؟

تفہیم القرآن ۱ ۲۷۹ المائدہ ۵

۲۔ ”بلاشبہ یہ ممکن تھا کہ شروع ہی سے تمام انسانوں کے لئے ایک ضابطہ مقرر کر کے سب کو ایک امت بنا دیا جاتا۔ لیکن وہ فرق جو اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کی شریعتوں کے درمیان رکھا اس کے اندر دوسری بہت سی مصلحتوں کے ساتھ ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے لوگوں کی آزمائش کرنا چاہتا تھا۔ جو لوگ اصل دین اور اس کی روح اور حقیقت کو سمجھتے ہیں اور دین میں ان ضوابط کی حقیقی حیثیت کو جانتے ہیں اور کسی تعصب میں مبتلا نہیں ہیں وہ حق کو جس صورت میں بھی وہ آئے گا پہچان لیں گے اور قبول کر لیں گے ان کو اللہ کے بھیجے ہوئے سابق احکام کی جگہ بعد کے احکام تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔ بخلاف اس کے جو لوگ روح دین سے بے گانہ ہیں اور ضوابط اور ان کی تفصیلات ہی کو اصل دین سمجھ بیٹھے ہیں اور جنہوں نے خدا کی طرف سے آئی ہوئی چیزوں پر خود اپنے حاشیے چڑھا کر ان کی تفصیلات ہی کو اصل دین سمجھ بیٹھے ہیں اور جنہوں نے خدا کی طرف سے آئی ہوئی چیزوں پر خود اپنے حاشیے چڑھا کر ان پر خود اور تعصب اختیار کر لیا ہے وہ ہر اس آیت کو رد کرتے چلے جائیں گے جو بعد میں خدا کی طرف سے آئے۔ (۱) ان دونوں قسم کے آدمیوں کو تمیز کرنے کے لئے یہ آزمائش ضروری تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے شرائع میں اختلاف رکھا۔“

اس حاشیہ اور اس کے سیاق و سباق پر مکمل تفصیلی تبصرہ باب ۶ میں گزر چکا ہے

## عبارت نمبر ۸۲

۱۔ قرآن کے مضمون کی تقریر بائبل کی کتاب استثناء میں بڑی شرح و وسط کے ساتھ نقل کی گئی ہے

۲۔ کتاب استثناء کے بعض بعض مقامات کمال درجہ مؤثر اور عبرت انگیز ہیں

۳۔ محرف کتابوں کا اعتماد بحال کرانے کے لئے مثلاً اس کے چند فقرے نقل کرتے ہیں

تفہیم القرآن ۲ ۲۷۳ ابراہیم ۱۴  
حاشیہ ۱۲۔ ”اس مضمون کی تقریر بائبل کی کتاب استثناء میں بڑی شرح و وسط کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ اس تقریری میں حضرت موسیٰ اپنی وفات سے چند روز پہلے بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے سارے اہم واقعات یاد دلاتے ہیں پھر توراۃ کے ان احکام کو دہراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو بھیجے تھے۔ پھر ایک طویل خطبہ دیتے ہیں جس میں بتاتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنے رب کی فرمانبرداری کی تو کیسے کیسے انعامات سے نوازے جائیں گے اور اگر نافرمانی کی روش اختیار کی تو اس کی کیسی سخت سزا دی جائے گی۔ یہ خطبہ کتاب استثناء کے ابواب نمبر ۲، ۶، ۸، ۱۰، ۱۱ اور ۲۸ تا ۳۰ میں پھیلا ہوا ہے (۲) اور اس کے بعض بعض مقامات کمال درجہ مؤثر اور عبرت انگیز ہیں (۳) مثلاً کے طور پر اس کے چند فقرے ہم یہاں نقل کرتے ہیں جن سے پورے خطبے کا اندازہ ہو سکتا ہے:-“

☆☆☆☆☆☆

## عبارت نمبر ۸۳

۱۔ قرآن مجید کے اشارے کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے بائبل کے ان مقامات کو دیکھنا ضروری ہے

(لاحول ولا قوۃ الا باللہ)

۲۔ خروج، گنتی، یرمیاہ حزقی ایل ملاحظہ کرنے کی دعوت

تفہیم القرآن ۲ ۵۸۱ ائٹل ۱۶  
”قرآن مجید کے اس اشارے کو آدمی اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ وہ ایک طرف بائبل کے ان مقامات کو نہ دیکھے جہاں سنت کے احکام بیان ہوئے ہیں مثلاً ملاحظہ ہو خروج باب ۲۰ آیت ۱۱ تا ۱۸ باب ۲۳ آیت ۱۲ و ۱۳ باب ۳۱ آیت ۱۲ و ۱۳ باب ۳۵ آیت ۲ و ۳ گنتی باب ۱۵ آیت ۳۲ تا ۳۶ اور دوسری طرف ان جہازوں سے واقف نہ ہوں جو یہودی سنت کی حرمت کو توڑنے میں ظاہر کرتے رہے مثلاً ملاحظہ ہو یرمیاہ باب ۱۷ آیت ۲۱ تا ۲۷ حزقی ایل باب ۱۲ آیت ۱۲ تا ۲۳“

## عبارت نمبر ۸۴

۱۔ تلمود اس کی مزید تفصیل یہ دیتی ہے

۲۔ یہ تفسیر ہے قرآن کے اس بیان کی

تفہیم القرآن ۲ ۶۱۵ اقص ۲۸

”تلمود اس کی مزید تفصیل یہ دیتی ہے کہ حضرت یوسفؑ کی وفات پر ایک صدی سے کچھ زیادہ مدت گزر جانے کے بعد یہ انقلاب ہوا تھا۔ وہ بتاتی ہے کہ نئی قوم پرست حکومت نے پہلے تو بنی اسرائیل کو ان کی

ذریعہ زمینوں اور ان کے مکانات اور جائیدادوں سے محروم کیا۔ پھر انہیں حکومت کے تمام مناصب سے بے دخل کیا۔ اس کے بعد بھی جب قبلی حکمرانوں نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل اور ان کے ہم مذہب مصری کافی طاقت ور ہیں تو انہوں نے اسرائیلیوں کو ذلیل و خوار کرنا شروع کیا اور ان سے سخت محنت کے کام قبیل معادوں پر یا بلا معاوضہ لینے لگے یہ تفسیر ہے قرآن کے اس بیان کی مصری آبادی کے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا۔ اور سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کہ آل فرعون بنی اسرائیل کو سخت عذاب دیتے تھے (یسوہو نکم سوء العذاب)

مگر بائبل اور قرآن دونوں اس ذکر سے خالی ہیں کہ فرعون نے کسی نبوی نے یہ کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کے ہاتھوں فرعون کا اقتدار کا تختہ الٹ جائے گا اور اسی خطرے کو روکنے کے لئے فرعون نے اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ فرعون نے کوئی خوف ناک خواب دیکھا تھا اور اس کی تعبیر یہ دی گئی تھی کہ ایک لڑکا بنی اسرائیل میں ایسا اور ایسا پیدا ہونے والا ہے۔

”مگر بائبل اور قرآن دونوں اس ذکر سے خالی ہیں۔۔۔ الخ“

تو جناب نے اس ذکر کو کس ماخذ سے نقل کیا ہے؟

## عبارت نمبر ۸۵

۱۔ جناب والا کو قرآن کے مختلف مقامات پر بیان ہوئی بیشتر تفصیلات تلمود میں ملتی ہیں

تفہیم القرآن ۳ ۱۷۱ ۰ الانبیاء ۲۱

”تلمود میں البتہ سرت ابراہیمی کے عراقی دور کی وہ بیشتر تفصیلات ملتی ہیں جو قرآن کے مختلف مقامات پر بیان ہوئی ہیں مگر دونوں کا تقابل کرنے سے نہ صرف یہ کہ قصے کے اہم اجزاء میں تین تفاوت نظر آتا ہے بلکہ ایک شخص صریح طور پر یہ محسوس کر سکتا ہے کہ تلمود کا بیان بکثرت بے جواز اور

حضرت ابراہیم کے اہم واقعات زندگی کو پیش کرتا ہے جن میں کوئی لغو بات آئے نہیں پائی ہے۔ تو صحیح مدعا کے لئے ہم یہاں تلمود کی داستان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں کی غلطی پوری طرح کھل جائے جو قرآن کو بائبل اور یہودی لٹریچر کا خوش چسپ قرار دیتے ہیں۔

۲۔ ”تو صحیح مدعا کے لئے (جناب) یہاں تلمود کی داستان کا خلاصہ پیش کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں کی غلطی پوری کھل جائے جو قرآن کو بائبل اور یہودی لٹریچر کا خوش چسپ قرار دیتے ہیں“

## تنبیہ

قارئین کرام! جناب سید مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں اس جگہ بائبل نقل کرنے کی وجہ مغربی مستشرقین کو جواب دے کر ان کی غلطی پوری طرح سے کھولنے کا جو مقصد یہاں بیان کیا ہے وہ اس وقت انتہائی مستحکمہ خیز ثابت ہوتا ہے جب تفہیم ہی کی عبارات میں نقل بائبل کی اصل وجہ ”دلچسپی“ لیتا پڑھنے میں آتی ہے اس وقت آپ کے اس مقصد مذکور کا راز فاش ہو جاتا ہے کہ ”ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور ہوتے ہیں۔“

## عبارت نمبر ۸۶

آپ محض دلچسپی کی خاطر بائبل کو نقل کرتے ہیں

میں اپنے اس دعویٰ کے مطابق نمونہ کے طور پر تفہیم القرآن کی تین جلدوں کی عبارات الگ الگ پیش کرتا ہوں ملاحظہ فرما کر فیصلہ کیجئے۔

”اس موقع پر یہ جان لینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ یہ واقعہ جو حضرت ابراہیم کی عظیم الشان غیرانہ زندگی کا نقطہ آغاز ہے بائبل میں کوئی جگہ نہیں پاسکا ہے۔ البتہ تلمود میں اس کا ذکر موجود ہے لیکن اس میں دو باتیں قرآن سے مختلف ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حضرت ابراہیم کی جستجوئے حقیقت کو



سورج سے شروع کر کے تاروں تک اور پھر خدا تک لے جاتی ہے۔ دوسرے اس کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم نے جب سورج کو خداری کہا تو ساتھ ہی اس کی پرستش بھی کر ڈالی اور اسی طرح چاند کو بھی انہوں نے خداری کہا کہ اس کی پرستش کی۔

### عبارت نمبر ۸۷

تفہیم القرآن ۱ ۵۶۰ الانعام ۶

”یہاں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ایک طرف قرآن حضرت یعقوب کو اس پیغمبرانہ شان کے ساتھ پیش کر رہا ہے اور دوسری طرف بنی اسرائیل ان کو ایسے رنگ میں دکھاتے ہیں جیسا عرب کا ہر معمولی بدو ہو سکتا ہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ جب بیٹوں نے آکر خبر دی کہ ”یوسف اب تک جیتا ہے اور وہی سارے ملک مصر کا حاکم ہے تو یعقوب کا دل دھک سے رہ گیا کیونکہ اس نے ان کا یقین نہ کیا۔۔۔ اور جب ان کے باپ یعقوب نے وہ گاڑیاں دیکھ لیں جو یوسف نے ان کو لانے کے لئے بھیجی تھیں تب اس کی جان میں جان آئی۔“ (پیدائش ۴۵: ۲۶-۲۷)

### عبارت نمبر ۸۸

تفہیم القرآن ۲ ۳۲۹ یوسف ۱۲

”اس موقع پر یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ آدم و حوا کا قصہ جس طرح بائبل میں بیان ہوا ہے اسے بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے۔“  
دیکھئے! تینوں جلدوں میں بات شروع کرنے سے قبل ہی نقل بائبل کی وجہ میں ”دلچسپی سے خالی نہ ہوگا“

کی تحریف موجود ہے لہذا اب دوسرا کوئی مقصد بتلانا ان عبارات کے خلاف ہوگا۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ جناب مودودی صاحب کو بائبل سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟ کہ قرآنی آیات کی تشریح میں بائبل کی آیات کو ضرور پیش کرتے ہیں آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

ہمیں اس سوال کا جواب تفہیم ہی میں آپ کی تحریر سے مل گیا کہ جناب والا کو چونکہ گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف نہیں کیونکہ وہ بیچ کے راس کے ماڈرن مولوی ہیں اس کے باوجود بائبل وغیرہ کتب آسمانی کی تعلیمات سے خوب خوب واقف ہیں چنانچہ قَامُسَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (پ ۴ نکل آیت ۴۳) میں سارے مفسرین نے علماء اہل کتاب کو مراد لیا ہے مگر آپ نے علماء اہل کتاب کے ساتھ اپنے جیسے لوگوں کو بھی مراد لیا ہے ملاحظہ کیجئے تفہیم ج ۲ حاشیہ ۳۹ ص ۵۴۳ میں ہے

”یعنی علماء اہل کتاب اور وہ دوسرے لوگ جو چاہے سکہ بند علماء نہ ہوں۔ مگر بہر حال کتب آسمانی کی تعلیمات سے واقف اور انبیاء سابقین کی سرگزشت سے آگاہ ہوں“

یہاں آپ نے ”اہل الذکر“ کے عموم لفظ سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے لئے بھی گنجائش نکالی ہے۔

قارئین کرام! ان دوسرے لوگ میں مودودی صاحب جیسے ہی لوگ ہونگے جو سکہ بند عالم نہیں ہیں۔ ورنہ دوسرے لوگ کا مصداق کون ہوں گے؟ جو سکہ بند علماء نہ ہوں؟

### عبارت نمبر ۸۹

آپ ہی کے الفاظ سے قرآن پاک کی تفسیر میں بائبل کی مستحی روایات نقل کرنے کی اصل وجہ و بنیادی مقصد

تفہیم القرآن ۳ ۵۹ مریم ۸

حاشیہ ۸۔ ”اس واقعے کی جو تفصیلات لوہا کی انجیل میں بیان ہوئی ہیں انہیں ہم یہاں نقل کر دیتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے قرآن کی روایت کے ساتھ مستحی روایت بھی رہے درمیان میں تو سین کی عبارتیں ہماری اپنی ہیں۔“

تنبیہ

قارئین کرام! جناب سید مودودی کی جرأت و جسارت کی داد دینی پڑے گی کہ

آپ نے کیا سوچ کر کیا سمجھ کر ایسا کیا ہے؟ جب کہ آپ کو قرآنی روایت کے ساتھ احادیث پاک کو نقل کرنا چاہئے کیونکہ قرآن کی روایت احادیث شریفہ ہی ہیں نہ کہ مسیحی روایت قرآن کی روایت میں اور احادیث شریفہ کی روایت میں جوڑ سے ان دونوں کا تلازم مسلمات میں سے ہے مگر قرآن کی روایت اور مسیحی روایت میں کیا جوڑ ہے؟ کیا مناسبت ہے؟ جس کی بنیاد پر آنجناب نے قرآن کی تفصیلات میں لوقا کی انجیل کو پیش کر کے مسلمانوں کے سامنے کیا ہے یہ کام تو پوری عیسائی و یہودی مشنریوں نے مل کر بھی انجام نہیں دیا ہے جس کو آپ نے تفہیم قرآن کے نام پر بڑی خوش اسلوبی سے انجام دے کر دنیا سے اسی حال میں چلے گئے۔

قارئین کرام! یہاں ص ۵۹ سورہ مریم میں مسیحی روایات کی تفصیلات قرآن کے مقابلہ میں بیان کرنے کا مقصد آپ نے یوں بیان کیا ہے

”تا کہ لوگوں کے سامنے قرآن کی روایت کے ساتھ مسیحی روایت بھی رہے“

جبکہ تفہیم القرآن ج ۲ ص ۵۸۶ میں اسرائیل حاشیہ ۶ میں نقل بائبل کا یہ مقصد بیان کیا ہے

”ذیل میں ہم ان کتابوں کی متعلقہ عبارتیں نقل کرتے ہیں تاکہ قرآن کے اس بیان کی پوری تصدیق ہو جائے۔“

جناب ہی کے بیان کردہ ان مقاصد سے کیا صاف طور پر یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہودیوں اور عیسائیوں کے ایجنٹ اور وکیل صفائی ہیں؟ ورنہ پھر ہم یہ ضرور معلوم کرنا چاہیں گے کہ جناب نے تفہیم القرآن میں مسیحی غیر مستند روایات کو پیش کر کے ان سے قرآن کے بیان کی تصدیق کیوں کی ہے کیا العیاذ باللہ قرآن پاک اپنی صداقت میں مسیحی روایات کا محتاج ہے؟ عایجاہا ہرگز نہیں۔ پوری دنیا کے مسلمان شروع سے لے کر آج تک قرآن کی صداقت کو محدثین و مفسرین کی بیان کردہ اسلامی روایات متعلقہ کی بنیاد پر مانتے چلے آ رہے ہیں مگر صرف آپ تنہا ہیں جو غیروں کی روایات کی بنیاد پر قرآن کی صداقت کو مان رہے ہیں۔

ع اکیلے پھر رہے ہیں یوسف بے کارواں ہو کر

ہم تمنا اور آرزو ہی کرتے تھے کہ کاش جناب یہودی صاحب سبیل اللہ مشہور

کو نہ چھوڑتے تاکہ وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ كَمَا صَدَقَ اللَّهُ مَا يَجْعَلُونَ۔

## عبارت نمبر ۹۰

بائبل وغیرہ کے بیانات سے قرآن کے بیان کردہ عذاب کی تفصیلات پر روشنی

تفہیم القرآن ۳ ۵۲۹ اشعراء

حاشیہ ۱۱۳۔ اس بارش سے مراد پانی کی بارش نہیں بلکہ پتھروں کی بارش ہے۔ قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر اس عذاب کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت لوطؑ جب رات کے پچھلے پہر اپنے بال بچوں کو لے کر نکل گئے تو صبح پو پھٹتے ہی یکا یک ایک زور کا دھماکا ہوا (فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ) ایک ہولناک زلزلے نے ان کی بستیوں کو لپٹ کر کے رکھ دیا (جَعَلْنَا عَلَيْهِمْ سَابِغَةً) ایک زبردست آتش فشاں انھار سے ان پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر برسائے گئے (وَأَنظَرْنَا عَلَيْهِمْ جَهَنَّمَ مِّنْ مَّحْجِلٍ مَّنْظُورٍ) اور ایک طوفانی ہوا سے چلتی ان پر پتھراؤ کیا گیا (إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا) بائبل کے بیانات قدیم یونانی اور لاطینی تحریروں اُحدہ زمانے کی طبقات الارضی تحقیقات اور آثار قدیمہ کے مشاہدات سے اس عذاب کی تفصیلات پر روشنی بڑتی ہے اس کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔



## عبارت نمبر ۹۱

- ۱۔ سورہ قصص و سورہ طہ آیت ۹ تا ۲۸ کی تفصیلات کو بائبل کی کتاب خروج کی داستان سے مقابلہ کرنے کی ترغیب
- ۲۔ تفہیم کے ناظرین اگر کچھ بھی ذوق سلیم (مودودی صاحب کی طرح) رکھتے ہوں گے تو خود محسوس کر لیں گے کہ بائبل اور قرآن میں کلام الہی کون سا ہے؟
- ۳۔ وہ قرآن میں بھی آسانی سے رائے قائم کر سکیں گے (مودودی صاحب کی طرح)

تفہیم القرآن ۳ ۶۳۵ القصص ۲۸  
 حاشیہ ۲۸۔ ”اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضرت موسیٰ کی اس ملاقات اور گفتگو کا حال اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ سورہ طہ آیت ۹ تا ۲۸ میں بیان ہوا ہے۔ قرآن مجید کے اس بیان کا جو شخص بھی اس داستان سے مقابلہ کرے گا جو اس سلسلہ میں بائبل کی کتاب خروج (باب ۳۲) میں بیان کی گئی ہے (۲) وہ اگر کچھ ذوق سلیم رکھتا ہو تو خود محسوس کرے گا کہ ان دونوں میں سے کلام الہی کون سا ہے اور انسانی داستان گوئی کا اطلاق کس پر ہوتا ہے۔ نیز (۳) وہ اس معاملہ میں بھی آسانی رائے قائم کر سکے گا کہ آیا قرآن کی یہ روایت معاذ اللہ بائبل اور اسرائیلی روایات کی نقل ہے یا وہ خدا خود اصل واقعہ بیان فرما رہا ہے جس نے حضرت موسیٰ کو باریاب فرمایا تھا۔ (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن طہ حاشیہ ۱۹)

تنبیہ

انصاف سے بتلایا جائے کہ اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ حضرات (بقول سید

مودودی جن کو عربی بھی اچھی طرح سے نہیں آتی) کے لئے اس قسم کی عبارات لکھ کر توجہ رکھنا کہ وہ قرآن کی روایت اور بائبل کی اسرائیلی روایات میں فرق کو محسوس کر کے آسانی رائے قائم کر لیں گے۔ کہاں تک درست ہے؟ کیا روح قرآن تک پہنچنے کے ذرائع اور وسائل یہی ہیں؟

## عبارت نمبر ۹۲

- ۱۔ تفہیم میں اعتراف تحریف بائبل کے علاوہ بائبل کے مصنفین پر تنقید کے ساتھ ساتھ آیت قرآنی کی مفصل روداد درج کیا گیا۔
- ۲۔ غضب یہ ہے کہ یہ مصنفین (بائبل) کچھ تھے بھی واجبی سے عقل کے لوگ... الخ

تفہیم القرآن ۳ ۵۳۲ الزخرف  
 حاشیہ ۳۳۔ ”بائبل کی کتاب خروج باب ۷۔ ۸۔ ۹۔ ۱۰ اور ۱۲ میں بھی ان عذابوں کی مفصل روداد درج ہے مگر وہ گہ اور حقیقت کا مجموعہ ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ جب خون کا عذاب آیا تو جادوگروں نے بھی ویسا ہی لاکر دکھا دیا۔ مگر جب جوڑوں کا عذاب آیا تو جادوگر جواب میں جو کس پیدا نہ کر سکے اور انہوں نے کہا کہ یہ خدا کا کام ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب مینڈکوں کا سیلاب اٹھا تو جادوگر بھی جواب میں مینڈک چڑھالائے لیکن اس کے باوجود فرعون نے حضرت موسیٰ ہی سے یہ درخواست کی کہ اللہ سے دعا کر کے اس عذاب کو دفع کرائیے۔ سوال یہ ہے کہ جب جادوگر مینڈک چڑھالائے پر قادر تھے تو فرعون نے انہیں کے ذریعہ سے یہ عذاب کیونہ دور کر لیا؟ اور آخر یہ معلوم کیسے ہوا کہ مینڈکوں کی



اس فوج میں اللہ کے مینڈک کون سے ہیں اور جادو گروں کے مینڈک کون سے؟ یہی سوال خون کے بارے میں بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی تنبیہ کے مطابق ہر طرف پانی کے ذخیرے میں خون میں تبدیل ہو چکے تھے تو جادو گروں نے کس پانی کو خون بنایا اور کیسے معلوم ہوا کہ فلاں جگہ کا پانی جادو گروں کے کرتب سے خون بنا ہے؟ ایسی ہی باتوں سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بائبل خالص کلام الہی پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کو جن لوگوں نے تصنیف کیا ہے انہوں نے اس کے اندر اپنی طرف سے بھی بہت کچھ ملا دیا ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ یہ مصنفین کچھ تھے بھی واجبی ہی عقل کے لوگ جنہیں بات گزرنے کا سلیقہ بھی نصیب نہ تھا۔

تنبیہ

۳۔ قارئین کرام! جناب والا بائبل کو صرف ”گپ“ کا مجموعہ نہیں کہتے ہیں بلکہ لکھتے ہیں کہ وہ

”گپ اور حقیقت کا مجموعہ ہے“

سبحان اللہ بائبل بیک وقت گپ بھی ہو؟ اور حقیقت بھی ہو؟ یہ دونوں باتیں کس طرح صحیح ہو سکتی ہیں؟ گپ اور حقیقت تو اجتماع ضدین ہیں یعنی آگ اور پانی کی طرح الگ الگ ہیں۔ کیا ان دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن ہے؟ غضب یہ ہے کہ جناب والا ایک طرف بائبل کو گپ بھی مانتے ہیں اور ساتھ ساتھ حقیقت بھی تسلیم کرتے ہیں اس کو خالص کلام الہی پر مشتمل بھی نہیں مانتے ہیں اور صاف لکھتے ہیں کہ

”جن لوگوں نے اس کو تصنیف کیا ہے انہوں نے اس کے اندر اپنی طرف سے بھی بہت کچھ ملا دیا ہے“

اور پھر اسی بائبل کی کتاب خروج سے قرآن کے بیان کردہ مجمل عذابوں کی تفصیل بھی درج کرتے ہیں۔ آپ کی اس تحریر میں بھی یہ دو رخا پن کس چیز کی غمازی کرتی ہے؟ اس حاشیہ ۴۳ کے آخری سطر میں آپ تنقید کرتے ہیں کہ

”اور غضب یہ ہے کہ یہ مصنفین کچھ تھے واجبی سے عقل کے لوگ جن میں بات گزرنے کا سلیقہ بھی نصیب نہ تھا“

اور ماشاء اللہ جناب سید مودودی صاحب کو تو خوب بات گزھنے اور بات بنانے کا سلیقہ بھی ہے آپ سلیقہ و شعور ہی کا تو یہ کمال ہے کہ قرآن کے نام پر آپ نے مسلمانوں کو بائبل پڑھایا ہے۔

بائبل کو حقیقت کا مجموعہ کہنے کا کیا یہ صاف مطلب نہیں ہیں؟ کہ جناب والا اس کی حقانیت دلوں میں اتارنا چاہتے ہیں الامان الحفیظ۔

عبارت نمبر ۹۳

۱۔ جناب سید مودودی کو بائبل میں بہت سی مفید معلومات

۲۔ اور قرآن کے اجمال کی تفصیلات

۳۔ اور ان کے ساتھ متعدد عجیب باتیں بھی ملتی ہیں

تفہیم القرآن ۳ ۱۱۰ ط

حاشیہ ۵۵۔ ”مصر سے نکلنے اور فرعون کے غرق ہونے کا مفصل حال باب ۱۱ سے ۱۳ تک بیان کیا گیا ہے۔ اس میں بہت سی مفید معلومات اور قرآن کے اجمال کی تفصیلات بھی ہمیں ملتی ہیں اور ان کے ساتھ متعدد عجیب باتیں بھی۔ مثلاً باب ۱۳ کی آیات ۱۵-۱۶ میں حضرت موسیٰ کو حکم دیا جاتا ہے کہ ”تو اپنی لاشی (جی ہاں اب لاشی حضرت ہارون سے لے کر پھر حضرت موسیٰ کو دے دی گئی ہے) اٹھا کر اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا اور اسے دو حصے کر اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل جائیں گے۔ لیکن آگے چل کر آیت ۲۱-۲۲ میں کہا جاتا ہے کہ پھر موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور خداوند نے رات بھر شبنم پوری آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اسے خشک زمین بنادیا اور پانی دو حصے ہو گیا اور بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور ان کے داہنے اور بائیں ہاتھ پانی دیوار کی طرح تھا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آماہ معجزہ تھا یا طبعی واقعہ؟ اگر معجزہ تھا تو عصا کی ضرب سے ہی رہنما ہو گیا ہوگا جیسا کہ قرآن میں کہا گیا



دس بارہ سال یہ ان کے زیر تربیت رہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھایا تو یہ ان کی جگہ مقرر ہوئے (۲۔ سلاطین باب ۲) بائبل کی کتاب ۲ سلاطین میں باب ۲ سے ۱۳ تک ان کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی فلسطین کی اسرائیلی سلطنت جب شرک و بت پرستی اور اخلاقی نجاستوں میں غرق ہوتی ہی چلی گئی تو آخر کار انہوں نے یاہوین یہو سبط بن نمسی کو اس خانوادہ شاہی کے خلاف کھڑا کیا جس کے کروتوتوں سے اسرائیل میں یہ برائیاں پھیلی تھیں اور اس نے نہ صرف بعل پرستی کا خاتمہ کیا بلکہ اس بد کردار خاندان کے بچے بچے کو قتل کر دیا۔ لیکن اس اصلاحی انقلاب سے بھی وہ برائیاں پوری طرح نہ مٹ سکیں جو اسرائیل کی رگ رگ میں اتر چکی تھیں اور حضرت ائیسح کی وفات کے بعد تو انہوں نے طوفانی شکل اختیار کر لی یہاں تک کہ سامریہ پر آشوریوں کے پے در پے حملے شروع ہو گئے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن جلد دوم ص ۵۹۷ اور تفسیر سورہ صافات حاشیہ نمبر ۷۷)۔

### تنبیہ

دیکھئے! آجنگاہ نے پہلے ہی ابتداء عبارت میں صاف تحریر کیا ہے کہ ۱۔ "قرآن مجید میں ان کا ذکر صرف دو جگہ آیا ہے ایک سورہ انفصاح آیت ۸۶ میں دوسرے اس جگہ اور دونوں مقامات پر کوئی تفصیل نہیں ہے بلکہ صرف انبیاء کرام کے سلسلے میں ان کا نام لیا گیا ہے۔"

اس لئے آجنگاہ مودودی صاحب نے فوراً بائبل کی کتاب سلاطین کو بحیثیت شرح قرآن اٹھایا اور اس سے قرآن پاک کے اس اجمال کا تفصیلی تذکرہ و شرح فرمادی۔ سبحان اللہ! چنانچہ یہاں جو کچھ بھی آپ نے لکھا ہے وہ بائبل کی کتاب سلاطین ہی کی بنیاد پر لکھا ہے اسی مضمون میں آپ خود فرماتے ہیں

"بائبل کی کتاب ۲ سلاطین میں باب ۲ سے ۱۳ تک ان کا تذکرہ بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہے"

جی ہاں! پھر تفہیم القرآن میں وہ تفصیل کیوں نہ درج ہو؟

☆☆☆☆☆

### عبارت نمبر ۹۵

تفہیم میں قرآن کے نام پر تلمود پڑھانے کی کوشش ہے

تفہیم القرآن ۲ ۳۳۲ یوسف ۱۲

"پھر جس موقع پر یہ ذکر آتا ہے کہ نبی رحمت نے حضرت سارہ کے دفن کے لئے قبر کی زمین مفت دی وہاں اردو بائبل کے الفاظ یہ ہیں "ابراہام نے اٹھ کر اور نبی رحمت کے آگے جو اس ملک کے لوگ ہیں" آداب بجالا کر ان سے یوں گفتگو کی "اور جب ان لوگوں نے قبر کی زمین نہیں بلکہ ایک پورا ملک اور ایک عارضہ میں پیش کر دیا تب "ابراہام اس ملک کے لوگوں کے سامنے جھکا۔" مگر عربی ترجمہ میں ان دونوں مواقع پر آداب بجالانے اور جھکنے کے لئے "سجدہ کرنے" ہی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں: فقام ابراہیم وسجد الشعب الارض لینی حث (تکوین: ۲۳: ۷) فسجد ابراہیم امام شعب الارض (۱۲: ۲۳) انگریزی بائبل میں ان مواقع پر جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں:

Bowed himself toward the ground. Bowed himself to the people of the land and Abraham bowed down himself before the people of the land

اس مضمون کی مثالیں بڑی کثرت سے بائبل میں ملتی ہیں اور ان سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سجدہ کا مفہوم وہ ہے ہی نہیں جواب اسلامی اصطلاح کے لفظ "سجدہ" سے سمجھا جاتا ہے۔

جن لوگوں نے معاملہ کی اس حقیقت کو جانے بغیر اس کی تائید میں سرسری طور پر لکھ دیا ہے کہ اگلی شریعتوں میں غیر اللہ کو تعظیم سجدہ کرنا سجدہ توحید بجالانا جائز تھا انہوں نے محض ایک بے اصل بات کہی ہے۔ اگر سجدے سے مراد وہ چیز ہو جسے اسلامی اصطلاح میں سجدہ کہا جاتا ہے تو وہ خدا کی بھیجی ہوئی کسی شریعت میں کبھی کسی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں رہا ہے بائبل میں ذکر آتا ہے کہ بابل کی اسیری کے زمانے میں جب اخویریس بادشاہ



نے ہامان کو اپنا امیر الامراء بنایا اور حکم دیا کہ سب لوگ اس کو سجدہ تعظیمی  
بجالایا کریں تو سرور کی نے جو بنی اسرائیل کے اولیاء میں سے تھے یہ حکم ماننے  
سے انکار کر دیا (آخر ۲: ۱۰۳) تلمود میں اس واقعہ کی شرح کرتے ہوئے  
اس کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ بڑھنے کے لائق ہے۔

### تشبیہ

۱۔ واضح رہے کہ جس طرح یہاں ثبوت واقعی ہے کہ جناب نے تعظیم لکھتے وقت بائبل کے  
انگریزی اردو عربی تینوں تراجم کو سامنے رکھا ہے رکھکر ان سے استفادہ اور ان پر اعتماد  
استناد کیا ہے اسی طرح تعظیم ج ۵ ص ۱۲۵ حاشیہ ۵۰ ص ۲۸۶ حاشیہ ۲۔ تعظیم ج ۲ ص ۳۳  
حاشیہ ۱ میں بھی اس کا ثبوت ہے۔

۲۔ ”آپ کو اس مضمون کی مثالیں بائبل میں بڑی کثرت سے ملتی ہیں“

۳۔ ”ان سے (یعنی بائبل سے) صاف معلوم ہو جاتا ہے“

۴۔ ”تلمود میں اس واقعہ کی شرح کرتے ہوئے اس کی جو تفصیل دی گئی ہے  
وہ بھی بڑھنے کے لائق ہے“

سبحان اللہ! یہ ہے قرآن کی تعظیم؟ کہ قرآن پاک کے نام پر مسلمانوں کو تلمود  
کے بارے میں ترغیب و بیجا رہی ہے کہ وہ بھی پڑھنے کے لائق ہے سبحان اللہ! سبحان اللہ  
نتیجہ کیا نکلا غور کیجئے کہ اس مضمون کی مثالیں آپ کو بڑی کثرت سے کہاں ملتی ہیں؟ بائبل  
میں! قرآن میں نہیں! حدیث میں نہیں! بلکہ بائبل میں؟ سوال یہ ہے کہ تینوں کتاب  
(قرآن و حدیث و بائبل) میں کس سے صاف معلوم ہوتا ہے؟ تو جناب مودودی  
صاحب کا جواب کہ بائبل سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ پھر آپ کے نزدیک قرآن کے  
علاوہ مزید کون سی کتاب پڑھنے کے لائق ہے؟ تو فرماتے ہیں کہ  
”تلمود میں اس واقعہ کی شرح کرتے ہوئے اس کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ  
پڑھنے کے لائق ہے“

دیکھا آپ نے مودودی صاحب کو اپنی تعظیم میں کس کس طرح قرآن کے مدعا بلکہ رویت  
قرآن تک مسلمانوں کی رسائی کرائی ہے؟

### عبارت نمبر ۹۶

بائبل سے قرآن پاک کے اصل واقعہ کی تفصیلات پر کافی  
روشنی پڑتی ہے

البقرہ ۲

۱۸۹

تعظیم القرآن ۱

۲۷۰۔ ”بائبل کا بیان اس باب میں قرآن سے کسی حد تک مختلف ہے۔ تاہم  
اس سے اصل واقعہ کی تفصیلات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا  
ہے کہ یہ صندوق جسے بنی اسرائیل اصطلاحاً ”عہد کا صندوق“ کہتے تھے  
ایک لڑائی کے موقع پر فلسطی مشرکین نے بنی اسرائیل سے چھین لیا تھا۔ لیکن  
یہ مشرکین کے جس شر اور جس ہستی میں رکھا گیا وہاں وہاں پھوٹ پڑیں  
آخر کار انہوں نے خوف کے مارے اسے بیل گاڑی پر رکھ کر گاڑی کو ہانک  
دیا۔ غالباً اسی معاملے کی طرف قرآن ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے کہ اس  
وقت وہ صندوق فرشتوں کی حفاظت میں تھا کیونکہ وہ گاڑی بغیر کسی گاڑی  
بان کے ہانک دی گئی تھی اور اللہ کے حکم سے یہ فرشتوں ہی کا کام تھا کہ وہ  
اسے چلا کر بنی اسرائیل کی طرف لے آئے۔ رہا یہ ارشاد کہ اس صندوق میں  
تمہارے لئے سکون قلب کا سامان ہے تو بائبل کے بیان سے اس کی حقیقت  
یہ معلوم ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل اس کو بڑا متبرک اور اپنے لئے فتح و نصرت کا  
نشان سمجھتے تھے جب وہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا تو پوری قوم کی ہمت ٹوٹ  
گئی اور ہر اسرائیلی یہ خیال کرنے لگا کہ خدا کی رحمت ہم سے پھر گئی ہے اور  
اب ہمارے برے دن آگئے ہیں پس اس صندوق کا واپس آنا اس قوم کے  
لئے بڑی تقویت قلب کا موجب تھا اور یہ ایک ایسا ذریعہ تھا جس سے ان کی  
ٹوٹی ہوئی ہمتیں پھر بندھ سکتی تھیں۔“

### تشبیہ

۱۔ دیکھئے آپ تحریر کرتے ہیں کہ

”بائبل کا بیان اس باب میں قرآن سے کسی حد تک مختلف ہے“

غور طلب یہ ہے کہ جب کسی حد تک مختلف ہے تو اس سے قرآن کے اصل واقعہ کی تفصیلات پر روشنی ڈالنا کس طرح درست ہے؟ بلکہ اگر بائبل کا بیان بالکل ہی قرآن کے بیان سے مختلف نہ ہوتا تب بھی اس سے روشنی نہیں ڈالنی چاہئے کیونکہ بائبل میں خود ہی روشنی نہیں ہے۔ بائبل بھی ہوئی ہے اور جو چیز بھی ہو وہ دوسرے کو کیا روشنی پہنچا سکتی ہے؟ اندریں صورت اس سے صرف ”روشنی“ ہی نہیں بلکہ ”کافی روشنی“ جناب والا کو حاصل کرنا ہی فضول و بے معنی ہے اور بائبل کی حقانیت دلوں میں اتارنے کی کوشش ہے۔

۲۔ ”غالبا اسی معاملہ کی طرف قرآن ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے“۔

غور فرمائیے پہلے کی عبارت میں کافی روشنی ڈال رہے تھے اور تین ہی سطر کے بعد لفظ ”غالبا“ سے قیاس کر لیا اور پھر ڈھائی سطر کے بعد لکھتے ہیں کہ

۳۔ ”تو بائبل کے بیان سے اس کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے۔۔۔ الخ“

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس زیر بحث حاشیہ ۲۷ کی دس سطروں میں آپ نے بائبل کے بیان سے ”کافی روشنی“ بھی ڈال دی ”قیاس“ بھی کر لیا اور پھر اخیر میں ”حقیقت“ بھی معلوم ہو گئی سبحان اللہ! ماشاء اللہ! کیا کہنا آپ کی صلاحیت و استعداد کا؟ اور کیا کہنا جناب کی بائبل نہیں کا؟

## عبارت نمبر ۹

سُریانی روایت اور متی مرقس لوقا تینوں انجیلوں سے استدلال کیوں؟ یعنی وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا کی تفسیر سُریانی روایت کے مطابق کیوں؟

تفہیم القرآن ۳ ۱۷ الکھف ۱۸

حاشیہ ۱۸۔ ”سُریانی روایت کے مطابق اس زمانے میں وہاں قیامت اور عالم آخرت کے مسئلے پر زور شور کی بحث چھڑی ہوئی تھی۔ اگرچہ رومی سلطنت کے اثر سے عام لوگ مسیحیت قبول کر چکے تھے جس کے بنیادی عقائد میں

آخرت کا عقیدہ بھی شامل تھا۔ لیکن ابھی تک رومی شرک و بت پرستی اور یونانی فلسفے کے اثرات کافی طاقت ور تھے جن کی بدولت بہت سے لوگ آخرت سے انکار یا کم از کم اس کے ہونے میں شک کرتے تھے پھر اس شک و انکار کو سب سے زیادہ جو چیز تقویت پہنچا رہی تھی وہ یہ تھی کہ افسس میں یہودیوں کی بڑی آبادی تھی اور ان میں سے ایک فرقہ (جسے صدوقی کہا جاتا تھا) آخرت کا کھلم کھلا منکر تھا۔ یہ گروہ کتاب اللہ (یعنی توراۃ) سے آخرت کے انکار پر دلیل لاتا تھا اور مسیحی علماء کے پاس اس کے مقابلے میں مضبوط دلائل موجود نہ تھے۔ متی مرقس لوقا تینوں انجیلوں میں صدوقیوں اور مسیحی علماء کے اس مناظرے کا ذکر ہمیں ملتا ہے جو آخرت کے مسئلے پر ہوا تھا، مگر تینوں نے تین علیہ السلام کی طرف سے اس کا رد جواب نقل کیا ہے جس کی کمزوری کو خود علمائے مسیحیت بھی تسلیم کرتے ہیں (ملاحظہ ہو متی باب ۲۲۔ آیت ۲۳۔ ۲۴۔ مرقس باب ۱۲۔ آیت ۱۸۔ ۱۹۔ لوقا باب ۲۰۔ آیت ۲۷۔ ۲۸) اسی وجہ سے منکرین آخرت کا پہلا بھاری ہور ہاتھ اور مؤمنین آخرت بھی شک و تذبذب میں مبتلا ہوتے جا رہے تھے عین اس وقت اصحاب کہف کے بحث کا یہ واقعہ پیش آیا اور اس نے بحث بعد الموت کا ناقابل انکار ثبوت پہنچا دیا۔“

## تنبیہ

قارئین کرام! جناب مودودی صاحب کی ذکر کردہ ان تینوں انجیلوں کے متعلق مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ قابل رد ہیں واجب التسلیم نہیں۔ یہ تینوں انجیل صرف ترجمہ ہیں اور ترجمہ کی اسناد بھی عیسائی فرقوں کے پاس موجود نہیں۔ جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے کہ اس کی کمزوری کو خود علماء مسیحیت بھی تسلیم کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (بائبل سے قرآن تک ج ۱ ص ۳۵۶) واضح رہے کہ تفہیم ج ۵ ص ۳۶۷ پارہ ۲۸ سورہ صف میں بھی آپ نے چاروں انجیلوں پر عدم اعتماد کا اظہار کیا ہے لہذا ان کتابوں سے استدلال کرنا کس طرح درست ہوگا؟ اور ان کتابوں کی غیر مستند تواریح پر اعتماد کرنا کس طرح صحیح قرار دیا جائے گا؟ چہ جائیکہ ان کو قرآن کی تفسیر میں مستند حوالوں کے طور پر بیان کی جائیں۔

## تیرھواں باب

تفہیم القرآن میں بائبل سے  
(۱) تشریح (۲) وتصریح

کے بیان میں

عبارت نمبر ۹۸

بائبل میں قرآن کے بیان کردہ اس جھگڑے کی کچھ تشریح  
بھی بیان ہوئی ہے

تفہیم القرآن ۲

۳۵۵

۱۱۵

حاشیہ ۸۳۔ ”جھگڑے“ کا لفظ اس موقع پر اس انتہائی محبت اور ناز کے تعلق کو  
ظاہر کرتا ہے جو حضرت ابراہیم اپنے خدا کے ساتھ رکھتے تھے۔ اس لفظ سے  
یہ تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان بڑی  
دیرینک رد و کد جاری رہتی ہے بندہ اصرار کر رہا ہے کہ کسی طرح قوم کو ط پر سے  
عذاب نال دیا جائے خدا جواب میں کہہ رہا ہے کہ یہ قوم اب خیر سے بالکل  
خالی ہو چکی ہے اور اس کے جرائم اس حد سے گزر چکے ہیں کہ اس کے ساتھ  
کوئی رعایت کی جاسکے۔ مگر بندہ ہے کہ پھر یہی کہے جاتا ہے کہ ”پروردگار! اگر  
کچھ تھوڑی سی بھلائی بھی اس میں باقی ہو تو اسے اور ذرا مہلت دے دے  
شاید کہ وہ بھلائی میں پھل لے آئے۔“ بائبل میں اس جھگڑے کی کچھ تشریح  
بھی بیان ہوئی ہے لیکن قرآن کا مجمل بیان اپنے اندر اس سے زیادہ معنوی  
وسعت رکھتا ہے۔ (تقابل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب پیدائش باب ۱۸۔ آیت  
۳۲-۳۳)“

تنبیہ

عالیجاہ! جب قرآن کا مجمل بیان اپنے اندر اس سے زیادہ معنوی وسعت رکھتا  
ہے تو بائبل کی کتاب پیدائش سے تقابلی طور پر تشریح دکھلانے کی ضرورت ہی کیوں پیش  
آئی؟ علاوہ ازیں آیات قرآنی کی تشریح کے لئے جناب والا نے علماء سلف اصحاب تفسیر  
مستند مفسرین صحابہ کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ سے استشہاد و استناد  
کی ضرورت کیوں نہیں محسوس کی؟ جناب نے بائبل کی کتاب پیدائش سے جو تشریح بیان  
کی ہے اس سے کلام الہی (قرآن میں) تحریف کی راہ کھل جاتی ہے الامان الحفیظ۔



## عبارت نمبر ۹۹

يَفْقَهُوا قَوْلِي کی تشریح بائبل کی کتاب خروج و تلمود سے

تفہیم القرآن ۳

۹۲

ط

حاشیہ ۱۵۔ "بائبل میں اس کی جو تشریح بیان ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے عرض کیا "اے خداوند میں صبح نہیں ہوں۔ نہ پہلے ہی تھا اور نہ جب سے تو نے اپنے بندے سے کلام کیا۔ بلکہ ڈک ڈک کر بولتا ہوں اور میری زبان کند ہے۔" (خروج ۴-۱۰) مگر تلمود میں اس کا ایک لمبا چوڑا قصہ بیان ہوا اس میں یہ ذکر ہے کہ بچپن میں جب حضرت موسیٰ فرعون کے گھر پرورش پا رہے تھے ایک روز انہوں نے فرعون کے سر کا تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ اس بچے نے یہ کام بالا ارادہ کیا ہے یا یہ شخص مطلقاً عقل ہے۔ آخر کار یہ تجویز کیا گیا کہ بچے کے سامنے سونا اور آگ دونوں ساتھ رکھے جائیں۔ چنانچہ دونوں چیزیں لاکر سامنے رکھی گئیں اور حضرت موسیٰ نے اٹھا کر آگ منہ میں رکھ لی۔ اس طرح ان کی جان توفیق ہو گئی مگر زبان میں ہمیشہ کے لئے لکنت پڑ گئی۔ یہی قصہ اسرائیلی روایات سے منقول ہو کر ہمارے ہاں کی تفسیروں میں بھی رواج پا گیا لیکن عقل اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔"

تنبیہ

قارئین کرام! سوال یہ ہے کہ جناب نے اس قصے کو اپنی تفہیم میں کیوں جگہ دیا؟ آپ کو تو تفسیروں میں اسرائیلی روایات کی بنیاد پر ان رواج پانے والے قصوں پر ہی واصلی اور فنی لحاظ سے ان کی سندوں پر بھرپور تنقید کرنی چاہئے۔ مگر آجناب نے قید کی بھی تو محض اپنی عقل کی بنیاد پر سند کی بنیاد پر نہیں۔ تحریر کرتے ہیں "لیکن عقل اسے ماننے سے انکار کرتی ہے"

ذ تلمود کی روایت ہے جناب! لیکن صرف حضرات مفسرین کی نقل کر دینے کی وجہ سے آپ کی عقل سے باہر ہو گئی معلوم ہوا کہ آپ کسی بات کو ماننے کے لئے عقل کو معیار

بناتے ہیں یعنی جو بات آپ کی عقل شریف میں آئے گی اسے مانیں گے اور جو نہیں آئے گی اسے صاف انکار کر دیں گے تو بتلائیے کہ آخرت کی جتنی باتیں ہیں وہ بھی آپ کی عقل میں آتی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ وہ سب کی سب عقل کے خلاف ہیں اور دنیا کے مسلمان ان باتوں کو مانتے ہیں وہ اپنی اپنی عقل کی بنیاد پر نہیں۔ بلکہ اقامہ کائنات مکی و مدنی خاتم الرسل سید البشر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں کی بنیاد پر جو سند متصل سے مسلمانوں تک پہنچی ہیں مگر آجناب کو تو محدثین کی سند ہی پر اعتبار نہیں ہے بلکہ آپ کے نزدیک کسی بھی بات کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھا جائے۔ (نعوذ باللہ من شرور انفسنا) بقیہ اس حاشیہ ۱۵ کی تحریرات و مضامین پر راقم الحروف ماقبل میں تفصیلی کلام کر کے عبارات کی غباوت و غواہیت کو ظاہر کر چکا ہے کہ یہاں جناب مودودی صاحب نے فرقہ قرامطہ کا لباس زیب تن کر کے بات کی صحت کے لئے اپنی عقل کو معیار قرار دیا ہے۔ بدیں عقل و دانش بیا بد گریست

## عبارت نمبر ۱۰۰

بائبل کی کتاب خروج ویشوع سے من و سلویٰ کی تفصیل

اور مزید تشریح گنتی سے

تفہیم القرآن ۳

۱۱۱

ط

حاشیہ ۵۹۔ "من و سلویٰ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن البقرة حاشیہ ۷۳۔ الامراف حاشیہ ۱۱۹ بائبل کا بیان ہے کہ مصر سے نکلنے کے بعد جب بنی اسرائیل دشت سین میں اطمینان اور سینا کے درمیان گزر رہے تھے اور خوراک کے ذخیرے ختم ہو کر قاتوں کی نوبت آ گئی تھی اس وقت من و سلویٰ کا نزول شروع ہوا اور فلسطین کے آباد علاقے میں پہنچنے تک پورے چالیس سال یہ سلسلہ جاری رہا (خروج باب ۱۶۔ گنتی باب ۱۱ آیت ۷۔ ۹ ویشوع باب ۵ آیت ۱۲) کتاب خروج میں من و سلویٰ کی یہ کیفیت بیان کی گئی ہے:

اور یوں ہوا کہ شام کو اتنی بنیریں آئیں کہ ان کی خیرہ گاہ کو ڈھانک لیا۔ اور صبح کو خیرہ گاہ کے آس پاس اوس پرپی ہوئی تھی اور جب وہ اوس جو پرپی تھی سوکھ گئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیابان میں ایک چھوٹی چھوٹی گول گول چیز ایسی چھوٹی جیسے پالے کے دانے ہوتے ہیں زمین پر پرپی ہے۔ بنی اسرائیل اسے دیکھ کر آپس میں کہنے لگے من؟ کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا ہے“ (باب ۱۶- آیت ۱۳-۱۵)

اور بنی اسرائیل نے اس کا نام من رکھا اور وہ دھننے کی بیج کی طرح سفید اور اس کا مزہ شہد کے بنے ہوئے پونے کی طرح تھا“ (آیت ۳۱) کتنی میں اس کی مزید تشریح ملتی ہے:-

تشبیہ

اب جناب والا یہ فرمائیں کہ بائبل اور اسرائیلی روایات سے منتقل ہو کر یہ قصے آپ کی تفہیم میں کیوں آگئے؟ کیا آپ کی عقل ان قصوں کو ماننے کے لئے تیار ہے؟

## عبارت نمبر ۱۰۱

بائبل کی کتاب احبار کے ایک قاعدہ پر بھی اعتماد

تفہیم القرآن ۳ ۱۲۰ ط

حاشیہ ۷۷:- ”یعنی صرف یہی نہیں کہ زندگی بھر کے لئے معاشرے سے اس کے تعلقات توڑ دیے گئے اور اسے اچھوت بنا کر رکھ دیا گیا بلکہ یہ ذمہ داری بھی اسی پر ڈالی گئی کہ ہر شخص کو وہ خود اپنے اچھوت پن سے آگاہ کرے اور دوری سے لوگوں کو مطلع کرنا رہے کہ میں اچھوت ہوں مجھے ہاتھ نہ لگانا (۱) بائبل کی کتاب احبار میں کوڑھیوں کی اچھوت سے لوگوں کو بچانے کے لئے جو قواعد بیان کئے گئے ہیں ان میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ:

”اور جو کوڑھی اس بلا میں مبتلا ہوا اس کے کپڑے بچنے اور اس کے سر کے بال بکھرے رہیں اور وہ اپنے اوپر کے ہونٹ کو ڈھانکے اور چلا چلا کر کہے ناپاک ناپاک جتنے دنوں تک وہ اس بلا میں مبتلا رہے وہ ناپاک رہے گا اور وہ ہے بھی ناپاک پس وہ اکیلا رہے اس کا مکان لشکر گاہ کے باہر ہو۔“

## عبارت نمبر ۱۰۲

۱۔ بائبل اور غیر مستند اسرائیلی تواریخ سے آیات کے معنی پر روشنی

تفہیم القرآن ۳ ۱۷۵ ۱۷۵

حاشیہ ۷۷:- ”سورہ سبا میں مزید تفصیل یہ ہے: وَاللّٰهُ الَّذِيْزِدُكَ رِزْقًا ۚ وَهُوَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (اور اس سببیت و تقویت فی السوء اور ہم نے لوہے کو اس کے لئے نرم کر دیا) (اور اس کو ہدایت کی) پوری پوری زر ہیں بنا اور ٹھیک اندازے سے کڑیاں جوڑ“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو لوہے کے استعمال پر قدرت عطا کی تھی اور خاص طور پر جنگی اغراض کے لئے زرہ سازی کا طریقہ سکھایا تھا موجودہ زمانے کی تاریخی و اثری تحقیقات سے آیات کے معنی پر جو روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں لوہے کے استعمال کا دور (Ironage) ۱۲۰۰ اور ۱۱۰۰ ق م کے درمیان شروع ہوا ہے اور یہی حضرت داؤد کا زمانہ ہے۔ اول اول شام، ایشیائے کوچک کی کچھ قوم (Hittites) کو جس کے عروج کا زمانہ ۱۲۰۰ ق م سے ۱۱۰۰ ق م تک رہا ہے لوہے کے پگھلانے اور تیار کرنے کا ایک پیچیدہ طریقہ معلوم ہوا اور وہ شدت کے ساتھ اس کو دنیا بھر سے راز میں رکھے رہی۔ مگر اس طریقے سے جو لوہا تیار ہوتا تھا وہ سونے جابندی کی طرح انسانی بنی ہوتا تھا کہ عام استعمال میں نہ آسکتا تھا بعد میں فلسطین نے یہ طریقہ معلوم کر لیا اور وہ بھی اسے راز ہی میں رکھتے رہے۔ طاوت کی بادشاہی سے پہلے جنوں اور فلسطینوں نے بنی اسرائیل کو یہیم شکستیں دے کر جس طرح فلسطین سے تقریباً بے دخل کر دیا تھا بائبل کے بیان کے مطابق اس کے وجہ میں سے ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ یہ لوگ لوہے کی تحمیل استعمال کرتے تھے اور ان کے پاس دوسرے آہنی ہتھیار بھی تھے (یشوع باب ۱۷- آیت ۱۶ اتفاقاً باب ۱- آیت ۱۹- باب ۳- آیت ۲-۳) ۱۲۰۰ ق م میں جب طاوت خدا کے حکم سے بنی اسرائیل کا فرمانروا ہوا تو اس نے یہیم شکستیں دے کر ان لوگوں سے فلسطین کا برا حصہ واپس لے لیا اور پھر

حضرت داؤد (۹۶۵ ق م) نے نہ صرف فلسطین و شرق اردن بلکہ شام کے بھی بڑے حصے پر اسرائیلی سلطنت قائم کر دی۔ اس زمانہ میں آہن سازی کے ایسے طریقے بھی نکل آئے جن سے عام استعمال کے لئے لوہے کی سستی چیزیں تیار ہونے لگیں۔ فلسطین کے جنوب میں اڈوم کا علاقہ خام لوہے (Ironore) کی دولت سے مالا مال ہے۔

### تنبیہ

۲۔ ”موجودہ زمانے کی تاریخی و اثری تحقیقات سے ان آیات کے معنی پر جو روشنی پڑتی ہے۔“

چونکہ جناب مودودی صاحب کے نزدیک مختلف مفسرین کی تحقیقات موجودہ زمانے کے لحاظ سے فرسودہ ہو چکی ہیں اس لئے ان کو ترک کر کے آپ نے اپنی جدید تحقیقات کا ثبوت پیش کیا ہے تاکہ جدید محققین میں آنجناب کو سرفہرست ایک نمایاں مقام دیا جائے واضح رہے کہ یہ جدید تحقیق کے نام پر بائبل کی کتاب یسوع سے سارا بیان ماخوذ ہے۔

۳۔ ”بلکہ شام کے بھی بڑے حصے پر اسرائیلی سلطنت قائم کر دی“

لگے ہاتھوں اس عبارت سے آنجناب نے اپنی مخصوص ذہنیت کے زعم پر ”حکومت و اقتدار“ کی ذہن سازی بھی کی ہے۔ جو درحقیقت اقتدار کی بھول بھلیاں میں خدا شناسی کی قطعاً نہیں بلکہ خود فراموشی کی ایک عظیم ترجمانی ہے اور خدائی حکومت کے نام پر اپنی حکومت کا نقشہ تیار کرتا ہے۔

محض اسی وجہ سے آنجناب نے اس جگہ بائبل کے بیان کو تحریر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنجناب کی مخصوص ذہنیت کی تائید ہونی چاہئے خواہ بائبل سے ہو یا کسی اور دیگر موجودہ زمانے کی تاریخی و اثری تحقیقات سے ہو (نعوذ باللہ من شرور انفسنا) اور ٹھٹھ یہ ہے کہ بائبل کے بیان ہی کو آنجناب ”جدید تاریخ و اثری تحقیقات“ سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ آئندہ بھی قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے۔

### عبارت نمبر ۱۰۳

بائبل و جدید تحقیقات و آثار قدیمہ کے ماہرین کے اندازہ سے مضامین قرآن پر روشنی

الانبیاء

۱۷۶

تفہیم القرآن ۳

حاشیہ ۷۳۔ ”بائبل اور جدید تاریخی تحقیقات سے اس مضمون پر جو روشنی پڑتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے اپنے دور سلطنت میں بہت بڑے پیمانے پر بحری تجارت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ ایک طرف حبشہ و یمن سے ان کے تجارتی جہاز بحر احمر میں یمن اور دوسرے جنوبی و مشرقی ممالک کی طرف جاتے تھے اور دوسری طرف بحر روم کے بندرگاہوں سے ان کا بیڑہ (جسے بائبل میں ترسیسی بیڑہ کہا گیا ہے) مغربی ممالک کی طرف جایا کرتا تھا حبشہ و یمن سے ان کے زمانے کی جو عظیم الشان بجلی ملی ہے اس کے مقابلے کی کوئی بجلی مغربی ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں ابھی تک نہیں ملی۔ آثار قدیمہ کے ماہرین کا اندازہ ہے کہ یہاں اڈوم کے علاقہ مغربہ کی کانوں سے خام لوہا اور تانبہ لایا جاتا تھا اور اس بجلی میں پگھلا کر اسے دوسرے کانوں کے علاوہ جہاز سازی میں بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اس سے قرآن مجید کی اس آیت کے مفہوم پر روشنی پڑتی ہے جو سورہ سبأ میں حضرت سلیمان کے متعلق آئی ہے کہ وَأَسْلَفْنَا لَهُ عَيْنَ الْبَقَرِ وَأَوْهَمْنَا فِيهِ الْغُلَامَ الْأَمْرَ“

### تنبیہ

اس حاشیہ ۷۳ میں لکھا گیا ہے کہ

”تاہم اگر ہوا پر حضرت سلیمان کو حکم چلائے گا بھی کوئی اقتدار دیا گیا ہو جیسا کہ تجویر ہاموہ (اس کے حکم سے چلتی تھی) کے ظاہر الفاظ سے مترشح ہوتا ہے تو یہ اللہ کی قدرت سے بعید نہیں وہ اپنی مملکت کا آپ مالک ہے اپنے جس بندہ کو جو اختیارات چاہے دے سکتا ہے جب وہ خود کسی





ہو جاتی ہے کہ حضرت نوح کی قوم اس سرزمین میں رہتی تھی جس کو آج ہم عراق کے نام سے جانتے ہیں۔ بائبل کے آثار قدیمہ میں بائبل سے قدیم تر جو کائنات ملے ہیں ان سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ان میں تقریباً اسی قسم کا ایک حصہ مذکور ہے جس کا ذکر قرآن اور تورات میں بیان ہوا ہے اور اس کی جائے وقوع مومل کے نواح میں بتائی گئی ہے۔

### تنبیہ

۱۔ اس حاشیہ ۴۰ میں جناب والا نے دو باتیں بتلائی ہیں پہلی یہ کہ قرآن کے اشارہ کی صراحت بائبل میں آپ کو ملی جس کی بنیاد پر آپ کے نزدیک بات متحقق ہو جاتی ہے۔  
۲۔ دوسری بات یہ کہ بائبل کے آثار قدیمہ اور قرآن و تورات کو ایک ہی صف میں آپ نے لا کھڑا کیا ہے جیسا کہ تحریر ہے کہ

”ان میں (بائبل کے آثار قدیمہ میں) تقریباً اسی قسم کا ایک قصہ مذکور ہے جس کا ذکر قرآن اور تورات میں بیان ہوا ہے“

سوال یہ ہے کہ جب قرآن نے (حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کس سرزمین میں رہتی تھی) اس کی کوئی تفصیل و تعین نہیں کی تو جناب ان مشکوک و مشتبہ آثار و روایات سے عراق کی تصدیق کیوں کی؟ پھر اس حاشیہ ۴۰ پر مکمل نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ جناب والا کو صرف حضرات محدثین کرام کی روایات پر اعتماد نہیں ہے ان کے علاوہ دنیا کی تمام روایات پر جناب کو اعتماد ہے اور ان سے استدلال بھی کرتے ہیں۔

۳۔ ”پھر جو روایات (۱) کردستان اور (۲) آرمینہ میں قدیم ترین زمانے سے نسل بعد نسل چلی آ رہی ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے۔“

۴۔ ”پھر ص ۴۱ پر ہے ”حضرت نوح کے اس قصے سے ملتی جلتی روایات (۳) یونان، (۴) مصر، (۵) ہندوستان اور (۶) چین کے قدیم لٹریچر میں بھی ملتی ہیں۔“

۵۔ اور اس کے علاوہ (۷) برما، (۸) ملایا، (۹) جزائر (۱۰) شرق الہند، (۱۱) آسٹریلیا (۱۲) نیوگنی اور (۱۳) امریکہ و (۱۴) یورپ کے مختلف حصوں میں بھی ایسی ہی روایات قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہیں۔ الخ۔

سوال غور طلب یہ ہے کہ حضرات محدثین کی روایات کی طرح آپ نے ان چودہ روایات پر بھی تنقید و بے اعتمادی کیوں نہیں کی؟

یہ چودہ روایات آپ کی عقل صریح کے خلاف کیوں نہیں ہوئیں؟ کیا ان روایات کے اسناد و متون ہیں؟ ان کے اسناد و متون پر آپ نے غور کیوں نہیں کیا؟ یہ روایات کس طرح آپ کے نزدیک مفید یقین ثابت ہوئیں؟ ان سے کن بنیادوں پر آغیاب نے استدلال کیا؟ ان کے متعلق آپ کی بصیرت اور ذوق تحقیق کہاں گئی؟ خلاصہ یہ ہے کہ ان بے سند روایات پر اعتماد کرنے کا پس منظر میں آپ کا کون سا راز مخفی ہے؟ ہم ضرور معلوم کرنا چاہیں گے؟

### عبارت نمبر ۱۰۸

۱۔ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْاَلْوَا حِ كِتَابًا مِّنْ قَبْلِ هٰذَا

تفہیم القرآن ۲ ۷۸ الاعراف ۷

حاشیہ ۱۰۸۔ ”بائبل میں تصریح ہے کہ یہ دونوں تختیاں پتھر کی سلیس تھیں اور ان تختیوں پر لکھے کا فہل بائبل اور قرآن دونوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ہمارے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں جس سے ہم اس بات کا تعین کر سکیں کہ آما ان تختیوں پر کتابت کا کام اللہ تعالیٰ نے براہ راست اپنی قدرت سے کیا تھا یا کسی فرشتے سے یہ خدمت لی تھی یا خود حضرت موسیٰ کا ہاتھ استعمال فرمایا تھا (تقابل کے ملاحظہ ہو بائبل کتاب خروج باب ۳۱ آیت ۱۸۔ باب ۳۲ آیت ۱۵۔ ۱۶ اور اسٹنا ماہ ۵۔ آیت ۶۔ ۲۲)۔“

### تنبیہ

۲۔ ”ہمارے پاس کوئی ذریعہ ایسا نہیں جس سے ہم اس بات کا تعین کر سکیں“

تو کیا جناب والا! احادیث شریفہ بھی ان ذریعہ میں نہیں جن سے آپ کسی بات کا تعین کر سکیں؟ چونکہ بات کی تعین آپ کے نزدیک بائبل ہی سے ہو سکتی ہے اسی لئے آگے تحریر کرتے ہیں کہ

”تقابل کے ملاحظہ ہو بائبل کتاب خروج باب ۳۱ آیت ۱۸۔ باب ۳۲ آیت ۱۵۔ ۱۶ اور استثنا باب ۵ آیت ۶۔ ۲۲۔“

### عبارت نمبر ۱۰۹

نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ کی تفصیلات میں بائبل کی کتاب سموئیل کی تصریحات سے بات کی وضاحت

تفہیم القرآن ۱۸۷ البقرہ

حاشیہ ۲۶۸۔ ”کتاب سموئیل کی ان تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بادشاہت کے قیام کا یہ مطالبہ اللہ اور اس کے نبی کو پسند نہ تھا اب رہا یہ سوال کہ قرآن مجید میں اس مقام پر سرداران بنی اسرائیل کے اس مطالبے کی مذمت کیوں نہیں کی گئی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس قصے کا ذکر جس غرض کے لئے کیا ہے اس سے یہ مسئلہ غیر متعلق ہے کہ ان کا مطالبہ صحیح تھا یا نہ تھا۔ یہاں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ بنی اسرائیل کس قدر بزدل ہو گئے تھے اور ان میں کس قدر نفسانیت آگئی تھی اور ان کے اندر اخلاقی انضباط کی کمی تھی جس کے سبب سے آخر کار وہ گر گئے۔ اور اس ذکر کی غرض یہ ہے کہ مسلمان اس سے عبرت حاصل کریں اور اپنے اندر یہ کمزوریاں پرورش نہ کریں۔“

### تنبیہ

سفر سموئیل اول اور سفر سموئیل ثانی یہ دو الگ الگ کتاب ہیں ان دونوں میں اور کتاب تواریخ اول کے درمیان شدید اختلافات ہیں (ملاحظہ کیجئے بائبل سے قرآن تک ج اول ص ۳۸۰)

معلوم نہیں کہ ان اختلافات کی کتاب سے کس طرح جناب سید مودودی مرحوم نے آیات قرآنیہ کی تصریحات و توضیحات کی ہیں؟ اور کس طرح آپ نے ان محرف کتابوں کو قابل اعتماد و قابل استناد سمجھا؟

بدیں عقل و دانش بیاید گریست

### عبارت نمبر ۱۱۰

آپ نے قرآن کی صاف تصریح کے برعکس بائبل کا بیان کیوں نقل کیا؟

تفہیم القرآن ۳ ۱۳۲ طہ

حاشیہ ۹۹۔ ”میں قرآن صاف تصریح کرتا ہوں کہ آدم حوا میں سے اصل وہ شخص جس کو شیطان نے دوسے میں ڈالا آدم علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت حوا۔ اگرچہ سورہ اعراف کے بیان کے مطابق مخاطب دونوں ہی تھے اور بہکانے میں دونوں ہی آئے لیکن شیطان کی دوسرا اندازی کا رخ دراصل حضرت آدم ہی کی طرف تھا۔ اس کے برعکس بائبل کا بیان یہ ہے کہ سانپ نے پہلے عورت سے بات کی اور پھر عورت نے اپنے شوہر کو بہکا کر درخت کا پھل اسے کھلایا (پیدائش باب ۳)“

### عبارت نمبر ۱۱۱

آپ کو روایات بنی اسرائیل کی صراحت پر اعتماد ہے

تفہیم القرآن ۳ ۵۶۲ التمل ۲۷

حاشیہ ۲۱۔ ”بائبل اس ذکر سے خالی ہے کہ حضرت سلیمان کو پرندوں اور جانوروں کی بولیوں کا علم دیا گیا تھا لیکن بنی اسرائیل کی روایات میں اس کی صراحت موجود ہے (جیوش انسائیکلو پیڈیا۔ جلد ۱۱ ص ۴۳۹)“

### تنبیہ

غور طلب یہ کہ بلاچوں و چرا آغجاب جس طرح بنی اسرائیل کی صراحت پر اعتماد کرتے ہیں اسی طرح حضرات محدثین کی بیان کردہ روایات کی صراحت پر اعتماد کیوں نہیں کرتے؟



## چودھواں باب

تفہیم القرآن

میں بائبل سے

(۱)۔ توضیح و (۲)۔ تائید

(۳)۔ تصدیق

عبارت نمبر ۱۱۲

۱۔ آپ پر تینوں کتابوں (بائبل و تلمود و قرآن) کا  
متقابل مطالعہ کرنے سے بات واضح ہوئی ہے  
۲۔ تفہیم القرآن میں دوڑ خا پہلو کیوں؟

یوسف ۱۲

۴۳۴

تفہیم القرآن ۲

حاشیہ ۱۔ "حضرت یوسفؑ کی اس قیمتی تقریر نے بھی بائبل اور تلمود میں کوئی  
جگہ نہیں پائی ہے۔ حیرت یہ ہے کہ یہ کتابیں قصوں کی غیر ضروری تفصیلات  
سے تو بھری پڑی ہیں مگر جو چیزیں کوئی اخلاقی قدر و قیمت رکھتی ہیں اور جن  
سے انبیاء کی اصلی تعلیم اور ان کے حقیقی مشن اور ان کی سیرتوں کے سبق آموز  
پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ان سے ان کتابوں کا دامن خالی ہے۔  
یہاں یہ قصہ ختم ہو رہا ہے اس لئے ناظرین کو پھر اس حقیقت پر متنبہ کر دینا  
ضروری ہے کہ قصہ یوسف علیہ السلام کے متعلق قرآن کی یہ روایت اپنی جگہ  
ایک مستقل روایت ہے بائبل یا تلمود کا چر بہ نہیں ہے تینوں کتابوں کا متقابل  
مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قصے کے متعدد اہم اجزاء میں  
قرآن کی روایت ان دونوں سے مختلف ہے۔ بعض جہز میں قرآن ان سے  
زائد بیان کرتا ہے، بعض ان سے کم اور بعض میں ان کی تردید کرتا ہے۔ لہذا  
کسی کے لئے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قصہ سنا  
وہی اسرائیل سے سن لیا ہوگا۔"

تنبیہ

۱۔ "حضرت یوسفؑ کی اس قیمتی تقریر نے بھی بائبل اور تلمود میں کوئی جگہ نہیں  
پائی ہے۔"

ورنہ تو ایسا کہی ہو نہیں سکتا تھا کہ جناب تفہیم میں اس کو جگہ نہ دیتے؟  
۲۔ "حیرت یہ ہے کہ یہ کتابیں قصوں کی غیر ضروری تفصیلات سے تو بھری

پڑی ہیں مگر جو چیزیں کوئی اخلاقی قدر و قیمت رکھتی ہیں اور جن سے انبیاء کی اصلی تعلیم اور ان کے حقیقی مشن اور ان کی سیرتوں کے سبق آموز پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے ان سے ان کتابوں کا دامن خالی ہے۔

قارئین کرام! بائبل ہی کی ان کتابوں کے بارے میں جناب سید مودودی کی دوسری عبارات و تحریرات بھی ملاحظہ کر لیجئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ جناب والا کے ایک قلم سے اگر ”بائبل کی تنقید“ ہے تو ساتھ ہی اسی تفہیم میں اسی قلم سے ”بائبل کی تعریف“ کی بھی بھرمار ہے جس کو دیکھ کر نگاہیں محو حیرت و استعجاب رہتی ہیں کہ کیا واقعہ یہ دونوں قسم کی تحریریں ایک ہی شخص کے قلم سے نکل کر صفحہ قرطاس میں آئی ہیں؟

تفہیم ج ۳ ص ۱۱۰ حاشیہ ۵۵ سورہ طہ میں ہے  
بائبل میں بہت سی مفید معلومات اور قرآن کے اجمال کی تفصیلات بھی ہمیں ملتی ہیں اور ان کے ساتھ متعدد عجیب باتیں بھی۔

تفہیم ج ۳ ص ۱۸۲ حاشیہ... سورہ انبیاء میں ہے  
”بائبل کا صحیفہ حزقی ایل ان صحیفوں میں سے ہے جنہیں پڑھ کر واقعی یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ الہامی کلام ہے“

آج کوئی شخص (بائبل کی کتابوں کے) ان بکھرے ہوئے اجزاء کو مرتب کر کے قرآن سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھے تو وہ دونوں میں بہت ہی کم فرق پائے گا اور جو تھوڑا بہت فرق محسوس ہو گا وہ بھی غیر متعجبانہ غور و تامل کے بعد آسانی سے حل کیا جاسکے گا۔

”مجھے آکسفورڈ سے شائع شدہ انگریزی ترجمے کی ایک فوٹو اسٹیٹ کاپی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں نے اسے (انجیل کو) لفظ بلفظ پڑھا ہے۔ میرا حساس یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے۔“

تفہیم ج ۵ ص ۲۶۹ سورہ صف حاشیہ ۸ میں ہے

آخرت، قیامت، جنت و دوزخ کے متعلق ان کی تعلیمات قریب قریب وہی ہیں جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں۔

قارئین کرام! استیعاب مقصود نہیں بطور نمونہ یہ ۵ عبارات کافی ہیں کہ زیر بحث تفہیم ج ۲ ص ۴۳۴ حاشیہ ۱ کی عبارت میں جو آپ نے بائبل کی تنقید و تنقیص کی ہے ان

عبارات خمسہ کے بعد اس کی کیا حیثیت و وقعت رہ جاتی ہے؟ بتلایا جائے کہ کہیں بائبل کی تعریف اور کہیں بائبل کی تنقید و تنقیص کے دوڑ خاپیلو سے آپ کا کیا مقصد ہے؟ آپ کی ”(۱) تعریف بائبل“ اور ”(۲) تنقیص بائبل“ دونوں میں کس پر اعتماد کیا جائے اور کس کو صحیح مانی جائے؟

۳۔ ”تینوں کتابوں (بائبل و تلمود اور قرآن) کا متقابل مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ...“

صاف پتہ چل گیا کہ تفہیم لکھتے وقت بات کی وضاحت کے لئے آنجناب نے بائبل و تلمود کو بھی سامنے رکھ کر مطالعہ کیا ہے جیسا کہ تفہیم ج ۲ ص ۴۳۲ حاشیہ ۷ یوسف اور تفہیم ج ۵ ص ۱۲۵ حاشیہ ۵۰ تفہیم ج ۵ ص ۴۸۶ حاشیہ ۲ جہ میں بھی اس کا ثبوت ہے۔

### عبارت نمبر ۱۱۳

مختلف انجیلوں میں بکھرے ہوئے مضامین سے سیرت پاک کا نقشہ اور قرآن پاک کے مختصر اشارات کی توضیح

تفہیم القرآن ۳ ۶۱ مریم ۱۹  
۱۲۔ ”حضرت عیسیٰ کے جو حالات مختلف انجیلوں میں بکھرے ہوئے ہیں انہیں جمع کر کے ہم یہاں ان کی سیرت پاک کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں جس سے سورہ آل عمران اور اس سورے کے مختصر اشارات کی توضیح ہوگی۔“

### عبارت نمبر ۱۱۴

قرآن کے بیان کردہ قصہ کو بائبل کی کتاب پیدائش اور تلمود سے مقابلہ کرنے کی ترغیب کیوں؟

تفہیم القرآن ۱ ۶۹ البقرہ ۲

”بائبل کی کتاب پیدائش باب اول دوم و سوم میں بھی یہ قصہ بیان ہوا ہے لیکن دونوں کا مقابلہ کرنے سے ہر صاحب نظر انسان محسوس کر سکتا ہے کہ

دونوں کتابوں میں کیا فرق ہے۔ آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت اللہ اور فرشتوں کی گفتگو کا ذکر تلمود میں بھی آیا ہے۔

تنبیہ

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے ان عبارات میں اوسط درجہ کے تعلیم یافتہ حضرات کو دعوت و ترغیب دی ہے کہ وہ بھی جناب والا کی طرح قرآن پاک میں رائے زنی کریں۔ نیا حسرتاہ! ورنہ بتلایا جائے کہ يُخْرِقُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ کی صراحت کے بعد دونوں کتابوں کا فرق معلوم کرنے کی اب کیا ضرورت باقی رہ گئی ہے جب قرآن کی صراحت کے باوجود فرق معلوم نہیں ہو سکا تو کیا قرآن اور بائبل کا مقابلہ کرنے ہی سے ہر صاحب نظر انسان محسوس کرے گا کہ دونوں کتابوں میں کیا فرق ہے؟ کیا اسی تقابلی کا نام روبرو قرآن ہے؟ العیاذ باللہ!

عبارت نمبر ۱۱۵

اَقْدِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاَقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ كِي تَأْسِدَ بَابِلَ وَتَلْمُودَ

۲۔ "اس حد تک دونوں کتابوں کا بیان قرآن کے مطابق ہے"

غور طلب یہ ہے کہ جناب والا نے تو اپنی بصیرت و فراست کی بنیاد پر دونوں کتابوں (بائبل اور قرآن) کے درمیان "حد بندی" کر دی مگر جن کے لئے تنبیہ لکھی گئی ہے وہ ان دونوں کتابوں میں کس طرح "حد بندی" کر سکتے ہیں؟ کیونکہ بقول آنجناب کے وہ مخصوص طبقہ تو بے چارہ اچھی طرح عربی زبان سے بھی واقف نہیں۔

۳۔ "دریا میں ڈالنے کی کیفیت بھی انہوں نے وہی بتائی ہے جو قرآن میں بتائی گئی ہے"

لہذا نتیجہ یہی نکلا کہ یہ دونوں کتابیں بائبل و قرآن ایک ہی ہیں بجان اللہ۔

عبارت نمبر ۱۱۶

وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِينَ (سورہ قصص آیت ۲۴) اور سورہ اعراف (آیت ۵۵) کا ذکر بائبل کی کتاب خروج باب ۲۴ میں آنجناب کو ملا

تفہیم القرآن ۳ ۲۴۰ القصص ۲۸

حاشیہ ۶۱۔ "یعنی بنی اسرائیل کے ان سر نمائندوں میں جن کو شریعت کی پابندی کا عہد لینے کے لئے حضرت موسیٰ کے ساتھ بلایا گیا تھا۔ (سورہ اعراف آیت ۱۵۵) میں ان نمائندوں کے بلائے جانے کا ذکر گزر چکا ہے اور بائبل کی کتاب خروج باب ۲۴ میں اس کا ذکر موجود ہے۔"

عبارت نمبر ۱۱۷

بَابِلَ كِي بَيَانُ كِي مُطَابِقُ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ كِي تَفْصِيلُ

تفہیم القرآن ۳ ۲۹۵ الفصحت ۳۷

حاشیہ ۵۷۔ "اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ دعا کرتے ہی یہ بشارت دے دی گئی۔ قرآن مجید ہی میں ایک دوسرے مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ "شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے" (سورہ ابراہیم آیت ۳۹) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور اس بشارت کے درمیان سا لہا سال کا فاصلہ تھا۔ بائبل کا بیان ہے کہ حضرت اسماعیل کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ برس کی تھی (پیدائش ۱۶: ۱۶) اور حضرت اسحاق کی پیدائش کے وقت سورس کی (۵: ۳۱)۔"



## عبارت نمبر ۱۱۸

- ۱۔ بائبل کے مجموعہ کتب مقدسہ میں قرآن پاک کی یہ تنبیہات آپ کو مختلف مقامات پر ملتی ہیں
- ۲۔ بائبل سے قرآن پاک کی تصدیق؟ سبحان اللہ!

تفہیم القرآن ۲ ۵۸۶ بنی اسرائیل

حاشیہ ۶۔ "بائبل کے مجموعہ کتب مقدسہ میں یہ تنبیہات مختلف مقامات پر ملتی ہیں۔ پہلے فساد اور اس کے برے نتائج پر بنی اسرائیل کو بوز معیادہ برسیا اور حزقی ایل میں متنبہ کیا گیا ہے اور دوسرے فساد اور اس کی سخت سزا کی پیش گوئی حضرت مسیحؑ نے کی ہے جو مسیحی اور لوطا کی انجیلوں میں موجود ہے۔ ذیل میں ہم ان کتابوں کی متعلقہ عبارتیں نقل کرتے ہیں تاکہ قرآن کے اس بیان کی پوری تصدیق ہو جائے۔"

### تنبیہ

۲۔ "ذیل میں ہم ان کتابوں کی متعلقہ عبارتیں نقل کرتے ہیں تاکہ قرآن کے اس بیان کی پوری تصدیق ہو جائے۔"

دیکھئے! آپ نے اپنی اس واضح تحریر میں صاف صاف بتلادیا کہ تفہیم میں بائبل کی کتابیں (زبور، معیادہ برسیا، اور حزقی ایل کی عبارتوں کو) کیوں پیش کرتے ہیں؟ تاکہ ان سے قرآن کے بیانات کی پوری تصدیق ہو جائے الامان الحفیظ عالجبا! آپ کا یہ طریقہ ہی غلط اور بالکل الٹا ہے آپ کو قرآن کے بیانات سے اور قرآنی آیات سے بائبل وغیرہ کی تصدیق کرنی چاہئے۔

قرآن کا بیان تو بہر حال سچا اور مصدق ہے قرآن کے بیان کی تصدیق کے لئے بائبل کی ان محرف کتابوں کی عبارات نقل کرنا یہ حکم قرآن کے خلاف ہے۔ جیسا کہ بائبل میں اِنْ هَذَا الْقُرْآنُ بِقُصْرٍ عَلَىٰ نَبِيِّ اِسْرَآئِیْلَ اَکْثَرَ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ کی

بنیاد پر بائبل میں راقم الحروف مفصل تنبیہ کر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب سید مودودی صاحب کا یہ طریقہ کار (یعنی بائبل سے قرآن کی تصدیق کرنا) ہی بنیادی طور سے غلط ہے اور اس آیت مذکورہ کے خلاف ہے۔

## عبارت نمبر ۱۱۹

بائبل کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے دو بھائی کے نام

تفہیم القرآن ۳ ۱۶۹ الانبیاء ۲۱

حاشیہ ۶۳۔ "بائبل کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کے دو بھائی تھے" نور اور حاران۔ حضرت لوط حاران کے بیٹے تھے (پیدائش باب ۱۱ آیت ۲۶) سورہ عبودیت میں حضرت ابراہیمؑ کا جو تذکرہ آیا ہے اس سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی قوم میں سے صرف ایک حضرت لوط ہی ان پر ایمان لائے تھے۔ ملاحظہ ہو آیت (۲۶)۔"

### تنبیہ

یہاں بھی وہی سوال ہے کہ جس کو قرآن نے نہیں بیان کیا ہے بلکہ خاموشی اختیار فرمائی ہے تو اس کی تفصیل کو بائبل کی کتاب پیدائش سے بیان کرنا آپ کے لئے کس طرح درست ہوا؟

## عبارت نمبر ۱۲۰

۱۔ الفاظ زبور اور یونانی مؤرخین کی تاریخ سے قرآن مجید کے اشارہ کی تفہیم

تفہیم القرآن ۳ ۸۶۹ انزل

حاشیہ ۲۹۔ "ان کے ملک کی اس غیر معمولی سرسبزی و شادابی کا ذکر یونانی



# خاتمہ

بفضلہ تعالیٰ حضرت فقیہ الامت سیدی و مرشدی آقائی و مولائی مخدومی و محترمی جناب مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے حکم سے راقم الحروف نے اس کتاب پر بحث شروع کی اور اسی امید پر کہ آنحضرت والا نور اللہ مرقدہ کی حیات طیبہ ہی میں یہ کتاب منظر عام پر آجائیگی مگر حضرت فقیہ الامت افریقہ سے دار نعوم دیوبند واپس تشریف نہ لاسکے نور اللہ مرقدہ و بر دالہ مضجعہ و رحمہ اللہ رحمۃ واسعة

ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اللہ تعالیٰ کی کریم ذات سے گمان کرتا ہوں کہ اس کام کے طفیل میرے تمام گناہوں کو معاف فرما کر روزِ حشر تخلصین خدام قرآن میں مبعوث کرے گا اور امت مسلمہ کو اس کتاب سے ہدایت نصیب کرے گا اور جناب سید مودودی مرحوم کی کجج عبارات و تحریرات کے زلیغ و ضلال سے سب کی حفاظت فرمائے گا۔ اور راقم الحروف اخیر میں انھی الصالح العزیز مولانا عبد اللہ بخاری قاسمی سلمہ (ولد جناب محترم عبد اللطیف صاحب زید مجدہ) و خواہر زادہ جناب مولانا عبد العظیم صاحب قاروقی زید مجدہ رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا تہہ دل سے ممنون ہونے کے ساتھ ساتھ دعاء گو بھی ہے کہ اللہ پاک میرے تمام محسنوں کو دارین میں بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین۔ وصلى الله على خير خلقه محمد وآله واصحابه اجمعين برحمتك يا ارحم الراحمين۔

مفتی محمد ساجد قریشی قاسمی

معتد

حضرت فقیہ الامت

بروز بدھ ۲۵ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۹۹۹ء

بمقام بنی مادھونج ضلع رائے بریلی یوپی۔



## ہماری چند اہم مطبوعات

- ☆ اصلاح خواتین (مجلد ریگزین) ☆ سیرت کبریٰ (۲ جلد)
- ☆ احوال الصادقین (ترجمہ تنبیہ المفترین) ☆ سیدنا عثمانؓ شخصیت و کردار (۲ جلد)
- ☆ ایمان کے ڈاکو (اردو) ☆ سیدنا علیؓ شخصیت اور کردار
- ☆ احکام میت ☆ سیدنا معاویہؓ
- ☆ ایرانی انقلاب ☆ صدائے محراب
- ☆ الاصحاب فی الکتاب ☆ الصبح النوری شرح قدوری
- ☆ یوراق الغیب (مجلد) ☆ فضائل اعمال (اعلیٰ ایڈیشن)
- ☆ براہین اہل سنت (کامل مجلد ۲ حصے) ☆ گھر کا دوا خانہ
- ☆ تحفہ خواتین (مجلد ریگزین اعلیٰ) ☆ گناہوں کے پہاڑ اور بخشش کا سیلاب
- ☆ توحید اور شرک کی حقیقت ☆ لطائف علمیہ (اردو)
- ☆ تشریحات بخاری (۶ جلد) ☆ البہشرات یعنی عالم خواب اور نبوی تعبیرات
- ☆ تلمیس ابلیس ☆ مکتوبات اکابر دیوبند (مجلد)
- ☆ حزب البحر (آرٹ پیپر) ☆ معلم کی شخصیت اور کردار
- ☆ حیات الاموات (مسئلہ حیات النبیؐ) ☆ مذہب اہل سنت
- ☆ خطبات حکیم الاسلامؐ (۱۱ جلد) ☆ معدن الحقائق (۲ جلد)
- ☆ خطبات مدنی ☆ مصباح اللغات
- ☆ خطبات مدراس (مجلد) ☆ شامل ترمذی
- ☆ ریاض الصالحین (مترجم ۲ جلد) ☆ مخزن التوحید

کتاب خانہ محمدیہ ملتان

(061)-543841